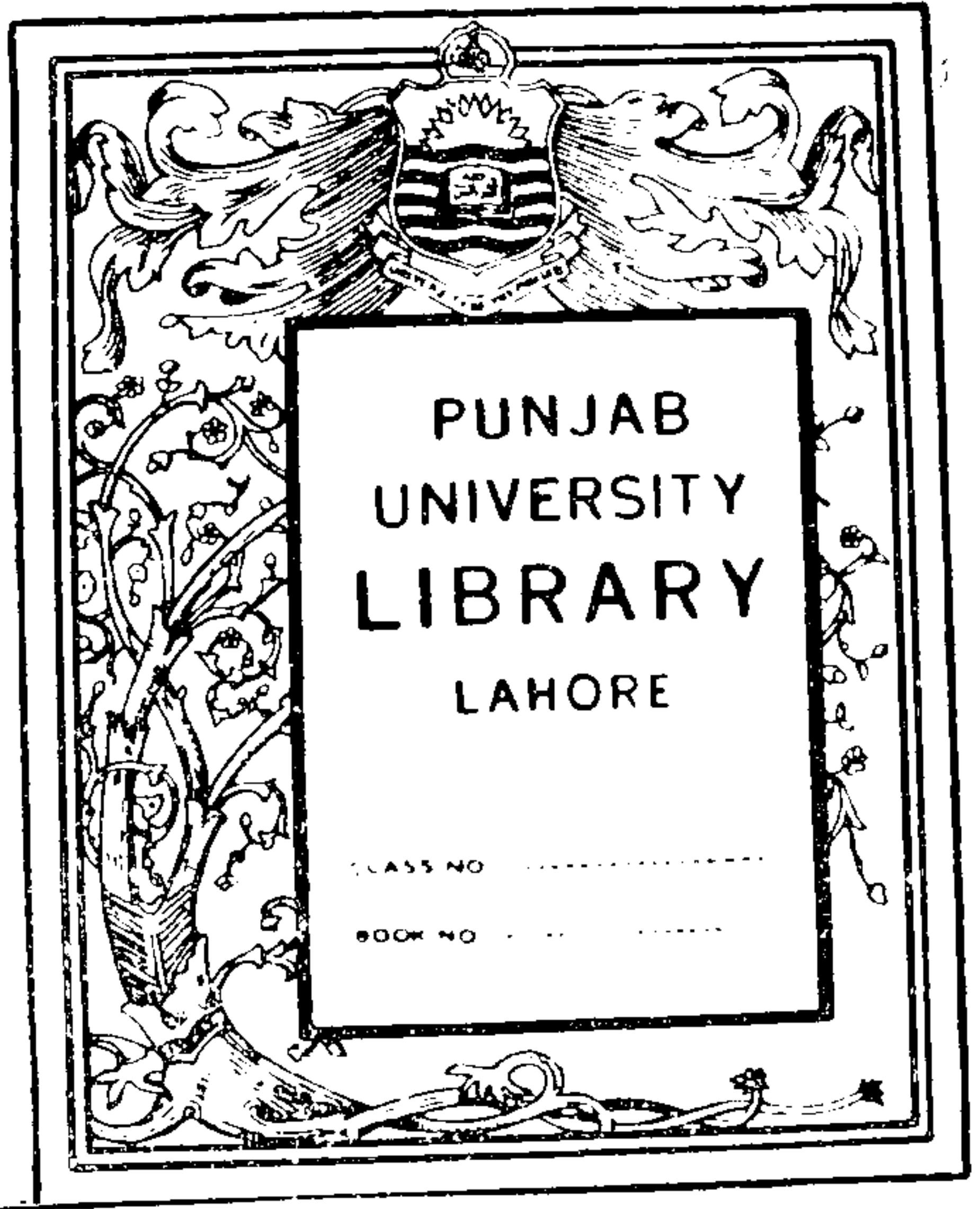


ذلال المساكين

مُصَنَّفٌ

فتیہ مولانا ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلوی رح

فریدکب شال اردو بازار لاہور



ذخیرہ صاحبزادہ میاں محمد شہر قیوڑی، نقشبندی مجددی

جو 2001ء میں میاں صاحب نے

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو عطا فرمایا

منشورات علمیہ

تصانیف مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی

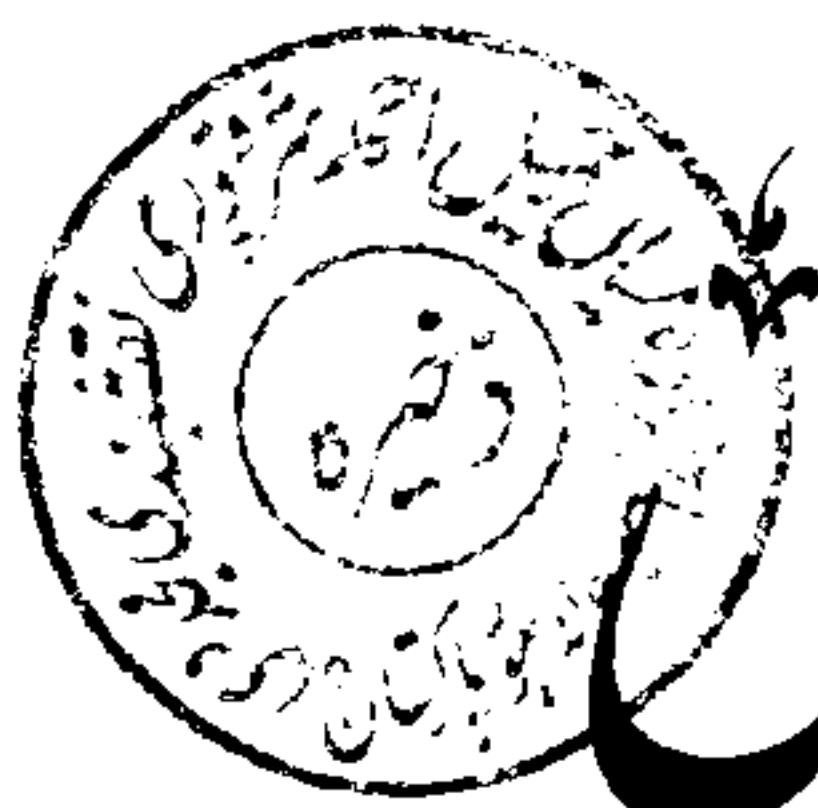
فریدیکسٹال لاہور کی یک سالہ شاعری خدشا، ایک نظر میں

۱۵/-	طبت روحانی ۶/۶۰ ، ترمذی شریف مترجم مکمل دو جلد	۲۲/-	خطبات اول مجلد فوم پلاسٹک
۱۸/-	فتاویٰ عالمگیری ۶۵۰/- ، منتخب شیش جلد فوم پلاسٹک	۲۲/-	خطبات دوم " " "
۶۰/-	حجتہ اللہ البالغہ	۲۴/-	خطیب " " "
۲۴/-	زلف و زنجیر اول	۲۴/-	واعظ اول " " "
۱۳/۵۰	ذکر البھر	۲۴/-	خطبات دوم " " "
۳۰/-	کوثر الخیرات شیخ الحدیث علامہ شرف سیاقی	۲۴/-	خطبات سوم " " "
۵/-	نسیم رحمت	۲۴/-	خطبات چہارم " " "
۶۵/-	اشعۃ القمعات اول (ترجمہ مولانا محمد سعید نقشبندی)	۲۴/-	مضید الواعظین " " "
۲۲/-	مسند امام اعظم	۲۲/۵۰	آنا جانا نور کا " " "
۱۸/-	مذکرۃ الاولیاء	۲۴/-	عورتوں کی حکایات " " "
۲۴/-	دلائل المسائل (فقہ اعظم کوٹلوی)	۱۶ ۵۰	سچی حکایات اول مجلد ڈسٹ کور
۲۴/-	فتہ الفقہ	۱۸ -	دوم " " "
۳۶ -	شمع شبستان رضا مجلد فوم پلاسٹک مکمل چار حصے	۱۸ -	سوم " " "
۲۱/۵۰	مجلد ڈسٹ کور	۱۵ -	چہارم " " "
۱۸/-	روح تصوف (از سید خورشید احمد گیلانی)	۱۵ -	پنجم " " "
سال رواں کے شاعری منصوبے اپنے نیچلی مراحل میں		۱۶/۵۰	شہنوی کی حکایات " " "
اشعۃ القمعات جلد دوم سوم		۱۲/-	شیطان کی حکایات " " "
بخاری شریف مکمل مترجم تین جلدوں میں		۱۵/-	عجائب الحیو آنا جانوروں کی دنیا " " "
ریاض الصالحین مترجم مکمل دو جلدوں میں		۱۶ ۵۰	نماز حنفی مدلل (فقہ اعظم کوٹلوی) مجلد پارچہ
مقالات سعیدی (مولانا غلام رسول سعیدی فیوض یزدانی)		۲۱/-	الخاروق مجلد ڈسٹ کور
ابوداؤد شریف تین جلدوں میں		۲۴/-	سنتی ہشتی زیور مفتی محمد غلام برکاتی مجلد فوم پلاسٹک
علمائے اہل سنت کی حکایات (ابوالنور کوٹلوی)		۱۵/-	بہار اسلام مجلد پارچہ
جامع المعجزات صاحبزادہ مولانا عطاء مصطفیٰ کوٹلوی		علاوہ ازیں دیگر اداروں کی اسلامی عبادت بھی تھوک پرچون نروں پر جامے ہاں دستیاب ہیں ، رابطہ کے لئے تحریر کیجئے :	

فریدیکسٹال ۴۰- اردو بازار، لاہور

فقیر اعظم مولانا ابوالکلیف محمد شریف محدث کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ

کے تحقیقی رسائل کا حسین و جمیل مجموعہ



دلائل المسائل

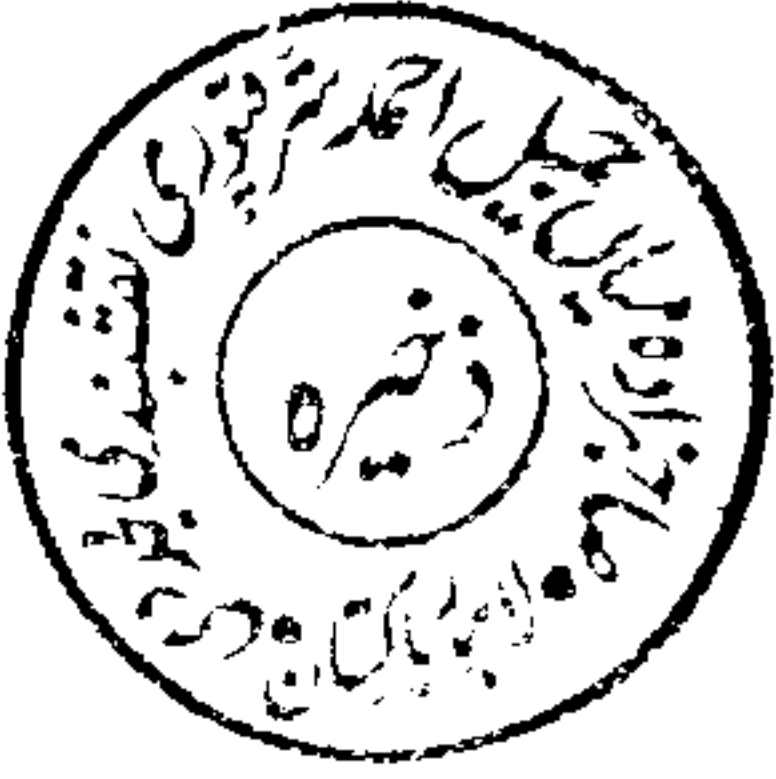
شیعہ مذہب کی ابتداء - مسائل شیعہ - ماتم کا شرعی حکم
کتاب التزویج - کتاب التزویج پر اعتراضات کے جوابات
کتاب الجنائز - ختم یا فاتحہ مروجہ کے جواز میں دلائل
ندائے یارسول اللہ کے جواز میں دلائل - اربعین نبویہ
آنحضرت کی نجد کیوں نفرت - تبرک مشائخ پر تبرکوں کا جواز
وہابیہ سے مناکحت - حضرت غوث اعظم کے ارشادات
وحید الزماں کے اقوال - ابن تیم کے اقوال

ناشر: فرید بک ٹال : ہم ادو بازار: لاہور

59824

نام کتاب ————— دلائل المسائل
 تصنیف ————— فقیر اعظم ابو یوسف محدث کوٹلوی
 ترتیب و تدوین ————— عطاء المصطفیٰ جمیل ایم، اے
 کتابت ————— فضل الہی: حضرت کیلیا نوالہ صاحب
 ناشر ————— سید اعجاز احمد رکن پکستان سنی رائرز گلڈ
 مطبع ————— عالمین پبلیکیشنز پریس ریگین روڈ لاہور
 قیمت ————— روپے

30 - 00



ترتیب

۴	پہلی نظر
۵	شیعہ مذہب کی ابتداء
۳۱	مسائل شیعہ
۶۲	ماقم کا شرعی حکم
۷۱	کتاب التراویح
۱۴۱	کتاب التراویح پر اعتراضات کے جوابات
۱۶۳	کتاب الجنائز
۱۷۹	ختم یا فاتحہ مروجہ کے جواز میں دلائل
۲۰۳	کشف العطاء عن مسئلۃ النداء - ندائے یارسول اللہ کا جواز
۲۳۲	اربعین نبویہ
۲۸۹	آنحضرت کی نجدیوں سے نفرت
۳۰۳	قبور مشائخ پر قبے بنانے کے جواز میں دلائل
۳۴۷	وہابیہ سے مناکحت
۳۷۵	خوش اعظم کے ارشادات
۳۸۸	وحید الزماں کے اقوال
۴۰۰	ابن قیم کے اقوال

پہلی نظر

جدی المکرم حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مضامین تقریباً ربع صدی تک الفقیہ امرتسر کی زریب وزینت بنتے رہے۔ آپ نے جس مسئلہ پر قلم اٹھایا تحقیق کا حق ادا فرمادیا۔ نماز مدلل، کتاب التراویح اور تائید الامام نے تو جلیل القدر علمائے معاصرین سے دادِ تحسین حاصل کی تاہم آپ کی بیشتر تحریریں کتابی صورت میں طبع نہ ہو سکیں۔

الفقیہ میں سے داد ا جان کے بعض فقہی مضامین ترتیب دے کر فقہ الفقیہ کے نام سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر چکا ہوں۔ دلائل المسائل کے نام سے یہ دوسرا مجموعہ حاضر خدمت ہے۔

برادر م سید اعجاز احمد صاحب کا ممنون ہوں۔ یہ انہی کے تعاون کا نتیجہ ہے اجاب کا تعاون جاری رہا تو سنی بھائیوں کی خدمت میں داد ا حضور کی مزید تحریریں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوگی۔

عطارد المصطفیٰ جمیل

شیعہ مذہب کی ابتدا

مدلل اور معلومات افزا

مختصر مگر جامع تحریر

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں تمام دنیا کو ڈرانے اور راہ ہدایت دکھانے کے لیے ملک عرب میں ظاہر ہوئے، آپ کی تبلیغ کسی قوم یا کسی نسل کے ساتھ مخصوص نہ تھی، تاہم حضور علیہ السلام نے اپنی اس دنیوی زندگی میں جن قوموں تک آسمانی آواز پہنچائی وہ عرب کے باشندے تھے۔

عرب میں اس وقت بڑی تعداد مشرکین بت پرستوں کی تھی اس کے بعد لاندہوں یہودیوں صابئین نصاریٰ کا مرتبہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت نے چند دنوں میں ہی دنیا کی کایا لپٹ دی۔ مذکورہ بالا تمام مذاہب نیست و نابود ہونے لگے اور لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ ابتداء میں ہر ایک باطل مذہب نے آپ کا مقابلہ کیا۔ عداوت کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ قتل کے منصوبے باندھے گئے لڑائیاں کیں۔ دولت، ملک اور حسینہ عورتوں کے لالچ بھی دیے، مگر حق کے سامنے کبھی باطل کے پاؤں جھے نہ تھے، کہ وہاں حجم جاتے رہند دنوں میں ہی غیر مذاہب کے بادل چھٹ گئے اور سب کو ایک ایک کر کے رخصت ہونا پڑا۔ سب سے زیادہ عداوت مسلمانوں کے ساتھ یہود اور مشرکین کو تھی۔ قرآن پاک نے اس کی خبر دی اور فرمایا۔

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ
اشْرَكُوا۔

کہ تم مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ عداوت رکھنے والے یہود اور مشرکین پاؤ گے۔

چونکہ عرب کا اکثر حصہ مشرکین سے آباد تھا اور حضور علیہ السلام کو اکثر وعظ و نصیحت
 میں انہی کے ساتھ موقع ملتا تھا۔ یہ لوگ اپنے مذہب کے برخلاف باتیں سن
 نہیں سکتے تھے۔ اس لیے مشرکین کو حضور علیہ السلام کے ساتھ زیادہ عداوت ہوئی
 یہودی بھی اس لیے برسرِ پیکار ہوئے کہ مشرکین کے بعد انہی لوگوں کا اقتدار تھا۔
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانسو برس پہلے نجات نصرت نے یہودیوں پر حملہ
 کیا۔ اس وقت یہودی خانماں برباد ہو گئے اور شام سے بھاگ کر ملک
 عرب میں جو شمال عرب میں علاقہ خیبر ہے۔ وہاں جا گزین ہوئے اور وہاں سکونت
 پذیر ہو کر اپنے مذہب کی اشاعت کرنے لگے۔ زراعت و تجارت کے ذریعہ
 انہوں نے اپنا جماؤ مستحکم کر لیا۔ پھر ان کے بطارقہ اور علما مختلف قبائل میں گھومنے
 لگے اور عرب میں یہودی مذہب کی بنیاد جم گئی۔ یمن کے مشہور بادشاہ ذوالواس
 حمیری نے یہودی مذہب قبول کر لیا اور لوگوں کو جبراً یہودی بنانے لگا۔ تلوار کے
 خوف سے عرب مغرب ہو گیا اور ملک کا بہت حصہ یہود کے قبضہ میں آ گیا۔
 یہودیوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اپنے برخلاف
 دیکھی تو انہوں نے عداوت پر کمر باندھ لی۔ واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ جس قدر
 ان کے دلوں میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت تھی۔ اتنی شائد مشرکین
 کو بھی نہ تھی۔ اسلام کی دن بدن ترقی دیکھ کر جلتے تھے اور مختلف تدبیروں اور
 منصوبوں کے ساتھ اسلامی قوت کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے۔ تھے ان کے
 علماء رات دن اسی دھن میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح اسلامی طاقت مضمحل
 ہو۔ کئی بار معاہدے کیے پر خود ہی توڑ ڈالتے مشرکین عرب کو ہمیشہ اسلام کے
 برخلاف ابھارتے تھے۔ یہی یہود لوگ تھے جو خود نام کے مسلمان بن کر حضرت
 ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے اور فسق کے ساتھ العیاذ باللہ
 متہم کرتے۔ الغرض جو ممکن تدبیریں ہو سکتی تھیں۔ انہوں نے کمی نہ کی۔ اللہ تعالیٰ
 جل جلالہ نے ان کی شرارتوں کے سبب ان کی گزشتہ ناپاک تاریخ دہرائی اور

شرم دلائی کہ اس قوم کی قدیمی عادت تکذیب ہے۔
 موسیٰ علیہ السلام جب لڑنے جاتے ہیں۔ یہودیوں سے امداد طلب کرتے
 ہیں تو یہی قوم ان کو جواب دیتی ہے۔

اِذْ هَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ نَفَّاتًا اِنَّا هُمْنَا قَاعِدُونَ۔

اے موسیٰ! جاؤ اور تیرا رب (بھائی) جا کر دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔
 یہی وہ لوگ ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کو وہ طور پر جاتے ہیں انہوں
 نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ نہ موسیٰ علیہ السلام کے مواعظ کا کچھ اثر
 ہوا نہ ہارون علیہ السلام کا۔

یہی قوم ہے جب موسیٰ علیہ السلام ان کو فرعون سے نجات دلا کر بحیرہ احمر
 سے پار کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔

اِجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمُ اِلٰهَةٌ۔

جیسے ان لوگوں کے لیے خدا ہے۔ ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک تاریخی واقعہ یاد دلایا اور فرمایا۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرِّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةٌ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ لَعْنَةِ
 اللّٰهِ وَغَضَبِ عَلَيْهِ وَجَعَلْ مِنْهُمْ الْعِرَاقَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ
 الطَّاغُوْتِ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاِ السَّبِيْلِ۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ خدا تعالیٰ سے بدلہ پانے کے اعتبار سے
 جو چیز بُری ہے کیا اس سے میں خیر دوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ملعون
 کیا اور جن پر خدا غصے ہوا اور خدا نے ان میں سے بندہ خنزیر اور بتوں کے پوجنے والے
 بنا دیے، یہ لوگ بہت بُرے ہیں۔ ٹھکانے کی رو سے اور سیدھے راستہ سے
 بھٹکے ہوئے ہیں۔

اور ان کے علماء کے حالات بھی بیان فرمائے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حَمَلُوْا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْيَمَّارِ

يَحْمِلُ أَسْفَارًا۔

ان لوگوں کی مثال جن پر توریت لادی گئی۔ پھر وہ لاد نہ سکے۔ اس گدھے کی سی ہے جس نے پیٹھ پر کتابیں لادی ہوں۔

پھر ان کی تعریف کا ذکر فرمایا۔

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ

پھر ان پر اللہ جل شانہ کا ایسا غضب ہوا کہ ان کی ملعونیت کی خبر قرآن پاک میں نازل ہوئی۔ چنانچہ فرمایا۔

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ عِيسَى

ابْنِ مَرْيَمَ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ۔

یعنی وہ لوگ جو بنی اسرائیل میں سے کافر ہوئے، وہ داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر ملعون کیے گئے۔ اس لیے کہ انہوں نے بے فرمانی کی اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔

دوسری جگہ فرمایا۔

مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثَقِفُوا أَخِذُوا وَقْتِكُمُوسًا تَقْتِيلًا۔

یہ ملعون ہیں جہاں کہیں بھی رہیں گے، پکڑے جائیں گے اور اچھی طرح قتل کیے جائیں گے۔

پھر ہمیشہ کے لیے ان کی ذلت اور مسکنت کا اعلان کیا گیا۔ چنانچہ فرمایا۔

ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ وَبَاوُدَ الْغَضَبَ مِنْ اللَّهِ۔

قرآن شریف کے مختلف مقامات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی شرارت و سرکشیوں کی خبر دی۔ یہود لوگ مسلمانوں کی زبان سے اپنے حالات سنتے تھے۔ اپنی ملعونیت معصوبیت اور اپنے علماء کی حالت اہل اسلام سے سن کر آگ بگولا ہو جاتے تھے اور جو کچھ ان سے ہو سکا کر گزرے۔ لیکن حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق ان کو تباہ و ذلیل کیا۔ ان کا اصلی مقام خیر بھی حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ

کے ہاتھوں فتح ہوا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت خصوصیت کے ساتھ ان کے دلوں میں جم گئی۔

یہود نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں امن کی درخواست کی حضور علیہ السلام نے جو کہ سر اسر رحمت مجسم تھے منظور فرمائی اور اس اقرار کے بعد حضور علیہ السلام خیر میں تشریف لائے تو انہوں نے نہایت کھری سازش کے سبب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ حضور علیہ السلام نے جب لقمہ اٹھایا تو گوشت نے کہا: مجھے نہ کھائیے۔ میں زہر آلودہ ہوں آپ نے ہاتھ اٹھا لیا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کھا چکے تھے۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے اس عورت سے پوچھا کہ تو نے کیوں زہر ڈالا۔ اس نے کہا اس لیے کہ میں نے سوچا کہ آپ سچے نبی ہوں گے تو آپ کو اطلاع ہو جائے گی اور اگر آپ کا دعویٰ جھوٹا ہوگا تو لوگ آپ سے محفوظ رہیں گے (معاذ اللہ کہتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اس صحابی کے قصاص میں قتل کیا جو کہ زہر سے شہید ہوا تھا۔ حضور علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ ان کو خیر سے نکال دیں مگر انہوں نے بہت آہ و زاری کی تو آپ نے فرمایا: اچھا تم خیر میں رہو۔ مگر ہمارا اختیار ہوگا کہ ہم جس وقت چاہیں تم کو نکال دیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نیز صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسی طرح رعایت سے مستفیض ہوتے رہے۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں اس اختیار کی بنا پر (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہمارا اختیار ہوگا جب چاہیں نکال دیں) ان کو نکال دیا اور مفسدوں سے زمین عرب پاک ہو گئی۔ یہودی خیر سے تو نکلے۔ لیکن مسلمانوں کا نبض دلوں میں لے کر نکلے۔ انہی باتوں کا آخر نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے لیے ایک فتنہ عظیم برپا ہوا جو پھر وہ نہ سکا جو آج بصورت فرقہ شیعہ آپ کے سامنے ہے۔ یہودیوں کی دولت برباد ہوئی۔ ملک بدر ہوئے۔ بے گھر ہوئے اس وقت جو کچھ ان کے دلوں میں اسلام کی عداوت ہو سکتی تھی وہ ظاہر ہے۔ وہ ہر وقت

چاہتے تھے کہ کسی طرح اسلام سے بدلہ لیا جائے، تاریخی واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اسلام کے برخلاف ایک نہایت عمیق اور گہری سازش کی اور اسلام اس کا شکار ہو گیا۔

کامل ابن اثیر تاریخ کی معتبر کتاب ہے۔ اسی طرح ناسخ التواریخ شیعوں کی معتبر کتاب ہے۔ ان دونوں کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے جس کو مولانا انوار الثجد آبادی نے مقاصد الاسلام میں بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات شریف کے بعد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو یہودیوں میں سے ایک شخص عبد اللہ بن سبائے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا۔ اور مسلمانوں میں شامل ہو گیا۔ پھر بصرہ کو فہر شام۔ حجاز کے شہروں میں پھرتا رہا۔ آدمی بہت لسان اور خوش بیان تھا جہاں جاتا لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیتا۔ مصر پہنچا۔ وہاں بھی مسلمانوں کے ساتھ اس نے ربط پیدا کیا اور اس قدر ربط پیدا کر لیا کہ عموماً لوگ اس کی باتیں سننے کے لیے اس کے پاس جمع ہو جاتے۔ ایک دن اس نے عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ہملوگ یقین رکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام تو واپس دنیا میں لوٹ آئیں اور ہمارے آٹائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ دنیا میں نہ آئیں۔ حالانکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ مسلمانوں میں یہ اعتقاد کس طرح پیدا ہو گیا۔ اس کی یہ تفسیر سن کر بہت سے لوگ اس کے حامی ہو گئے اور کئی مصری مسلمان قائل ہو گئے کہ بے شک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی واپس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ یہ پہلی بات تھی کہ اس نے مسلمانوں میں اس کا رواج دیا اور کئی لوگ رحبت پسند ہو گئے اور ایک الگ گروہ بن گیا۔

پھر اس نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کا ایک وصی تھا جو ہارون علیہ السلام ہے۔ تو کیا تعجب نہیں کہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس فضیلت سے محروم رہیں۔ ہرگز نہیں جس طرح بادشاہ بغیر وزیر کے نہیں ہوتا۔ اس طرح نبی بغیر وصی کے نہیں ہوتا۔ اس لیے ضرور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وصی تھا۔ مسلمانو! وہ وصی موجود

ہے۔ مگر تم دیکھ نہیں سکتے اور تم اندھے ہو کہ تم نے اس کو پہچانا نہیں۔ اس کی یہ تقریر سن کر جو لوگ پہلے حضور کی رحمت کے قائل ہو چکے تھے۔ وہ ممتنی ہوئے کہ آپ ہی فرمائیے۔ وہ وصی کون ہے۔ بیشک آپ کا وصی کوئی ضرور ہے۔ آخر ہمارے حضور علیہ السلام کچھ موسیٰ علیہ السلام سے کم تو نہ تھے۔ عبداللہ بن سبا نے جب دیکھا کہ یہ لوگ میرے جال میں آگئے ہیں اور ایک وصی کے منتظر ہیں۔ تو اس نے اعلان کر دیا کہ وہ وصی حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ افسوس کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زبردستی خلافت پر قبضہ کر لیا ہے، جس طرح کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے کر لیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس منصب سے الگ کر دیا۔ مسلمانو! جب حضور علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو انہیں کیا منہ دکھاؤ گے کہ آپ کا وصی در بدر مارا پھرے اور تم لوگ لش سے مس نہ کرو۔ ظالم غاصب ان کی جگہ لے لیں۔ کیا یہی دین اسلام اور یہی ایمان ہے۔ مصر کے لوگ یہ تقریریں کر چلائے کہ آخر اب ہم کیا کریں؟ عثمان کی قوت کے مقابلے میں ہم لوگ کیا کر سکتے ہیں۔ اب ہم کس طرح خلافت ان کو دلا کر خدا و رسول کو خوش کریں۔ ہمیں کچھ سمجھ نہیں آتی کہ اب وصی کی کس طرح امداد کریں۔ کہنے لگے کہ بات آسان ہے تم اپنے چیدہ چیدہ لوگ اسلام کے مرکزی شہروں میں جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہر شہر میں پہنچ کر عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ قاضی و حکام کی نسبت بدظنی پھیلاؤ۔ حکام کے لیے عموماً اہل مقدمہ میں سے ایک فریق ناخوش ہوتا ہے۔ کیونکہ حاکم کا فیصلہ ایک فریق کے ضرور مخالف ہوتا ہے اور مخالف فریق اس کی نسبت بدگمانی پیدا کر لیتا ہے۔ تم لوگ جب حکام کی طرف سے بددلی پھیلاؤ گے۔ بہت لوگ تمہارے ساتھ مل جائیں گے اور تمہارے ساتھ ایک جماعت ہو جائے گی۔ پھر سلطنت کا انقلاب سہل ہو جائے گا۔

لوگوں نے ملک میں پھیل کر اسی طرح کی بددلی پھیلائی۔ عام لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ حکام کی طرف سے بدظن ہو گئے اور ان کے دلوں میں عداوت و مخالفت پیدا ہو گئی۔ عبداللہ بن سبا کے اشارے سے ایک کمیٹی بن

گئی جس کی صدر کمیٹی مصر میں قرار پائی۔ الغرض ہر ایک شہر میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو اپنے حاکموں سے ناراض تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی، آپ نے کچھ لوگ تحقیقات کے لیے بھیجے، انہوں نے خفیہ طور پر تحقیقات کر کے رپورٹ دی کہ شکایات بے اصل ہیں۔ آپ سن کر خاموش ہو گئے۔

عبداللہ بن سبا کی کاروائیاں وسیع ہو رہی تھیں۔ آخر اس جماعت نے متفق ہو کر بغاوت کا اعلان کر دیا۔ ناسخ التواتر بخ والاکھتا ہے کہ مصر سے دو ہزار آدمی مسلح اور کوفہ بصرہ سے بھی اسی قدر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے اور انہوں نے مدینہ شریف پر حملہ کر دیا۔ اسی جنگ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور یہودیوں کا پورا کینہ اس صورت میں ظاہر ہوا۔ پھر تمام فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔

ابن سبا نے پھر یہ حکمت کی کہ فاتح خیبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر پر پارا الزام ٹھوپ دیا۔ مسلمان حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ٹوٹ پڑے اور اسلام کا شیرازہ بکھر گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت بسبب فتح خیبر جو اس کے دل میں مرکوز تھی اس کا اس طرح بدلا لیا۔

چونکہ اہل اسلام کہا کرتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ہر طور پر تورات لینے شریف لے گئے تو سب یہودی بگڑ گئے۔ پھر اکی پرستش شروع کر دی ابن سبا نے اس الزام کے رفع کرنے کے لیے یہ جواب تیار کیا اور اعلان کر دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد معاذ اللہ سب صحابہ مرتد ہو گئے۔ صرف ابوذر و مقداد و سلمان رضی اللہ عنہم مسلمان رہے۔ چنانچہ ابن سبا کی یہ گپ اڑائی ہوئی شیعوں کی کتابوں میں آج تک موجود مشہور ہے۔

ناسخ التواتر میں بھی لکھا ہے۔ ابو جعفر فرماتے ہیں۔

كان الناس اهل رادة بعد النبي صلى الله عليه وسلم
الاثلاثة۔

یعنی تین آدمیوں کے علاوہ سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعد مرتد ہو گئے (العیاذ باللہ)

مسلمان کہا کرتے تھے کہ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ہارون علیہ السلام پھر آئیں گے اور وہ غائب ہو گئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو قتل کر دیا۔ وہ پھر زندہ ہوں گے اور آئیں گے۔ ابن سبائے اس کا جواب بھی ایک فرقہ میں پھیلا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر آئیں گے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب شیعہ لوگ اپنے غائب امام کے منتظر ہیں۔

مسلمان کہا کرتے تھے کہ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے وصی ہارون علیہ السلام اور تورات کے اسرار و نواح کے اصل وصی ہارون کے بعد ان کے بیٹے شبر و شبیر ہیں۔ ابن سبائے مسلمانوں میں اس کے جواب میں یہ عقیدہ پھیلا دیا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل وصی حضرت علی ہیں۔ پھر ان کے دونوں صاحبزادے۔ صاحبزادوں کا نام بھی شبر و شبیر بتایا۔ آج تک یہ نام صاحبزادوں کے مشہور ہیں۔

اسی طرح اس نے مسلمانوں میں ایک ایسی روایت مشہور کی جس سے زیادہ ذلت آفریں کوئی واقعہ نہیں ہو سکتا اور نہ صرف یہی ایک روایت بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہل بیت کی سخت اہانت ہوتی ہے۔ نمونہ کے طور پر ایک واقعہ نسخ التواریخ سے لکھتا ہوں۔

جب ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو رات کے وقت حضرت علی حضرت فاطمہ علیہا السلام کو ایک گدھے پر سوار کر کے امام حسن حسین کے ہاتھ پکڑ کر مہاجرین و انصار کے گھر گھر گھومنے لگے۔ ہر ایک گھر پر کھڑے ہو کر فرماتے کہ میری مدد کر چنانچہ چوالیس شخصوں نے مدد کا وعدہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ صبح کو سر منڈوا کر مسلح ہو کر میرے پاس آؤ اور موت پر بیعت کرو۔ مگر ڈر کے سبب کوئی نہ آیا۔ دوسری رات بھی اسی طرح آپ گھر گھر گھومتے پھرے اور ان لوگوں کو قسمیں دے کر آمادہ کیا۔ مگر کوئی آمادہ نہ ہوا۔ آخر آپ مکان کا دروازہ بند کر کے قرآن جمع کرنے کے لیے

بیٹھ گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر علی رضی اللہ عنہ بیعت نہ کرے گا۔ تو خلافت کو استحکام نہ ہوگا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور بیعت کی درخواست کی۔ حضرت علی نے کہا کیا اس قدر جلد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افسر کیا گیا۔ خدا اور اس کے رسول نے مجھے خلیفہ مقرر کیا۔ ابو بکر اور اس کے حاشیہ نشین جانتے ہیں۔ دوسرے روز حضرت عمر نے کہا کہ علی اور اس کے ہم خیال منہوں نے اب تک بیعت نہیں کی۔ ان کو جس طرح ہو بلوایا جائے۔ اس کام کے لیے قنفذ مقرر ہوا۔ چنانچہ ایک جماعت قنفذ کی سرکردگی میں حضرت علی کے گھر پہنچی۔ حضرت علی نے قنفذ کو اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ اس نے حضرت عمر کے آگے بیان کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ اجازت کی کیا ضرورت ہے زبردستی جانا چاہیے اور جس طرح ہو سکے ان کو پکڑ کر لے آؤ۔ مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اپنے گھر کسی کو نہ آنے دوں گی یہ سن کر حضرت عمر کو غصہ آیا اور کہا کہ عورتوں کو ان معاملات میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر حضرت عمر چند آدمیوں کو ہمراہ لے کر آئے اور کہا اے علی باہر نکلو اور خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر ورنہ اس دروازہ کو جلا دوں گا۔ حضرت فاطمہ اندر سے نکلیں اور کہا اے عمر تمہیں کیا تعلق ہے تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ بلا اجازت میرے گھر میں آتے ہو۔ آخر حضرت عمر نے لکڑیاں منگوا کر آگ لگا دی۔ پھر دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ حضرت فاطمہ چختی ہوئی باہر نکلیں عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار جو کاٹھی میں تھی ان کی کمر پر ماری۔ حضرت علی کو غصہ آیا۔ انہوں نے عمر کو پکڑ کر زمین پر مارا۔ عمر نے فریاد کر کے باہر کے لوگوں سے مدد چاہی۔ قنفذ نے حضرت ابو بکر کو خبر دی۔ ان کو اندیشہ ہوا کہ حضرت علی تلوار لے کر نہ نکل آویں۔ قنفذ دوڑا۔ لوگوں کو لے کر گھر میں گھس گیا۔ حضرت علی کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ گرفتار کر کے گلے میں رسی باندھی اور اسی طرح کھینچتا ہوا مسجد کی طرف لے جانے لگا۔ فاطمہ روکتی تھیں۔ قنفذ نے زور سے ایک کوڑا مارا جس کا اثر وفات تک نمایاں رہا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے دروازہ کے پٹ کو زور سے دبا کہ فاطمہ کی

پسلی کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور حمل ساقط ہو گیا۔ جس کا نام حضور علیہ السلام نے محسن رکھا تھا ذرا نسخ التواتر ص ۵۸ جلد ۲۔ مطبوعہ ایران میں یہ روایت بڑی طویل مذکور ہے۔

اس واقعہ کی صحت کے متعلق خود یہ واقعہ گواہ ہے۔ پسلی ٹوٹی ہوئی عورت جس کا حمل بھی ساقط ہے اس کا دوڑنا پھرنا۔ ہلچل مچانا کیا سمجھ میں آسکتا ہے بھرت علی رضی اللہ عنہ جیسا بہادر جس نے اکیلے اپنے ہاتھ سے درہ خیبر کو اکھاڑ کر پھینک دیا ہو اس سے قنقد جیسا آدمی تلوار چھین لے سمجھ میں نہیں آسکتا۔

اصل بات یہ ہے کہ یہی وہ روایت ہے جس میں یہودیوں نے تمام غصوں اور کینوں کا اظہار کیا ہے ابن سبائے اس کو پھیلایا جو کچھ رسوائیاں یہودیوں کے ذمہ تھیں ان کا انتظام پورا ہو گیا۔

۱۔ فاتح خیبر کی ذلت و رسوائی قیامت تک اسی روایت کے ذریعہ سے مشہور ہوئی۔ (بزرگم ابن سبا)

۲۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے بت پرستی کی تو ابوبکر جیسے مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کے سامنے مرتد ہوئے۔ (معاذ اللہ) لعنت اللہ علی الکاذبین۔

۳۔ یہودیوں کو جس نے خیبر سے جلا وطن کیا۔ اس کی توہین و تکفیر کے لیے اس میں کافی سامان موجود ہے۔

۴۔ یہودیوں نے نبیوں کو قتل کیا۔ اس روایت سے بتا دیا کہ مسلمانوں نے نبی کی اولاد کو مارا۔ ان کی پسلی توڑی۔ اسی میں ان کا انتقال ہوا۔

الغرض خیبر سے بھاگنے والے یہودیوں کی سازش نہایت کامیاب ہوئی۔ ابن سبائے ہمیشہ کے لیے اسلام کے سقید دامن کو ان ذلیل دھبوں سے سیاہ کر دیا۔

فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط

معتبر شیعہ کی شہادت

مذہب شیعہ کی معتبر کتاب رجال کشتی میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن سبا پہلے یہودی تھا اور حضرت یوشع بن نون وصی حضرت موسیٰ کی شان میں غلو رکھتا تھا۔ جب مسلمان ہو گیا تو حضرت امیر کے متعلق اس نے غلو کیا اور وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت علی کی امامت کے عقیدہ کو ثابت کیا۔ اور اس کی اشاعت کی۔ اُنکے دشمنوں پر تر کیا۔ مخالفین نے عداوت قائم کی انہیں کافر کہا اسی وجہ سے شیعہ کے مخالفین کہتے ہیں کہ مذہب شیعہ کے اصول یہودیت سے ماخوذ ہیں۔

(رسالہ ابن سبا ص ۳۷)

معلوم ہوا کہ زمانہ یہودیت میں یوشع بن نون کے بارہ میں وہی اعتقاد رکھتا تھا جو اس نے حضرت علی کے شان میں ظاہر کیا۔ امامت علی کا مسئلہ اسی کا ایجاد کردہ ہے۔ بڑے عداوت کی اس نے بنیاد رکھی۔ اسی واسطے فرقہ شیعہ کا نام بسایہ بھی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

نہج البلاغہ قسم اول ص ۲۶ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے۔

عنقریب میرے متعلق دو گروہ ہلاک ہوں گے۔ ایک محبت میں زیادتی کرنیوالا کہ اس کو دشمنی خلاف حق کی طرف لے جائے گی اور دوسرا دشمنی میں زیادتی کرنے والا کہ اس کو دشمنی خلاف حق کی طرف لے جائے گی اور سب سے بہتر حالت میرے متعلق ان لوگوں کی ہوگی جو درمیانی راہ اختیار کریں گے۔ لہذا تم سب لوگ اسی درمیانی راہ کو اپنے اوپر لازم سمجھو۔ کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے خبردار بڑی جماعت سے علیحدہ نہ ہونا۔ کیونکہ جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوتا ہے وہ شیطان کا شکار بنتا ہے۔ جیسے وہ بکری جو گٹے سے علیحدہ ہوتی ہے۔ بھڑیے کا لقمہ بنتی ہے۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص سوا واعظم سے جدا ہونے کی تعلیم دے اس کو قتل کرو۔ اگرچہ

وہ میرے عمامہ کے نیچے ہو۔ آپ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

سَيَهْلِكُ فِي صَنْفَانِ مَحَبٍّ مَفْرُطٍ يَذْهَبُ بِهِ الْحُبُّ إِلَى
غَيْرِ الْحَقِّ وَمُبْغِضٍ مَفْرُطٍ يَذْهَبُ بِهِ الْبُغْضُ إِلَى غَيْرِ الْحَقِّ
وْخَيْرُ النَّاسِ فِي حَالِ الْنَمَطِ الْاَدَسُطُ فَالْزَمُوهُ وَالزَّمُوا السَّوَادَ
الْاَعْظَمُ فَاِنْ يَدَّ اللَّهُ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَاَيَاكُمْ وَالْفِرْقَةُ فَاِنْ
الشَّاذِلُ مِنَ النَّاسِ لِلشَّيْطَانِ كَمَا اِنْ الشَّاذِلُ مِنَ الْغَيِّوْلِ لِلذَّائِبِ
الْاَمِنْ دَعَا إِلَى هَذَا الشَّعَارِ فَاَقْتُلُوهُ وَلَوْ كَانَ تَحْتَ عِمَامَتِي
هَذِهِ (منہج البلاغۃ ص ۲۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس میں دو نصیحتیں فرمائیں۔
اول یہ کہ جناب کے متعلق درمیان میں راہ اختیار کرنی چاہیے۔ غلو محبت بھی
موجب ہلاکت ہے اور بغض و نفرت بھی ہلاکت۔
دوسری یہ کہ سواد اعظم بڑی جماعت کی پیروی کرو۔ اس ارشاد کے مطابق
بحمد اللہ اہل سنت ہی نمط اوسط ہیں۔ نہ ان میں مثل شیعہ کے غلو محبت ہے نہ
مثل خوارج کی بغض و نفرت اور حضرت علی کے زمانہ میں سواد اعظم اور بڑی جماعت
بھی یہی اہل سنت تھے، جن سے الگ ہونے والے کو آپ نے شیطان کا
شکار فرمایا۔

شیعہ مذہب کی یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت

النبی جلّالہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو امت وسط فرمایا۔
یعنی عادل نہ اس میں افراط ہے نہ تفریط۔ چنانچہ فرمایا۔
وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا آيَةً۔

یہود نے انبیاء و صالحین کو قتل کیا اور ایذا میں دیں اور ان کے ساتھ دشمنی
کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ نصاریٰ نے بجائے دشمنی کے محبت میں یہاں

تک افراط کی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت کے مرتبہ تک پہنچا دیا۔ لیکن اصل راہ مستقیم وہی ہے جو ہمارے علماء نے بیان کیا کہ افراط و تفریط سے پاک ہو۔ اسی طرح ہر کامل خصلت انہی دونوں کے درمیان ہوتی ہے مثلاً مال کے خرچ کرنے میں اگر تفریط ہو یعنی خرچ نہ کرے تو بخل ہے۔ اگر افراط ہے تو اسراف ہے اور اس کا وسط سخاوت و عدل اسی طرح محبت میں اگر تفریط ہو تو دشمنی ہوگی۔ جیسے یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عداوت رکھی۔ اگر افراط ہو جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت تک پہنچایا تو گمراہی عدل مستقیم یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام رسول مکرم و محترم تھے۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق دو فرقے ہوئے۔ ایک فرقہ نے یہاں تک تفریط کی کہ آپ کے دشمن ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان کے بھی قائل نہ ہوئے۔ بلکہ ابن ملجم خارجی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے کو اپنا نجات کا ذریعہ سمجھا۔ ادھر گروہ شیعہ نے یہاں تک افراط کی کہ حضرت علی علیہ السلام کو جملہ انبیاء علیہم السلام سے افضل سمجھا۔ بلکہ بعض نے تو الوہیت کے درجہ تک پہنچایا اور بعض نے یہ بھی کہہ دیا کہ اصل رسالت انہی کے نام تھی۔ جبہر بل علیہ السلام سے غلطی ہوئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ لیکن اہل بیت کثر ہم اللہ نے نہ افراط کیا نہ تفریط۔ بلکہ راہ مستقیم پر رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور خلیفہ چہارم تھے۔ فرقہ خوارج تو بسبب بغض سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہود کے مشابہ ہوا اور فرقہ شیعہ بھی بسبب بغض سیدنا ابی بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم و دیگر صحابہ کرام یہود کے ساتھ مشابہ ہوا اور بوجہ افراط محبت با علی رضی اللہ عنہ نصاریٰ کے ساتھ مشابہ ہوا۔ انہوں نے یہود و نصاریٰ دونوں کی مشابہت کو اپنے اندر جمع کر لیا اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی صاف لفظوں میں پوری ہوئی جو آپ نے فرمایا تھا۔

لترکتہن سنن من قبلکم الحدیث

فرقہ شیعہ کی یہود سے مشابہت

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس فرقہ کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی تھا جس نے بظاہر مسلمان ہو کر اسلام میں فتنہ پیدا کیا اور اس مذہب کی بنیاد رکھی۔ اسی واسطے اس مذہب کو یہود کے ساتھ مشابہت تامہ حاصل ہوئی۔

علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ کے ص ۸۱ میں امام شیعہ رحمہ اللہ سے شیعہ مذہب کی یہود سے مشابہت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ (شیعہ) اسلام سے رغبت اور خواہش کے ساتھ داخل نہیں ہوئے۔ مسلمانوں میں مل کر جس قدر ممکن ہوا۔ انہوں نے اہل اسلام کی عداوت میں کوتاہی نہیں کی۔ اس فرقہ کے وہ مسائل جو کہ یہودیوں سے مشابہ ہیں۔ یہ ہیں :-

(۱) یہود کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کی اولاد کے سوا کوئی امامت اور ملک کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ جبرائیل علی رضی اللہ عنہ کوئی امامت کے لائق نہیں۔

(۲) یہود کہتے ہیں کہ جب تک دجال نہ نکلے اور بند آسمان سے نہ اترے فی سبیل اللہ جہاد جائز نہیں۔ شیعہ کہتے ہیں کہ جب تک مہدی کا ظہور نہ ہوا اور آسمان سے منادی نہ ہو کہ اس کی تابعداری کرو۔ تب تک جہاد جائز نہیں۔

(۳) یہودی نماز مغرب کو ستاروں کے چمکنے تک تاخیر کرتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ بھی مغرب میں ستاروں کے ظہور تک تاخیر کرتے ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام نے مغرب میں اس قدر تاخیر کرنا منع فرمایا ہے۔

(۴) یہودی نماز کے وقت قبلہ سے ذرا پیڑھے کھڑے ہوتے ہیں۔ صاف قبلہ کے محاذ میں نہیں کھڑے ہوتے۔ اسی طرح شیعہ بھی پیڑھے کھڑے ہوتے ہیں۔

- (۵) یہودی نماز میں ادھر ادھر ملتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ بھی کرتے ہیں۔
- (۶) یہودی نماز میں سدل کرتے ہیں۔ یعنی کپڑا سر پر یا مونڈھوں پر اس طرح اوڑھتے ہیں کہ اس کی دونوں طرفیں دائیں بائیں ٹٹکتی رہیں۔ اسی طرح شیعہ بھی کرتے ہیں۔
- (۷) یہودیوں کے نزدیک عورتوں پر عدت نہیں۔ اسی طرح (بعض) شیعہ میں بھی نہیں۔
- (۸) یہودیوں نے توریت کو محرف کیا۔ شیعوں نے قرآن شریف کو تحریف کیا۔ اور اس کے محرف ہونے کے قائل ہوئے۔
- (۹) یہودی بجز طلاق کے جو حیض میں دی جائے۔ کوئی طلاق معتبر نہیں سمجھتے۔ اسی طرح شیعہ بھی نہیں سمجھتے۔
- (۱۰) یہودی مسلمانوں کو التام علیکم کہتے ہیں۔ شیعہ بھی اہل سنت کو اسی طرح کہتے ہیں۔
- (۱۱) یہودی جرمی اور مارا ہی کو (مچھلی کی قسم ہے) حرام کہتے ہیں۔ شیعہ بھی اسی طرح حرام کہتے ہیں۔
- (۱۲) یہودی مسح موزہ کے قائل نہیں۔ شیعہ بھی نہیں۔
- (۱۳) یہود سب لوگوں کا مال حلال سمجھتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ سمجھتے ہیں۔
- (۱۴) یہودی پانچ قرلوں (اطراف سر پر) سجدہ کرتے ہیں۔ شیعہ بھی اس طرح کرتے ہیں۔
- (۱۵) یہود سجدہ نہیں کرتے۔ جب تک رکوع کی مشابہت کے لیے کئی بار سر نیچے نہ کر لیں۔ شیعہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔
- (۱۶) یہود جبریل علیہ السلام کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ اسی طرح بعض شیعہ بھی کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی۔ بجائے علی رضی اللہ عنہ کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لاتا رہا۔
- (۱۷) یہود کی عورتوں پر مہر نہیں۔ منقہ کرتے ہیں۔ شیعہ بھی کرتے ہیں۔

(۱۸) یہودی اپنی کینزوں سے عسزل جائز نہیں سمجھتے اسی طرح شیعہ بھی جائز نہیں سمجھتے۔

(۱۹) یہودی حشر گوش و طحال کو حرام جانتے ہیں۔ شیعہ بھی حرام جانتے ہیں۔
(۲۰) یہودی لحد نہیں نکالتے۔ اسی طرح شیعہ بھی نہیں نکالتے۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لحد نکالا گیا۔

(۲۱) یہود اونٹ بطح حرام کہتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ بھی کہتے ہیں۔
(۲۲) جمع بین الصلوٰتین ہمیشہ کرنا اور تین وقت نماز پڑھنا شیعوں میں یہود کی مشابہت کے سبب ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ جو کچھ امام شعبی نے فرمایا ہے شیعوں میں ضرور پایا جاتا ہے۔ گوان میں سے بعض فرقہ میں کوئی بات نہ ہو۔ امام شعبی رحمہ اللہ کے اس قول کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے غنیۃ الطالبین میں بھی ذکر فرمایا ہے۔

یہود و نصاریٰ کو رافضیوں پر ایک فضیلت

باوجود اس کے یہود و نصاریٰ کو رافضی فرقہ پر ایک خصلت میں فضیلت حاصل ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہود سے جب پوچھا گیا کہ تمہارے دین میں سب سے بہتر گروہ کون تھا۔ یعنی سب سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے تابعدار اور سب سے بہتر کون لوگ تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ جو موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب اور ان کی زیارت کرنے والے تھے۔ وہ ہم سب سے بہتر تھے۔ گروہ نصاریٰ سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے افضل گروہ کون تھا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروں سے افضل تھے۔ لیکن جب رافضی اور خارجی سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ علیہ السلام کے اصحاب مہاجرین و انصار کیسے تھے؟ تو رافضیوں اور خارجیوں نے کہا کہ وہ معاذ اللہ سب سے بدتر تھے۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنَّ يَقُولُونَ إِذْ كَذَبْنَا -
 اس پر عجب یہ کہ یہ لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حکم تو یہ تھا کہ ان کے لیے
 استغفار کرتے جیسے حق سبحانہ نے ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا
 الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ الْآيَةُ -
 لیکن انہوں نے بجائے استغفار کے بدگوئی کی اے اے اللہ منما۔

شیعوں کی عجیب باتیں

علامہ ابن تیمیہ نے منهاج السنۃ جلد اول کے صفحہ ۹ میں شیعوں کی دوران
 عقل باتوں کا بیان کیا ہے۔ فرمایا ہے کہ ان میں ایک توہم پرستی یہ ہے کہ وہ دس
 صحابی جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی خوشخبری دی جن کو عشرہ مبشرہ کہا
 جاتا ہے۔ ان سے نفض کے سبب شیعہ لوگ دس عدد کو منحوس سمجھتے ہیں اور دس
 کا تکلم بھی اپنی زبان پر نہ کر رہے جانتے ہیں اور کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو دس ہو مثلاً
 گھر کا چھت دس ستونوں پر نہیں رکھتے۔ دس کڑیاں نہیں ڈالتے اسی طرح مہاجرین
 و انصار رضی اللہ عنہم کو جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درخت کے
 نیچے بیعت کی تھی برا جانتے ہیں اور ان سے نفض رکھتے ہیں حالانکہ اللہ جل شانہ
 نے قرآن شریف میں ان کی نسبت اپنی رضامندی کی خبر دی ہے۔

صحیح مسلم میں آیا ہے کہ حاصد بن ابی بلتعقہ کے غلام نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 خدا کی قسم دوزخ میں جائے گا۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کَذِبْتَ تو نے جھوٹ
 بولا۔ وہ جنگ بدر و حدیبیہ میں حاضر ہوا تھا یعنی بدر و حدیبیہ میں حاضر ہونے والے
 دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ (صحیح مسلم ص ۳۰۲ جلد ۲)

اللہ تعالیٰ نے مدینہ شریف میں تِسْعَةَ رَهْبَطٍ يَفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فرمایا
 تو کیا مفسدین کے نوگروہ کے سبب نو کا عدد چھوڑ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دس

عدد کی کئی جگہ تعریف فرمائی، متعرج میں روزوں کے متعلق فرمایا۔
تِلْكَ عَشْرًا كَامِلَةً۔

موسیٰ علیہ السلام کے وعدہ کے متعلق فرمایا۔

وَأَتَمَسْنَا هَآءِ عَشْرًا وَفَرَّيَا وَلَيَالٍ عَشْرًا
احادیث میں رمضان کے آخری عشرہ کے فضائل آئے ہیں۔ حضور علیہ السلام
اس میں اعتکاف بیٹھا کرتے تھے۔

بیلۃ القدر کے متعلق فرمایا کہ اس کو آخری عشرہ میں تلاش کرو۔
عشرہ ذی الحج میں عمل صالح کا ثواب بیان فرمایا اور بھی کئی نظام نہیں مگر شیعہ کی
عقل و بکھوکہ عشرہ کے لفظ کو مکروہ جانتے ہیں۔

اس پر تعجب یہ کہ عدد نو کو برا نہیں سمجھتے۔ حالانکہ عشرہ ہشرہ میں سے نو صحابہ کو ہی
برا سمجھتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مستثنیٰ جانتے ہیں تو اس لحاظ سے ان کو عدد ۹ کو
منہوس سمجھنا چاہیے تھا۔ مگر وہ دس کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

اس طرح جس شخص کا نام ابوبکر و عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) ہو۔ اس کے ساتھ
کوئی معاملہ نہیں کرتے۔ بلکہ حتی الوسع یہ نام بدل دیتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ میں سے
بعض وہ لوگ تھے۔ جن کا نام کفار کے نام سے ملتا تھا۔ چنانچہ ایک صحابی کا نام ولید
تھا جس کے لیے حضور علیہ السلام دعائے نجات فرمایا کرتے تھے اور اس کے باپ
کا نام بھی ولید بن مغیرہ تھا جو کافر تھا۔ بعض صحابہ کا نام عمرو تھا اور مشرکین میں بھی عمرو
بن عبدو و تھا۔ صحابہ میں سے خالد بن سعید سابقین اولین میں سے تھے۔ مشرکوں میں
بھی خالد بن سفیان تھا۔ صحابہ میں سے ہشام بن حکیم تھا۔ ابوہل کے باپ کا نام
بھی ہشام تھا۔ صحابہ میں سے عقبہ بن عمرو بدری تھے۔ مشرکوں میں عقبہ بن ابی معیط
تھا۔ صحابہ میں علی و عثمان تھے۔ مشرکوں میں علی بن امیہ بن خلف اور عثمان بن طلحہ
تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام نے کسی اسم کو اس لیے مکروہ نہیں
سمجھا کہ یہ نام کسی کافر کا ہے، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کے وہ نام رکھے

جن کو شیعہ مکروہ سمجھتے ہیں۔

امام غائب کے انتظار میں جہاں اس کو غائب سمجھتے ہیں۔ وہاں کوئی سواری گھوڑا یا خیر ہمیشہ باندھے رکھتے ہیں کہ جب نکلے۔ اس پر سوار ہو۔ خود وہاں کھڑے ہو کر پکارتے ہیں۔ یا مولانا اخرج۔ مولانا نکلو۔ بعض تو ان کے انتظار میں نماز بھی نہیں پڑھتے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ نکل آویں اور یہ نماز میں مشغول ہو اور اس کی خدمت سے محروم رہے۔ بعض دور دراز ملک سے مشرق کی طرف منہ کر کے ان کو بلند آواز سے بلاتے ہیں اور ظاہر ہے۔ اگر وہ موجود بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نکلنے کا حکم فرمایا ہو تو نکلیں گے۔ یہ پکاریں یا نہ پکاریں۔ اگر ان کو اذان نہیں تو وہ اس کے پکارتے کو قبول نہیں فرمائیں گے۔ پھر یہ فعل ان کا عبث ہوا۔ اسی طرح اگر وہ نکلے تو اللہ تعالیٰ ان کو امداد کرے گا۔ اس کی ضرورت نہیں کہ ان کے لیے ہمیشہ آدمی منتظر کھڑے رہیں اور سواری باندھے رکھیں۔

منل سعيهم في الحياة الدنيا وهم يحسنون انهم يحسنون

منعاً۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بغض و عناد کے سبب سرخ فہمیوں کا جہرا نام رکھ کر ان کے بال نوچتے ہیں اور تکلیف پہنچاتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ ہم ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف پہنچا رہے ہیں۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ بعض شیعہ ابو لولو نجوسی کی تعظیم کرتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ یہ نجوسی بالاتفاق کافر تھا۔ مگر یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عداوت کے سبب اس کافر کی عزت و تعظیم کرتے ہیں۔

جانوروں کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام رکھ کر ایذا پہنچانا اور یہ خیال کرنا کہ یہ ایذا صحابہ کرام کو پہنچے گی۔ شیعہ کے اعتقادات پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ حالانکہ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام والحمیہ نے تو اجماعی کافروں کو مشلہ کرنے سے منع فرمایا ان کا پیٹ پھاڑنا۔ ناک کاٹنا۔ بعد از قتل ممنوع کیا البتہ مقابلتاً جائز ہے۔ صحیح مسلم میں

روایت ہے کہ حضور علیہ السلام جب کسی لشکار یا سریر پر کوئی سردار بھیجتے تو خصوصاً تقویٰ کی وصیت فرماتے اور جو مسلمان ہوں ان کے ساتھ نیکی کرنے کی ہدایت فرماتے اور فرماتے کہ اللہ کے راہ غزا کرو۔ کافروں سے لڑو۔ لیکن نہ غلو کرو نہ عذر نہ مثلہ کرو نہ بچوں کو قتل کرو۔ اب غور کرو کہ کفار کو مرنے کے بعد مثلہ کرنا اعدا کی توہین اور بے حرمتی ضرور ہے۔ لیکن حضور علیہ السلام نے منع فرمادیا کہ یہ بلا اجازت ایذا رسانی ہے۔ کیونکہ مقصود صرف کافر کے شرکارو کنا تھا اور وہ اس کے قتل سے حاصل ہو گیا پس شیعہ لوگوں کا ایسا فعل جانوروں کے ساتھ کرنا جو کہ اصل کافر کے ساتھ بھی جائز نہ تھا۔ پھر اس کو سمجھنا کہ ہمارا یہ فعل صحابہ کرام تک پہنچے گا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی طرح عرصہ دراز کے بعد جو کہ واقعہ قتل کو گذر چکا ہے، ماتم کرنا اور ماتم بھی وہ ماتم جو ان کی شہادت کے بعد اسی دن یا دوسرے تیسرے دن بھی کیا جاتا تو شرعاً حرام تھا۔ یعنی رخساروں کا پیٹنا گریبانوں کا پھاڑنا اور جاہلیت کے آوازے کرنا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدَّودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى
الْمَاهِلِيَّةِ۔

یہ لوگ تو سارا سال عیش و عشرت میں گزار دیتے ہیں اور ایام محرم میں صفت ماتم بکھا دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کئی انبیاء علیہم السلام اور کئی غیر انبیاء۔ جو یقیناً امام حسین علیہ السلام سے افضل تھے۔ ظلماً شہید کیے گئے۔ مگر ان کا کوئی ماتم نہیں کیا جاتا۔

خود امام حسین علیہ السلام کے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ جو یقیناً حسین علیہ السلام سے افضل تھے۔ شہید کیے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور آپ کا قتل پہلا فتنہ تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد واقع ہوا اور اس قتل پر ایسے ایسے شر و فساد مترتب ہوئے جو امام

حسین علیہ السلام کی شہادت پر نہیں ہوئے۔ پھر بھی کسی مسلمان نے ان کا ماتم نہیں کیا۔ تو ان لوگوں کو صرف حسین علیہ السلام کا ماتم کرنا وہ بھی ایسے طریق سے، جو کہ شرعاً ممنوع ہے۔ ان کے تمدن اور تہذیب کو آشکارا کر رہا ہے۔ اللہ جل شانہ، ہدایت کرے۔

شیعوں کے متعلق ائمہ شیعہ کا ارشاد

حضرت علی رضی اللہ عنہ

نیج البلاغۃ جو کہ حضرت علی کی طرف منسوب ہے اور شیعہ میں بڑی معتبر کتاب ہے، اس میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے شیعوں کو مخاطب کر کے فرمایا: خدا تمہارا بڑا کرے۔ تمہیں غم نصیب ہو، جب تم گرمی و سردی سے بھاگتے ہو تو تموار سے اور بھی بھاگو گے۔ اے مرد صورت زنا نور لڑکوں اور عورتوں کی مانند عقل رکھنے والو! کاش نہ میں تمہیں جانتا، خدا تمہیں غارت کرے۔ تم نے میرے دل کو پیپ سے میرے سینہ کو غم و غصہ سے بھر دیا اور مجھے تم نے خوب غم کے گھونٹ پلائے اور تم نے میری اطاعت و نصرت کو چھوڑ کر میری رائے و تدبیر کو خراب کر دیا۔

آپ نے اپنے بڑے لڑکے امام حسن کو وصیت کی کہ اے فرزند حبیب میں دنیا سے مفارقت کروں اور میرے اصحاب (شیعہ) تم سے موافقت نہ کریں تو لازم ہے کہ تم خانہ نشین رہنا۔ (جلال العیون)

امام حسن رضی اللہ عنہ
آپ نے شیعوں کے متعلق فرمایا۔

بخدا سو گند معاویہ از برائے من بہتر است ازیں جماعت کہ آنہا دعویٰ کنند کہ
شیعہ من اند و ارادہ قتل من کردند و مرا غارت کردند (جلار العیون)
یعنی خدا کی قسم معاویہ میرے لیے بہتر ہے۔ اس جماعت سے جو دعویٰ کرتے
ہیں کہ میرے شیعہ ہیں حالانکہ انہیں شیعوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا اور
مجھ کو غارت کیا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ

خلاصۃ المصاب جو کہ شیعوں کی معتبر کتاب ہے۔ اس کے صفحہ ۲۹ میں لکھا
ہے کہ :-

امام حسین علیہ السلام نے صاف لفظوں میں فرمایا۔
قَدْ خَذَلْنَا شِيعَتَنَا۔

کہ ہم کو ہمارے شیعوں نے خوار کیا۔

جلار العیون میں ہے۔

شیعیان ما دست از یاری ما برداشتند۔

کہ میرے شیعوں نے میری مدد کرنے سے ہاتھ اٹھالیا۔

اپنے شیعوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اے جماعت (شیعہ) شمار ہلاکت و ضحرت باوچہ زشت مردم کہ شما بودہ اید۔

یعنی اے لوگو! تم ہلاک و برباد ہو جاؤ۔ تم کیسے میرے لوگ ہو۔

(ناسخ التواریخ ص ۱۹۲)

اے گمراہان امت۔ ترک کنندگان کتاب متفقان احراب پیروان شیطان

ترک کنندگان سنت ہائے پیغمبران۔ کشتندگان و ہلاک کنندگان اولاد و عزت

اوصیائے پیغمبران۔ اطاق کنندگان۔ اولاد زنا بغیر پدران ایذا رسانندہ مومن

یاوری کنندہ ظالماں۔

تم پر ولے ہو۔ نفرین ہو۔ لعنت خدا ہو (علاء العیون)
 خلفاء پر تیرا کئے والو شیعو! قیامت تک صحابہ کو جتنی گالیاں دو گے اس سے
 کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر تم خود اپنے امام حسین علیہ السلام سے سُن لو۔ اور بتاؤ کہ اتنے
 اوصاف رکھتے ہوئے بھی تمہارے گمراہ ہونے میں کچھ شبہ ہو سکتا ہے۔

امام زین العابدین

آپ نے شیعوں میں خطاب کیا۔

تم پر لعنت ہو۔ اے مکارو۔ اے غدارو۔ اب پھر دوبارہ میں تمہارے فریب
 میں نہ آؤں گا۔ تم چاہتے ہو کہ مجھ سے بھی وہی سلوک کرو۔ جو میرے بزرگوں سے
 کراچکے ہو۔ خدا کی قسم میں تمہارے قول و قرار پر ہرگز اعتبار نہ کروں گا۔ (علاء العیون)

امام باقر

آپ نے ایک دفعہ ابولہبیر سے فرمایا۔

واللہ لو انی اجد منکم ثلاثۃ مومنین یکتون حدیثی

ما استحللت ان اکتہم حدیثا۔

خدا کی قسم میری حدیث چھپانے والا تم میں سے تین مومن بھی پاتا تو میں اپنی
 حدیث تم سے نہ چھپاتا۔ (اصول کافی ص ۴۹۶)

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے وقت تین مومن شیعہ بھی آپ کے
 حدیث چھپانے والے نہ ملتے تھے۔

امام جعفر

آپ نے فرمایا۔ اگر میرے شیعہ پورے سترہ ہوتے تو میں جہاد کرتا۔
 (اصول کافی ص ۴۹۶)

معلوم ہوا کہ امام جعفر صادق کو سترہ مومن شیعہ بھی نہیں ملتے تھے۔

امام کاظم

آپ فرماتے ہیں۔

ان الله غضب على الشيعة فخيرني نفسي اوهم فوقيتهم والله

بنفسی۔ (اصول کافی ص ۱۵۹)

یعنی اللہ شیعوں پر غضب ناک ہوا۔ پس مجھ کو اختیار دیا کہ اپنی جان دوں۔ یا شیعہ ہلاک ہو جائیں۔ واللہ میں اپنی جان دے کر شیعوں کو بچاتا ہوں۔
معلوم ہوا کہ شیعہ ایسے ناپاک تھے کہ گودنیا میں کافر مشرک۔ مجوسی۔ یہودی سب تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا غضب شیعوں پر آیا اور آتنا بڑا غضب تھا کہ ایسے امام نے اپنی عمر مریدان دی۔ تب جا کر شیعہ بچے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح نصاریٰ مسیح کے کفارہ پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے عیسائیوں کے کفارہ میں جان دی۔ اسی طرح شیعہ بھی اپنے گناہوں کے عوض امام وقت جیسے بہترین مخلوق کو کفارہ سمجھتے ہیں۔
والسلام علی من اتبع الهدی

»————«

مسائل شیعه

مسئلہ نمبر ۱

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں اس فرقہ کا اعتقاد لکھا ہے کہ بحسب چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے باقی تمام صحابہ کو کافر کہتے ہیں، بالخصوص سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کافر کہتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

میں کہتا ہوں کہ اندھیرا اور سمجھ کا پھیر ہے کہ جن لوگوں نے اسلام کے لیے جان و مال قربان کیے، جن کی کوششوں سے دنیا میں اسلام پھیلا، جن کے ذریعہ سے اسلام کی دولت ہم تک پہنچی اور جو لوگ سفر و حضر میں حضور علیہ السلام کے ساتھ رہا کرتے تھے، آج ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان نہ تھے۔ (نور باللہ من ہذہ المعقولات)

اگر یہ لوگ مسلمان نہ تھے تو بتاؤ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں اگر کیا کام کیا، یہ تو ہر ایک منصف مانتا ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر کسی استاد کے شاگرد جہد عالم ہوں تو سمجھا جاتا ہے کہ ان کا استاد بڑا لائق ہے۔ اگر مرید پارسا ہوں تو سمجھا جائے گا کہ ان کا شیخ بڑا متقی ہے۔ تو اگر سرور عالم کے مریدوں کی یہ حالت تھی جو کہ شیعہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ پھر مرید بھی وہ جو سفر و حضر میں اپنے پر کے ساتھ رہتے تھے تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی تعلیم میں (معاذ اللہ) کوئی اثر نہ تھا۔ وہ لوگ جو ہمیشہ آپ کی صحبت میں رہے وہ بھی دل سے مسلمان نہ ہو سکے، حضرت علی، حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہم تو بقول شیعہ پیدائشی مسلمان تھے۔ حضور کے اثر صحبت سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ تو حضور نے اگر کن لوگوں کو مسلمان کیا، کیا صرف ابوذر، سلمان، عمار بن یاسر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو ہی مسلمان بنایا، اور یہ مسلمان بھی بقول کلینی ایسے کہ اگر ابوذر و سلمان کے دل کا معلوم ہوتا تو انہیں قتل کر دیتے۔ (اصول کافی ص ۲۵۴)

پھر آیت یداخلون فی دین اللہ افواجاً میں جن لوگوں کے اسلام لانے کا ذکر ہو رہا ہے وہ کہاں گئے اور وہ کون لوگ تھے؟

اگر خلفائے ثلاثہ دل سے مسلمان نہ تھے تو اپنی اپنی خلافت کے زمانہ میں انہوں نے اپنے دین (کفر) کا کیوں اظہار نہ کیا؟ کیوں لوگوں کو مسلمان بناتے رہے؟ اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو کس ڈر تھا؟ کہ اپنا کفر ظاہر نہ کر سکے۔ کیا وہ حضرت علی سے ڈرتے تھے؟ اگر ان کا ڈر تھا تو وہ خلافت پر کیسے قابض ہو گئے؟ اس وقت کیوں نہ ڈرے؟

حضرت علی، ابوذر، مقداد، عمار اور حسین ان کے پیچھے کیوں نمازیں پڑھتے رہے؟ کیا کافر یا منافق کے پیچھے نماز جائز ہے؟ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات دنیوی کے آخری دور میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نماز میں امام کیوں بنایا؟ حالانکہ مومن اور منافق قرآن کی نص قطعی کے مطابق متمیز ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ

يُمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔

اور منافق کو بالاجماع امام بنانا جائز نہیں۔

معلوم ہوا کہ شیعوں کا یہ اعتقاد نہایت بُرا ہے۔ صحیح وہی ہے جو اہلسنت کا اعتقاد ہے کہ خلفائے ثلاثہ اور دیگر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سب حضور علیہ السلام کے فداکار اور جانثار تھے وہ کامل الایمان تھے۔ جو ان کو بُرا کہتا ہے درحقیقت وہ خود برا ہے۔

مسئلہ نمبر ۲

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفۃ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنے کا ثواب اللہ کے

ذکر کے ثواب سے بہت بڑا ہے،
حالانکہ ابلیس مردود جو کہ گمراہی کی بنیاد ہے، اس پر لعنت کرنا بھی ثواب
کا کام نہیں۔ چہ جائیکہ اس کو افضل طاعت کہا جائے۔ قرآن پاک میں تصریح
موجود ہے۔

وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ

اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔

مگر یہ شیعہ لعن طعن کرنے کو ذکر اللہ سے بھی افضل سمجھتے ہیں۔

دشنام ہند ہے کہ طاعت باشد

مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

جس مذہب میں گالیاں بکنا عبادت ہو، کیا وہ خدائی مذہب ہو سکتا ہے؟
ہرگز نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ شان ہے کہ رسول پاک نے فرمایا کہ اگر میرے
بعد کوئی نبی ہوتا، تو وہ عمر ہوتے، ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے صرف اتنا کہا
”انصاف کیجئے“ تو حضرت عمر اس کو قتل کرنے پر تیار ہو گئے۔ ایک منافق نے حضور
کی عدالت کے فیصلہ کے بعد حضرت عمر کی عدالت سے رجوع کیا تو آپ نے
اسے قتل کر دیا اور فرمایا ”جس کو حضور کا فیصلہ منظور نہیں اس کے حق میں عمر کا
یہی فیصلہ ہے“

اگر حضرت عمر ایسے ہوتے جیسا کہ شیعوں کا خیال ہے تو حضرت علی رضی اللہ
عنہ اپنی دختر نیک اختر کو ان کے نکاح میں کیوں دیتے؟

معلوم ہوا کہ شیعوں کا یہ عقیدہ بھی بہت برا ہے۔ صحیح یہی ہے جو اہلسنت و
جماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے جلیل القدر
صحابی تھے حضور کے کسمر تھے، ضعیف اسلام تھے، اسلام کی شمشیر بے نیام تھے۔
عمر وہ تھے جن کو حضور نے خدا سے مانگ کر لیا تھا۔ وہ زندگی بھر حضور کی خدمت و
مہاجرت میں رہے اور موت کے بعد بھی اپنے محبوب کے قدموں میں ہیں۔

مسئلہ نمبر ۳

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ وہ اکابر مہاجرین و انصار، خلفائے ثلاثہ، عشرہ
مبشرہ اور حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہم پر نماز پنجگانہ کے بعد لعنت کرنا واجب
مانتے ہیں۔

ان کا یہ فعل تمام سابقہ شریعتوں کے برخلاف ہے اس لیے کہ انبیاء میں ہر
ایک کے دشمن موجود تھے۔ اللہ نے فرمایا۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شِيَاطِينَ الْإِنْسِ -

مثال کے طور پر فرعون کہ سالہا سال تک بنی اسرائیل کو ایذا میں دیتا رہا اور
مثلاً عمرو کہ خلیل اللہ کو جلانے تک سے گریز نہ کیا۔ لیکن کسی شریعت میں کسی نبی
نے اپنی امت پر فرض نہیں کیا کہ ہمارے مخالفوں پر نماز کے بعد لعنت بھیجا کر ور
بلکہ مستحب بھی نہیں فرمایا اور نہ ہی اس پر کسی ثواب کا وعدہ فرمایا تو کیا حجت للعالمین
جو کہ اپنے قاتلوں کو معاف کر دیتے تھے، وہ پسند کر سکتے ہیں کہ عبادت الہی
جیسے مقدس فریضہ کے بعد گالی گلوچ یا بکواس کیا جائے۔

اس لیے شیعوں کا یہ عقیدہ بھی غلط ہے۔ صحیح وہی ہے جو اہل سنت کا عقیدہ
ہے۔ اہل سنت کا نماز کے بعد وہی عمل ہے جس کی تعلیم قرآن پاک نے دی ہے کہ
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ
فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ -

مسئلہ نمبر ۴

مسائل شیعہ میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ۱۸ رذی الحج کو انہوں نے
ایک عید بنا رکھی ہے، جس کا نام عید غدیر ہے، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اثنا عشریہ میں
فرماتے ہیں کہ شیعہ اس عید کو عیدین پر ترجیح دیتے ہیں اور اس کو عید اکبر

کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث غدیر خم، جس میں حضرت علی کی خلافت کا ذکر ہوا، ہرگز ہرگز صحیح نہیں۔ جو اس کو صحیح سمجھتا ہے وہ اس کی سند بیان کرے۔ پھر ہر ایک راوی کی ثقاہت ثابت کرے اور حدیث من کنت مولاه فعلی مولاه بھی صحیح نہیں۔ پھر مولیٰ بمعنی حاکم بھی یہاں درست نہیں۔ مولیٰ بمعنی محب صحیح ہے۔ اسی حدیث میں جملہ اللہ وال من والہ قریب ہے کہ یہاں مولیٰ بمعنی محب ہے پھر اس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے کا ذکر تک نہیں تو عید کیسی؟

سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص ہوتی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے موقع پر کوئی نہ کوئی صحابی اسے پیش کرتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ تو حضرت علی کے دشمن تھے تو کم از کم حضرت علی ہی اس حدیث کو پیش کر دیتے۔ حالانکہ نہ تو کسی صحابی نے اس حدیث کو پیش کیا اور نہ ہی حضرت علی نے۔ معلوم ہوا کہ شیعوں کا یہ مسئلہ بھی غلط ہے اور ان کی یہ عید ایک بناوٹی عید ہے۔

مسئلہ نمبر ۵

مسائل شیعہ میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ شیعوں نے بابا شجاع الدین کی ایک عید بنا رکھی ہے۔ ان کے نزدیک بابا شجاع، ابو لؤلؤ کا لعل تھا۔ ابو لؤلؤ حضرت عم کا قاتل تھا۔ جو کہ مجوسی تھا۔ دراصل یہ مجوسیوں کی عید ہے کہ وہ حضرت عمر کے قتل کی خبر سن کر بہت خوش ہوئے اور اس روز کو روزِ مفاخرت و تسلیہ کا نام دیا۔ کیونکہ مجوسیوں کے دین پر جو گزری تھی، ان کی نسلیں یاد رکھیں گی مجوسیوں کا مغلوب ہونا اور اسلام کا غالب آنا حضرت عمر کے ہاتھوں ہوا تھا یہی وجہ ہے۔

کہ مجوسی حضرت عمر کی شہادت کے دن کو اپنے لیے عید کا دن تصور کرتے ہیں۔
معلوم ہوا کہ شیعوں اور مجوسیوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور شیعوں
نے مجوسیوں کا اتباع کیا ہے۔

مسئلہ نمبر ۶

ایک مسئلہ شیعوں کا ہے کہ وہ نوروز کی تعظیم کرتے ہیں اور تہوار کے
طور پر مناتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی مجوسیوں کی عید ہے۔ اس دن کی تعظیم بھی رسوم
جاہلیت میں شامل ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۴۷)

مسئلہ نمبر ۷

شیعوں کی اعلیٰ ترین تعلیم گالی دنیا، جھوٹ بولنا اور جھوٹی تہمتیں لگانا ہے،
پھر اس پر ترقی حسانات کا وعدہ ہے۔
ملاحظہ فرمائیے اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ ص ۵۵۴
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اذا راٰ ایتواہل الریب والبداع من بعدی فاظہروا
البراة منہم واکثروا من سبتہم والقول فیہم والوقیعة
وباہتواہم کیلا یطعموا فی الفساد فی الاسلام ویخذاہم
الناس ولا یتعلمون من بداعہم ینکب اللہ لکم بذات
الحسانات ویرفع لکم بہ الدرجات فی الآخرة۔

میرے بعد جب تم شک اور بدعت والوں کو دیکھو تو ان سے بیزاری ظاہر
کرو۔ ان کو خوب گالیاں دو، برا کہو، بے آبروئی کرو اور ان پر بہتان بانڈھو
تاکہ وہ اسلام میں فساد کا طمع نہ کریں، لوگ ان سے بچیں اور ان کی بدعت

کو نہ سیکھیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ان افعال (گالی کلوچ وغیرہ) کے عوض نیکیاں لکھے گا اور آخرت میں تمہارے درجات بلند کرے گا۔

مسلمانو! دیکھا آپ نے ایہ ہے شیعوں کی تعلیم۔ قرآن پاک تو جھوٹ بولنے والی دینے اور تمہمت لگانے سے منع فرمایا۔ مگر یہ لوگ ہیں جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ذمہ لگاتے ہیں کہ وہ اپنے متقدمین کو تعلیم دیتے تھے کہ تم اپنے مخالفین کو گالیاں دیا کرو، افترا پر دازیاں کیا کرو اور بہتان لگایا کرو۔ پھر یہ ناپاک تعلیم حضرت امام جعفر صادق کے حوالے سے حضور علیہ السلام سے منسوب کی گئی ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

شیعوں کے نزدیک گالی بکنا اور بہتان طرازی عبادت شمار ہوتی ہے کہ اس سے ترقی درجات کا وعدہ ہے۔ تو صحابہ کرام سے زیادہ کون ہے جو ان کے بہتان کا نشانہ بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے صحابہ کرام سے بدظنی پیدا کرنے کے لیے طرح طرح کی بہتان طرازی تیار کر رکھی ہیں۔

مسئلہ نمبر ۸

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو اصول کافی میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

یا سلیمان انکو علی دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اشاعہ اذلہ اللہ۔

اے سلیمان تم ایسے دین پر ہو جو اس کو چھپائے گا، اللہ تعالیٰ اسے عزت دے گا اور جو اس کو شائع کرے گا، اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔

معلوم ہوا کہ شیعہ مذہب کی اشاعت جائز نہیں۔ جو کرے گا خدا اسے ذلیل کرے گا۔ اب شیعوں کو لازم ہے کہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اپنے مذہب کی اشاعت بند کر دیں۔ اخبارات و رسائل نکالنا بند کر دیں۔ مجالس عزرا بند کر دیں کہ

اس میں شیعہ مذہب کی اشاعت ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو اس کی اشاعت کرے گا، اللہ اس کو ذیل کرے گا۔

مسئلہ نمبر ۹

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو اصول کافی میں ابو الحسن علیہ السلام سے منقول ہے۔

قال ان الله غضب على الشيعة فخيرني نفسي اوهم فوقيتهم والله بنفسي۔

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شیعوں پر غضب ناک ہوا تو اس نے مجھے اختیار دیا میرے نفس کا یا ان کا (یعنی شیعوں کو بچا لو یا اپنے آپ کو) تو خدا کی قسم میں نے اپنی جان کے عوض شیعوں کو بچا لیا۔

دیکھئے یہ وہی مسئلہ ہے جو عیسائیوں میں کفارہ کا ہے۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اللہ شیعوں پر اتنا غضب ناک ہوا حالانکہ ان کے نزدیک دین صرف محبت کا نام ہے نماز روزہ کی بھی ضرورت نہیں۔ چنانچہ فروع کافی کتاب الرضیہ میں لکھا ہے۔

کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نمازیوں کو دوست رکھتا ہوں اور خود نماز نہیں پڑھتا۔ روزہ داروں کو بھی دوست رکھتا ہوں اور خود روزہ نہیں رکھتا تو آپ نے فرمایا۔

انت مع من احببت و لك ما اكتسبت۔

تو اسی کے ساتھ ہو گا جس کی تو محبت رکھتا ہے اور تیرے لیے ہے جو لوگ برا کام کیا۔

یعنی تیرا نماز نہ پڑھنا اور روزہ نہ رکھنا تیرے لیے مفید ہے یہی وجہ ہے کہ

شیعوں کی اکثریت تارکِ نماز ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ شیعان علی کیسے ہی بے عمل کیوں نہ ہوں۔ ان پر کوئی عتاب نہیں چنانچہ اصول کافی میں عبد اللہ بن یعفور سے روایت ہے :-
 قال قلت لابی عبد الله عليه السلام اني اخاط الناس فيكثر
 عجبی من اقوام لا يتولونكمو ويتولون فلانا وفلانا لهم امانة
 وصدق ووفاء اقوام يتولونكمو ليس لهم تلك الامانة ولا الوفاء
 ولا الصدق الخ۔

میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں لوگوں سے ملتا جلتا ہوں
 تو میرے تعجب کی کوئی حد نہیں رہتی جب میں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو فلاں
 فلاں سے محبت رکھتے ہیں لیکن آپ سے محبت نہیں رکھتے۔ ان میں امانت ،
 رفق اور وفا ہے اور وہ لوگ جو آپ سے محبت رکھتے ہیں ان میں نہ تو وہ امانت
 ، نہ صدق اور نہ ہی وفا۔

تو امام جعفر صادق علیہ السلام بیٹھ گئے، میری طرف غصہ کی حالت میں متوجہ ہوئے
 اور فرمایا۔

اس شخص کا کوئی دین نہیں جو ظالم امام کی ولایت میں اللہ کا تابعدار
 ہوا اور اس پر کوئی عتاب نہیں جو عادل امام کی اطاعت سے اللہ
 کا میطیع ہوا۔

میں نے عرض کیا کہ ان لوگوں کا کوئی دین نہیں اور ان لوگوں پر کوئی عتاب
 نہیں؟

آپ نے فرمایا ہاں! ان کا کوئی دین نہیں اور ان پر کوئی عتاب نہیں۔
 یعنی جن لوگوں میں امانت ، صدق اور وفا ہے وہ بے دین ہیں اور جن میں

امانت صدق اور وفا نہیں ان پر کوئی عتاب نہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۱

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ کسی کو شیعہ مذہب کی طرف بلانا جائز نہیں چنانچہ اصول کافی ص ۲۸ میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

كفوا عن الناس ولا تدعوا احدا الى امركم۔

لوگوں سے ہٹ جاؤ اور کسی کو اپنے مذہب کی طرف نہ بلاؤ۔
معلوم ہوا کہ شیعوں کا اخبارات نکالنا، رسائل طبع کرنا، مجالس کرنا اور مذہب کی تبلیغ کرنا امام جعفر صادق کے اس قول کے خلاف ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول شیعوں کی نزدیک خدا کا قول ہے۔ چنانچہ اصول کافی ص ۳۲ میں امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔

میری حدیث میرے باپ کی حدیث ہے، میرے باپ کی حدیث میرے دادا کی ہے، میرے دادا کی حدیث حضرت امام حسین کی حدیث ہے، امام حسین کی حدیث امام حسن کی حدیث ہے، امام حسن کی حدیث حضرت علی کی حدیث ہے، حضرت علی کی حدیث رسول کریم کی حدیث ہے اور رسول کریم کی حدیث خدا کا فرمان ہے۔

اس سلسلہ سے معلوم ہوا کہ آج کل کے شیعہ مجالس منعقد کر کے حضرت امام جعفر صادق کے ارشاد کے خلاف چل رہے ہیں اور امام جعفر صادق کا خلاف تمام مٹے بلکہ رسول کریم اور پھر خدا کا بھی خلاف ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۲

ایک مسئلہ شیعوں کا یوں ہے کہ دین حق کا چھپانا ثواب ہے۔ چنانچہ اصول کافی میں حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ، سلیمان بن خالد کو فرماتے ہیں۔

انکم علی دین من کتمہ اللہ اعزہ اللہ ومن اذا اعدا ذلہ اللہ
تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا، اللہ اس سے عزت دے گا اور جو اس سے
شائع کرے گا، اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔

اس زمانہ میں شیعہ اس حکم کا بھی خلاف کرتے ہیں۔ وہ مذہب جس کے چھپانے
کا حکم تھا شیعہ اسے اعلانیہ اخباروں اور وعظوں کے ذریعے شائع کر رہے ہیں۔ ان کے
کے لیے بہتر یہی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے قول پر عمل کریں اور اس
مذہب کا کسی دوسرے کے سامنے نام نہ لیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے۔

جس شخص تک ہماری بات پہنچے اور وہ شائع کر دے وہ دنیا میں ذلیل
ہوگا اور آخرت کا نور اس سے کھو دیا جائے گا۔ (اصول کافی ص ۴۵۸)

قرآن میں تو اللہ کا ارشاد ہے لیظہرہ علی الذین کذبہ لیکن شیعوں کا دین
کیسا ہے جس کی اشاعت پر اس قدر وعید ہے! شیعو! حضرت امام کا ارشاد سنو
اور اس پر عمل کرو! اگر تم شیعہ ہو تو بنے رہو لیکن کسی اہل سنت کے سامنے ہرگز
اپنے مذہب کو پیش نہ کرو ورنہ بقول حضرت امام جعفر صادق دنیا میں بھی ذلیل
ہو گے اور آخرت میں بھی نور نہ ملے گا۔

مسئلہ نمبر ۱۳

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ ان کے امام ایک ہی مسئلہ کے جواب میں کسی
کو کچھ اور کسی کو کچھ اور بتاتے تھے۔ چنانچہ اصول کافی ص ۳۷۱ میں زرارہ سے روایت
ہے وہ ابو جعفر سے روایت کرتا ہے۔

قال سألته عن مسألة فاجابني ثم جاءه رجل فسأله
عنها فاجابه بخالف ما اجابني ثم جاءه اخر فاجابه بخلاف
ما اجابني واجاب صاحبي فلما خرج الرجلان قلت يا بن

رسول الله راجلان من اهل العراق من شيعتكم قدما
يسلان فاحبت كل واحد منها غير ما احبت به صاحبه
فقال يا نزار اراة ان هذا خير لنا والبقى لنا ولكم۔

میں نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا تو آپ نے مجھے جواب دیا۔ پھر ایک
آدمی آیا۔ اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا تو آپ نے اس کو میرے جواب کے برخلاف
جواب دیا۔ پھر ایک اور آدمی آیا اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا اس کو کچھ اور ہی
جواب دیا۔ جو ہم دونوں کے خلاف تھا۔ جب وہ دونوں سائل چلے گئے تو میں
نے عرض کی۔ اے فرزند رسول! اہل عراق کے دو شیعے آپ کی خدمت میں مسئلہ
پوچھنے آئے۔ آپ نے ہر ایک کو الگ الگ جواب دیا۔ یہ کیا بات ہوئی۔ تو آپ
نے فرمایا اے زرازہ! یہی ہمارے لیے بہتر ہے اور یہی ہماری اور تمہاری بقا،
کا موجب ہے۔

شیعوں! صحابہ پر بہتان طر ازیاں کرتے کرتے اب اپنے اماموں پر بھی الزام
تراشیاں کرنے لگے ہو! ہم ہرگز نہیں مان سکتے کہ ائمہ اہل بیت ایسا کرتے تھے۔
ہمارا ایمان ہے کہ اہل بیت کا بچہ بچہ صادق الوعد اور راسخ القول تھا۔

مسئلہ نمبر ۱۲

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ ان کے امام لوگوں کو حرام گوشت کھلاتے
تھے اور حرام کو بسبب تقیہ حلال کہہ دیتے تھے۔ چنانچہ فروع کافی جلد ۲ ص ۸۷ مطبوعہ
نولکشور میں ہے، ابان بن تغلب سے روایت ہے۔

قال سمعت ابا عبد الله عليه السلام يقول كان ابي عليه السلام

يفتي في زمن بني امية ان ما قتل البازي والصقر فهو حلال و

كان يتقيهم وانا لا اتقيهم وهو حرام ما قتل۔

ابان نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ میرے

والد ماجد علیہ السلام بنو امیہ کے دور میں فتویٰ دیا کرتے تھے کہ جو باز اور شکر اقل کرے وہ حلال ہے وہ ان سے تقیہ کرتے تھے حالانکہ کہ میں تقیہ نہیں کرتا۔
جو باز اور شکر اقل کرے وہ حرام ہے۔

فالوجه فی تاویل هذا الاخبار ان نحملها علی التقیہ
دین روایات میں ہمارے امہ نے باز کا مارا حلال کیا ہے، وہ تقیہ پر محمول ہیں۔
حالانکہ تقیہ امہ کو جائز نہ تھا۔ اصول کافی ص ۱۸۱ میں ایک وصیت کا ذکر ہے جو اللہ
تعالیٰ نے حضور علیہ السلام پر وفات شریف سے پہلے نازل فرمائی۔ اس میں حکم ہے۔
حدث الناس وافتهم ولا تخافن الا الله عز وجل فانه لا سبيل
لاحد علیک۔

لوگوں سے بات کر اور فتویٰ دے اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈر تجھ پر کسی
شخص کو غلبہ نہیں۔

اس کے باوجود حضرت امام جعفر صادق کے والد ماجد ڈرتے ہیں اور حرام گوشت
کو حلال کہہ دیتے ہیں، لوگوں کو حرام کھلاتے ہیں اور اس وصیت کا جو کہ اللہ کی طرف
سے نازل ہوئی، دیدہ و استہ خلاف کرتے ہیں۔

شیعوں! کیا آپ کے امہ ایسے ہی ڈر پوک تھے، ہم تو اس امر کے ماننے پر ہرگز
تیار نہیں وہ تو بڑے بڑے جابروں کے سامنے کلمہ حق کہنے سے نہیں رکھتے تھے۔
اور تم کہتے ہو کہ وہ ڈرتے ہوئے حق مسئلہ بیان نہ کرتے تھے۔

نحوذ بالله من هذه الخرافات۔

مسئلہ نمبر ۱۵

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ڈرتے ہوئے احکام
شرعیہ جاری نہ کر سکے، یعنی اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی ڈرتے رہے اور احکام

شرعیت علی الاعلان جاری نہ کر سکے۔

ملاحظہ ہو فروع کافی، کتاب الروضہ ص ۲۹۔

امیر المومنین ایک خطبہ میں فرماتے ہیں۔

قد علمت الولاية قبلي اعمالا خالفوا فيها رسول الله
صلى الله عليه وسلم متعمداين لخلافه ناقضين لعهداه
مغيرين لسنة ولو حملت الناس على تركها وحولتها
الى مواضعها والى ما كانت في عهد رسول الله صلى الله
عليه وسلم لتفرق عني جندي حتى ابقي وحدي او قليل

من شيعتي۔

میں جانتا ہوں کہ مجھ سے پہلے حکام نے دیدہ و دانستہ رسول اللہ کا خلاف کیا
عہد توڑا اور سنت کو بدل دیا۔ اگر لوگوں کو ان احکام کے ترک پر آمادہ کروں اور
سرور عالم کے زمانہ میں جس طرح احکام تھے اسی طرح کر دوں تو میرا شکر مجھ سے
انگ ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ میں اکیلا رہ جاؤں گا یا تھوڑے سے شیعی میرے
ساتھ رہ جائیں گے۔

پھر اس کے آگے امیر المومنین نے وہ احکام شمار کیے ہیں جو خلفائے ثلاثہ کے
زمانہ میں (بزرگم شیعہ) مخالف سنت تھے۔

مگر امیر المومنین نے باوجود صاحب اقتدار خلیفہ ہونے کے ان احکام کو خلاف
شرعیت ہی رہنے دیا۔ حضرت علی لوگوں کے دُور سے ان احکام کو شرعیت کے موافق
نہ کر سکے۔ انہی احکام میں سے فدک ہے فرماتے ہیں:

”اگر میں فدک فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وارثوں کو دے دیتا تو لوگ مجھ
سے متفرق ہو جاتے۔“

سبحان اللہ! خلیفہ وقت ہونے کے باوجود لوگوں کے متفرق ہونے کا دُور۔
شیعو! آپ ہمیشہ یہی شکایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے خاتون جنت سے

فدک چھین لیا دیکھو امیر المومنین حضرت علی بھی اپنی خلافت کے زمانہ میں وہی حکم برقرار رکھتے ہیں جو صدیق اکبر نے صادر فرمایا۔ پھر تمہاری شکایت کیا معنی رکھتی ہے، تم خود ہی سوچو اور انصاف کرو کہ خطبہ میں جو عذر حضرت علی نے فرمایا ہے کیا یہ عذر قابل قبول ہے؟ خلیفہ وقت ہو، صاحب اقتدار ہو اور اپنی نگاہوں سے ایسے امر دیکھے جو اللہ اور رسول کے خلاف ہوں۔ پھر وہ لوگوں کے ڈر سے خاموش رہے وہ خلیفہ ہی کیا ہے؟

شیعو! سنا ہمارا ایمان ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت شیر خدا کو حق بات سے روک نہیں سکتی اور نہ ہی شیر خدا زمانہ کی مخالفت کی پرواہ کر سکتے ہیں۔ یہ تمہارا حضرت علی پر صریح الزام ہے۔ حق بات یہ ہے کہ حضرت علی نے فیصلہ کو اس لیے برقرار رکھا کہ وہ شرع کے عین مطابق تھا اور نہ حضرت علی شیر خدا صاحب اقتدار ہوتے ہوئے اس فیصلہ کو یقیناً تبدیل فرما دیتے۔

مسئلہ نمبر ۱۶

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ جو قرآن اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ جبریل نازل فرمایا تھا۔ وہ سترہ ہزار آیات کا مجموعہ تھا جب کہ موجودہ قرآن میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں۔ معلوم ہوا کہ تفسیر ثیاب دس ہزار آیات اس قرآن میں نہیں ہیں۔

چنانچہ اصول کافی کتاب فضل القرآن ص ۱۶ مطبوعہ نوکشور میں ہے:

عن ابی عبد اللہ قال ان القرآن الذی جاء بہ جبریل علیہ السلام الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشر الف آیت۔

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ وہ قرآن جو بذریعہ جبریل حضور پر نازل ہوا، وہ سترہ ہزار آیت تھا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ موجودہ قرآن وہ قرآن نہیں جو جبریل لے کر آیا۔

اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ ستر ہزار آیات والا قرآن شیعوں کا قرآن ہے جو معلوم نہیں کہ کہاں ہے؛ آج شیعوں کے پاس خدا کی کوئی کتاب نہیں یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے، شیعوں کے نزدیک تحریف اور مبدل ہے۔ اصلی قرآن آج کسی شیعہ کے پاس نہیں۔ تو جب ان کے پاس اللہ کی کتاب ہی موجود نہیں تو ان کا مذہب بھی ظاہر ہے۔

مسئلہ نمبر ۱

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ موجودہ قرآن میں تحریف کی گئی ہے چنانچہ فروغ کافی، کتاب الروضہ ملا ہے:

ولا تلتس دین من لبس شیعتک ولا تحببت دینہم نالہم
خائنون الذین خانوا اللہ ورسولہ وخالوا امانتہم
وتداری ما خالوا امانتہم اؤتمنوا علی کتاب اللہ فحرفوہ و
بدلوہ الخ

موسیٰ رضا علیہ السلام فرماتے ہیں جو شخص تمہارے شیعہ میں سے نہیں ہے۔ اس کے دین کی تلاش نہ کرو اور ان کے ساتھ محبت نہ کرو کیونکہ وہ لوگ خیانتی ہیں جنہوں نے اللہ و رسول سے خیانت کی اور ان کی امانتوں میں خیانت کی۔ وہ اللہ کی کتاب پر اہین بنائے گئے تو انہوں نے تحریف کی اور کتاب اللہ کو ابدل ڈالا۔ معلوم ہوا کہ موجودہ قرآن شیعوں کے نزدیک تحریف کیا گیا ہے۔

حیات القلوب جلد سوم ملا میں حضرت باقر علیہ السلام سے روایت ہے۔
خدا را در زمین سے حرمت است، قرآن و عترت من و کعبہ کہ خانہ محترم
خدا است قرآن را پس تحریف کردند و تغیر دادند و اما کعبہ را پس خراب
کردند و عترت را پس کشتند۔

زمین میں اللہ کی تین چیزیں محترم تھیں۔ قرآن، عترت اور کعبہ۔ قرآن کو ان

لوگوں نے تحریف و تغیر کیا، کعبہ کو خراب کیا اور عترت کو قتل کیا۔
 اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ موجودہ قرآن شیعوں کے نزدیک محرف
 ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھر اصل قرآن کہاں ہے؟ اگر زمین پر اصل کتاب الہی موجود
 نہیں تو پھر کیا نئی کتاب کی ضرورت نہیں؟ اگر نئی کتاب کی ضرورت ہے تو پھر
 مرزا قادیانی کو تسلیم کر لیا ہوتا۔

ظاہر ہے کہ شیعوں کا یہ عقیدہ بالکل غلط ہے۔ کہ قرآن کو بدل ڈالا گیا ہے۔
 کیونکہ خدا نے خود فرمایا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَاحْفَظُوْنَ ۔

قرآن ہم نے نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔
 جس کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لیا ہو تو کیا ممکن ہے کہ خدا اس کی حفاظت
 نہ کر سکا ہو؟ دنیا میں لاکھوں کی تعداد میں قرآن حکیم کے حافظ موجود ہیں اور رہیں گے
 جن کے سینوں میں قرآن کی دولت محفوظ ہے۔ قرآن کی حفاظت کے لیے خدا
 تعالیٰ نے اہل سنت کے سینے منتخب کیے ہیں۔ شیعہ آج تک قرآن کا حافظ نہ ہو سکا۔

مسئلہ نمبر ۱۸

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آئمہ کے
 سوا، اگر کوئی دعویٰ کرے کہ میں نے قرآن شریف جمع کیا ہے، جس طرح اُسٹل ہے۔
 تو وہ کذاب ہے۔

اصول کافی، کتاب الحجۃ ص ۱۳۹ میں ہے۔

عن جابر سمعت ابا جعفر یقول ما ادعی احد من الناس

انہ جمع القرآن کله کما انزل الا کذاب وما جمعه وحفظه

کما نزلہ اللہ الا علی بن ابی طالب والائمہ من بعدہ،

جابر کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو جعفر حضرت باقر علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ

کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے سارا قرآن جمع کیا ہے جیسے کہ اتر ہے۔ مگر کذاب نے۔ قرآن جیسے کہ اللہ نے امارا ہے اس کو حضرت علی اور ان کے بعد کئے اممہ کے سوا کسی نے جمع نہیں کیا اور نہ ہی حفظ کیا۔

یہ حدیث ملا باقر مجلسی نے بھی حیات القلوب جلد سوم کے ص ۲۵ میں نقل کی ہے۔

معلوم ہوا کہ جو قرآن حضرت علی نے جمع فرمایا تھا، وہی تھا جو اللہ نے حضور پر نازل فرمایا تھا۔ شیعہ حضرت بتائیں کہ وہ قرآن کہاں ہے؟ تاکہ ہم بھی اس کی زیارت کر سکیں۔ اس قرآن کو صرف حضرت علی نے یا اماموں نے حفظ کیا۔ معلوم ہوا کہ چودہ صدیوں نے ایک بھی شیعہ ایسا پیدا نہ کیا جو حضرت علی کے جمع کردہ قرآن کا حافظ ہوتا۔

موجودہ قرآن جسے حضرت ابو بکر و عثمان رضی اللہ عنہم نے جمع کیا، کروڑوں کی تعداد میں موجود ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں اس کے حافظ ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ شیعوں پر افسوس ہے کہ حضرت علی کے جمع کردہ قرآن کو نہ تو حفظ کر سکتے اور نہ ہی اس کو باقی رکھ سکے۔ اگر کہا جائے کہ وہ قرآن صرف اماموں تک تھا تو سوال یہ ہے کہ جو امت کو دکھانا ہی مقصود نہ تھا تو اس کو نازل ہی کیوں کیا گیا؟

مسئلہ نمبر ۱۹

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ اوصیاء کے سوا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میرے پاس سارا قرآن ہے۔ چنانچہ اصول کافی ص ۱۳۹ میں امام باقر فرماتے ہیں۔
 ما یستطیع احد ان یدعی ان عندہ جمیع القرآن کلہ
 ظاہرہ و باطنہ غیر الاوصیاء۔

کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے پاس سارا قرآن ظاہر و باطن سمیت ہے۔ مگر اوصیاء (یہ دعویٰ کر سکتے ہیں)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سارا قرآن اوصیاء کے پاس موجود ہے۔ شیعہ حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اوصیاء کا قرآن بھی دکھائیں تاکہ ہم اصل کلام الہی کی زیارت کر سکیں اگر آپ کے پاس وہ قرآن موجود نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ آپ بے کتاب امت ہیں۔ ائمہ اوصیاء نے آپ کو اصل قرآن کی ہوا نہ لگنے دی۔ وہ جانتے تھے کہ آپ اس امانت کے امین نہیں ہو سکتے۔

شیعوں کا عقیدہ یقیناً غلط ہے۔ آج دنیا میں ہر دین کے پروکار اپنی کتاب رکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کی کتابیں محرف ہیں، پھر بھی وہ ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ عیسائی بائبل کو اور یہودی تورات کو تسلیم کرتے ہیں۔ شیعوں پر انسوس ہے کہ وہ قرآن پاک کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ اسلام کی کوئی خدمت نہیں بلکہ غیر مسلموں کو اسلام پر اعتراض کرنے کا موقع فراہم کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۰

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ اُن کے پاس ایک جامعہ جو کہ تتر گزلمبا ہے۔ اصول کافی ص ۱۴۶ کتاب الحجہ میں ہے۔

عندنا الجامعة وما يدريهم ما الجامعة قال قلت جعلت فداك وما الجامعة قال صحيفه طولها سبعون ذراعاً بزرع رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

ہمارے پاس ایک جامعہ ہے اور وہ نہیں جانتے کہ جامعہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ آپ پر قربان۔ بتائیے کہ جامعہ کیا ہے۔ فرمایا کہ وہ صحیفہ ہے جس کا طول تتر گز ہے۔

پھر اسی صفحہ میں آگے لکھا ہے۔

وان عندنا لمصحف فاطمة عليها السلام ما يدريهم ما
مصحف فاطمة قال مصحف فيه مثل قرانك وهذا

ثلاث مرات والله ما فيه من قرآنك وحرف واحد۔
 بے شک ہمارے پاس حضرت فاطمہ علیہا السلام کا مصحف ہے۔ وہ نہیں
 جانتے کہ مصحف فاطمہ کیا ہے۔ فرمایا تمہارے اس قرآن سے تین گنا بڑا ہے۔ خدا
 کی قسم اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔
 شیعو! تمہارے عجیب و غریب مسئلے اسی قرآن میں ہوں گے۔

مسئلہ نمبر ۲۱

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے۔
 جو فروع کافی کتاب الروضہ کے ص ۱۲۵ میں ہے۔
 امام ابو جعفر فرماتے ہیں۔

ان الناس كلهم اولاد بغايا ما خلا شيعةنا۔

ہمارے شیعوں کے سوا سب لوگ کنجریوں کی اولاد ہیں۔

یہ ہے شیعہ مذہب کی تہذیب! اور یہ ہے ان کا کچھ نہ کننا۔ اس پر طرہ یہ کہ
 اپنے مقالات میں اس قول کی تائید کرتے ہیں اور اس کو صحیح مانتے ہیں۔ تعوذ باللہ!
 میں کہتا ہوں کہ ائمہ کرام تو تہذیب اور شائستگی کے پیکر تھے۔ رسول کا
 گھرانہ، کردار اور گفتار میں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ شیعوں کا اماموں پر بدترین
 الزام ہے کہ اپنے خبیث باطن کو اماموں کے ذمہ لگا دیتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۲۲

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو کتاب الروضہ ص ۱۱۵ فروع کافی جلد سوم
 میں ہے۔ امام ابو جعفر فرماتے ہیں۔

كان الناس اهل رادة بعد النبي صلى الله عليه وسلم الاثثة

فقلت ومن الثلاثة فقال المقداد بن الاسود و ابوذر

الغفاری و سلمان الفارسی -

رسول پاک کی وفات سے تین دن بعد تین صحابہ کے سوا سب لوگ مرتد ہو گئے۔ میں نے عرض کی وہ تین کون ہیں تو فرمایا مقداد، ابوذر اور سلمان۔
کس قدر جرات ہے کہ تین صحابہ کے سوا سب کو معاذ اللہ مرتد کہہ دیا۔ اس قول سے تو ائمہ اہل بیت بھی نہیں بچ سکتے کہ ان کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔

مسئلہ نمبر ۲۳

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اپنی غلامی کا اقرار کر کے یزید سے جان بچالی۔ چنانچہ کتاب الروضۃ ص ۱۱۱ میں ہے۔
فقال لما علی بن الحسین علیہما السلام قد اقررت لك
بما سألت انا عبدا مكره لك فان شئت فامسك وان
شئت فبع -

حضرت علی (زین العابدین) بن حسین علیہما السلام نے یزید سے کہا کہ میں تیرا غلام مکرم ہوں۔ چاہے تو مجھے قید رکھ اور چاہے تو بیچ دے۔
ہم ہرگز یہ تسلیم کرنے کے تیار نہیں کہ ایک بہادر اور شجاع باپ کا فرزند اتنی بزدلی کا مظاہرہ کرے۔ شیعوں کا حضرت زین العابدین پر یہ الزام ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اگر تقیہ کیا تھا تو آپ کے باپ حضرت امام حسین نے کربلا میں تقیہ کیوں نہ کیا؟ ادھر تو صرف امام زین العابدین کی ایک جان بچ رہی ہے۔ لیکن کربلا میں بہتر جانیں کیوں نہ بچا دی گئیں؟ حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کا مسئلہ تقیہ ایسا من گھڑت عقیدہ ہے جس کی وجہ سے اہل بیت کی آبرو و محروم ہو رہی ہے۔ شیعہ کبھی تو حضرت علی کا تقیہ ثابت کرتے ہیں کبھی اماموں کا۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ کربلا میں خون حسین نے یہ ثابت کر دیا کہ اہل بیت کا بچہ بچہ بہادر، دلیر، حق گو اور حق پرست ہے، لہذا تقیہ کو اگر درست مان لیا جائے تو ثابت کرنا پڑے گا۔

کہ کہ بلا میں امام حسین نے تقیہ کیوں نہ کیا؟

مسئلہ نمبر ۲۴

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ پانی پلانے کے عوض کسی عورت سے جماع کرے تو وہ نکاح ہو گا زنا نہیں۔

فروع کافی جلد ۲ ص ۱۹۸ میں ہے۔

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی کہ میں نے زنا کیا ہے۔ مجھے پاک کیجئے۔ آپ نے رجم کا حکم فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس عورت سے دریافت کیا کہ تو نے کس طرح زنا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں جنگل میں تھی۔ مجھے پیاس نے غلبہ کیا۔ میں نے ایک اعرابی سے پانی مانگا۔ اس نے انکار کیا اور کہا کہ میں اس کو اپنے نفس پر اختیار دوں۔ جب مجھے پیاس نے لاچار کیا تو میں نے منظور کیا۔ اس نے پانی پلایا اور میرے ساتھ بڑا کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

تزوج در باب الکعبہ۔ رب کعبہ کی قسم! یہ تو نکاح ہے۔
یہ ہے شیعوں کا پاک مذہب کہ پانی کے عوض اپنی آبرو پر غیر کو مسلط کرنا، زنا نہیں نکاح ہے۔ نہ معلوم کہ حضرت علی پر یہ اتہام لگانے کا مقصد کیا ہے؟ پیاس پانی اور جماع العیاذ باللہ۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت علی کی بصیرت ایسا فیصلہ برگز نہیں کر سکتی۔

مسئلہ نمبر ۲۵

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو کتاب من لایحضرہ الفقیہ کے ص ۱ میں

ہے۔

امام باقر علیہ السلام پاخانہ میں گئے۔ وہاں نجاست میں ایک روٹی کا ٹکڑا پڑا

ہوا دیکھا۔ آپ نے لے کر دھویا، اپنے غلام کو دیا اور فرمایا یہ تیرے پاس رہے۔
 میں پاخانہ سے فارغ ہو کر اسے کھاؤں گا۔ جب آپ نکلے تو غلام سے پوچھا کہ لقمہ
 کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے تو کھانیا ہے۔ فرمایا یہ لقمہ نہیں قرار پکڑتا کسی کے
 پیٹ میں، مگر اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ جاؤ! میں نے تمہیں آزاد
 کیا کیونکہ میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ جنتی سے خدمت لوں۔
 حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

ودخل البو جعفر الباقر علیہ السلام الخلاء فوجد لقمة
 خبز فی القدر فاخذها و غسلها و رفعها الی مملوک کان
 معه فقال تکنون معک لا کلها اذا خرجت فلما خرج علیہ
 السلام قال للمملوک ابن اللقمة قال اکلتها یا ابن رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم فقال اتها ما استقرت فی جوف
 احد الا وجبت لہ الجنة فاذهب فانت حر فانی اکراه
 ان استخدم رجلا من اهل الجنة۔

ہم ہرگز مان نہیں سکتے کہ حضرت باقر علیہ السلام نے ایسا لقمہ کھانے کا ارادہ بھی
 کیا ہو اور اس کے کھانے والے کو اتنا درجہ کہ وہ جنتی ہو گیا۔ حالانکہ اس نے امام باقر
 کے حکم کا خلاف کیا۔ امام صاحب کی امانت کو کھا گیا پھر جنتی ہو گیا۔ اس پر طرہ یہ کہ امام
 صاحب جنتی کو خادم بنانا پسند نہیں کرتے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام
 صاحب کے خادم جنتی نہیں ہوتے تھے۔ کیا امام صاحب کی خدمت میں رہنا بجائے
 خود جنتی ہونے کی ضمانت نہ تھی؟

مسئلہ نمبر ۲۶

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو من لایخفہ الفقیہ کے ص ۱۳ میں ہے۔
 سال حنان بن سدید اباعبد اللہ علیہ السلام فقال انی

بما بليت فلا أقدر على الماء ويشد ذلك فقال عليه
السلام اذا بليت وتمسحت فامسح ذكرك بريقك فان
وجدت شيئاً فقل هذا من ذلك -

حنان بن سدير نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ میں بسا اوقات
بول کرتا ہوں اور پانی پر قادر نہیں ہوتا اور مجھ پر یہ بات ناگوار معلوم ہوتی ہے آپ
نے فرمایا کہ جب تو بول کرے اور مسح کرے تو تھوک سے ذکر کو پونچھ لیا کر پھر اگر کچھ
(تری) پائے تو سمجھ لو کہ یہ اسی تھوک سے ہے۔
یہ مسئلہ عجیب ہے۔ اور یہ من لایحضرہ الفقیہ کے زمرہ میں ہی آسکتا
ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۷

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ بے وضو نماز جنازہ جائزہ ہے۔
من لایحضرہ الفقیہ کے ص ۳۳ میں ہے :
امام جعفر صادق سے یونس بن یعقوب پوچھتے ہیں کہ بلا وضو جنازہ پڑھا جائے؟
تو آپ نے فرمایا : "ہاں"
الفاظ یہ ہیں :-

سئل یونس بن یعقوب ابا عبد اللہ علیہ السلام عن
المجنازة یصلی علی غیر وضوء فقال نعم!

مسئلہ نمبر ۲۸

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ حیض والی عورت بھی جنازہ پڑھ سکتی ہے۔
من لایحضرہ الفقیہ کے ص ۳۳ میں ہے :
عن ابی جعفر علیہ السلام ان الحائض تصلی علی المجنازة

ولا تصف معهم۔

ابو جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حیض والی عورت جنازہ پڑھ لے اور جماعت کے ساتھ صف میں کھڑی نہ ہو۔

مسئلہ نمبر ۲۹

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ مخالف کے جنازہ کی نماز میں اس کے حق میں لعنت اور بددعا کرو۔

تہذیب جلد اول ص ۹۶ میں ہے :-

لا يجوز لاحد من اهل الايمان ان يغسل مخالفا للحق في
الولاية ولا يصلي عليه الا ان تدعوا ضرورة الى ذلك من
جهة التقية فيغسله تغسل اهل الخلاف ولا يترك
معه جريداة واذا صلى عليه لعنة في صلوته ولم
يدع لنا فيها۔

کسی اہل ایمان کو جائز نہیں کہ ولایت کے بارے میں جو مخالف حق ہوا اسے غسل دے نہ اس پر جنازہ پڑھے۔ اگر تقیہ کے سبب کہیں جانا پڑ جائے۔ یعنی ضرورت پیش آجائے تو اسے اہل خلاف کی طرح غسل دے اور اس کے ساتھ جریدہ نہ رکھے۔ جب نماز جنازہ پڑھے تو نماز میں اس پر لعنت کرے، دعا نہ مانگے۔ تہذیب میں اس قول کی شرح میں لکھا ہے کہ ولایت کی مخالفت حق کی مخالفت ہے اور اہل حق کا مخالف کافر ہے۔ اس پر کافروں کا حکم واجب ہے۔ مرنے والا اگر کافر ہے تو اس پر جنازہ کیسا تقیہ کر کے کافر کا جنازہ پڑھ لیتا شیعوں کا مذہب ہو سکتا ہے۔ اسلام تو کافر کے جنازہ کی اجازت نہیں دیتا۔ پھر جنازہ میں شامل ہو کر دعا کرنے کی بجائے میت پر لعنت کرنا بھی شیعوں کا ہی مذہب ہے۔

مسئلہ نمبر ۳۰

مسئلہ نمبر ۲۹ کی تائید میں اسی تہذیب کے ص ۱۷۸ میں حضرت امام حسین کا واقعہ درج کیا گیا ہے۔

عن ابن عبد اللہ ان رجلا من المنافقین مات فخرج الحسين بن علی یمشی معہ فلقیہ ، مولیٰ لہ ، فقال لہ : الحسين اين تذهب يا فلان ؟ فقال لہ : مولاة افر من جنازة هذا المنافق ان اصرى عليها فقال لہ : الحسين انظر ان تقوم على يميني فما تسمعي ان اقول فقل مثله فلما ان كبر عليه وليه قال الحسين اللهم العن فلانا عبدا لك الف لعنة متلفة غير مختلفة اللهم اخر عبداك في عبادك وبلادك واصله حرناك واذقه اشد عذابك فانه كان يولي اعدائك ويعارى اوليائك ويبغض اهل بيت نبيك ۔

ابن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ایک منافق مر گیا۔ امام حسین اس کے جنازہ کے ساتھ ہوئے۔ آپ کا ایک غلام ملا تو آپ نے فرمایا کہ تو کہاں بھاگا جا رہا ہے۔ اس نے عرض کی کہ میں منافق کے جنازہ سے بھاگتا ہوں کہ اس پر نماز نہ پڑھنی چاہیے۔ امام حسین نے فرمایا کہ دیکھ میری دائیں جانب کھڑا ہو جاؤ جو کچھ میں کہوں، تم بھی سن کر وہی کہتے جانا۔ جب اس میت کے ولی نے تکبیر کہی تو امام حسین نے فرمایا:

اے اللہ! اپنے اس بندہ پر لعنت کر ہزار لغتیں جو ساتھ ساتھ ہوں مختلف نہ ہوں۔ اے اللہ! اپنے اس بندہ کو اپنے بندوں اور شہروں میں ذلیل کر۔ اس کو اپنی آگ کی سوزش میں داخل کر اور اپنے عذاب کی سختی اسے چکھا۔ بے شک

وہ تیرے دشمنوں سے دوستی رکھتا تھا تیرے دلیوں کا مخالف تھا اور تیرے نبی کے اہل بیت سے بعض رکھتا تھا۔

ہم شیعہ صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ ایک شخص جس کے لیے مغفرت ضروری نہ تھی تو حضرت امام حسین نے اس کا جنازہ ہی کیوں پڑھا عام لوگوں اور اپنی محبت والوں کو مخاطبہ میں کیوں ڈالا؟

ہم یہ کیسے تسلیم کر لیں کہ کعبہ رخ ہو کر، حضرت امام حسین جنازہ کی نماز میں بجائے کلام الہی پڑھنے کے، گالی گلوچ کرنے لگے؟

سنی مسلمانوں کے لیے بھی مقام غور ہے کہ شیعہ اگر جنازہ میں آجائے تو اپنے مذہب کے مطابق دعائے مغفرت نہیں کرے گا بلکہ میت پر لعن طعن کرے گا۔

مسئلہ نمبر ۳۱

تہذیب جلد ۱ ص ۱۷۸ کی ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیے:

لما مات عبد اللہ بن ابی بن سلول حضر النبی صلی اللہ علیہ وسلم جنازۃ، فقال عمر الرسول اللہ المرینہک اللہ ان تقوم علی قبری فقال ویدک ما یدار یک ما قلت انی قلت اللہم احش خوفہ ناراً واملأ قبرہ ناراً واصلہ ناراً قال ابو عبد اللہ فابداً من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما کان یکرہ۔

عبد اللہ بن ابی بن سلول کا انتقال ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازہ پر حاضر ہوئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی قبر پر کھڑا ہونے سے منع نہیں کیا؟ حضور نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے تو کیا جانے کہ میں نے کس طرح دعا کی؟ میں نے تو یہ کہا اے اللہ اس کے پیٹ کو آگ سے بھر دے۔ اس کی قبر کو آگ سے بھر دے۔ اس کو دوزخ میں پہنچا دے امام جعفر صادق

نے فرمایا کہ عمر نے رسول اللہ کا وہ راز ظاہر کر دیا جس کے ظاہر ہونے کو وہ بُرا سمجھتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ منافقین پر جنازہ پڑھنے کی ممانعت آپ کی تھی، پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو منع نہ کیا۔ حالاں کہ پیغمبر تبلیغ احکام فرض ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ حضور نے تبلیغ کو چھپایا اور جنازہ میں شرکت فرمائی۔ حضور کی وجہ سے مسلمانوں نے بھی جنازہ پڑھا۔ تو اس گناہ میں معاذ اللہ حضور نے سب کو مبتلا کیا۔ نعوذ باللہ من ہذہ الاعتقاد۔

اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ معاذ اللہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تقیہ کرتے تھے اور آپ کا ظاہر کچھ اور تھا اور باطن کچھ اور۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس بُرے عقیدے سے محفوظ رکھے۔

اس روایت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر کا ظاہر باطن ایک تھا اور آپ کو منافقوں سے سخت عداوت تھی۔ ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا آپ پسند نہیں فرماتے تھے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت عمر اس حکم خداوندی سے واقف تھے کہ منافقوں کی نماز جنازہ نہیں۔

شیعو! تمہاری اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاذ اللہ پیغمبر خدا نے لوگوں کو دھوکا دیا۔ بظاہر جنازہ پڑھا لیکن درحقیقت میت کو گالیاں دے کر آگے معاذ اللہ سنی بھائیو! کیا آپ جائز رکھتے ہو کہ شیعہ تمہاری کسی میت کے جنازہ میں شامل ہو کر میت کے لیے ایسی بری دعائیں مانگیں جن کی ان کے مذہب کی رو سے ہدایت کی جا رہی ہے۔

مسئلہ نمبر ۳۲

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ اگر کوئی نماز میں اپنے.... کے ساتھ کھیلے تو کوئی حرج نہیں۔

تہذیب جلد ۹۹ میں ہے۔

امام جعفر صادق سے معاویہ بن عمار پوچھتے ہیں کہ فرض نماز میں
کے ساتھ کھیلنا کیا حکم رکھتا ہے؟ فرمایا کوئی ڈر نہیں۔
اصل عبارت یہ ہے:

عن معاویۃ ابن عمار قال سألت یا عبد اللہ علیہ السلام
عن الرجل یعبث بزرکۃ فی الصلوۃ المکتوبۃ فقال لا بأس
بہ۔

سبحان اللہ! کیسے خشوع کی نماز ہے؟

مسئلہ نمبر ۳۳

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ جنبی اور عائض کو قرآن پڑھنا جائز ہے۔
تہذیب جلد ۳۶ میں ہے۔

عن ابی جعفر لا بأس ان یتلو الحائض والمجنب القرآن۔
امام ابو جعفر فرماتے ہیں کہ عائضہ اور جنبی کے قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر ۳۴

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ جنبی کو مضمضہ اور استنشاق ضروری نہیں۔
تہذیب جلد ۳۶ میں ہے۔ امام جعفر صادق سے کسی نے سوال کیا کہ جنبی کلی کرے تو
فرمایا: لا انما یجنب الظاہر، نہ کرے کیونکہ ظاہر جنبی ہوتا ہے۔ (منہ ظاہر
نہیں بلکہ جوف ہے،

مسئلہ نمبر ۳۵

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ پاخانہ میں آیت الکرسی کی مقدار قرآن یا

الحمد لله رب العالمین پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔
من لا یحضرہ الفقیہ میں ہے۔

سأل عمر بن یزید ابا عبد الله عليه السلام عن التسبیح
فی المخرج وقرأة القرآن فقال لم یرض فی الکنیف اکثر
من آية الكرسي ويحمد الله اذ آية الحمد لله رب العالمین
عمر بن یزید نے امام جعفر صادق سے دریافت کیا کہ پاخانہ میں قرآن پڑھنے
یا تسبیح کرنے کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ پاخانہ میں اس سے زیادہ کی اجازت
نہیں کہ آیت الکرسی کی مقدار قرآن پڑھ لے اور خدا کی حمد کرے یا الحمد لله رب العالمین
پڑھے۔

مسئلہ نمبر ۳۶

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ نفاس والی عورت اور پاخانہ پھرتے ہوئے۔
قرآن پڑھ لیں۔
استبصار جلد اول میں ہے۔

عن ابی عبد الله عليه السلام قال سالت ابا عبد الله عليه السلام
المخاض والجنب والرجل تتغوط القرآن فقال یقرؤن
ما شاءوا۔

عبد اللہ بن علی حلبی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ کیا
نفاس والی عورت، حیض والی عورت، جنبی اور پاخانہ پھرتے ہوئے آدمی قرآن
پڑھ لیں۔ آپ نے فرمایا، پڑھ لیں جو چاہیں۔

سبحان اللہ قرآن کی یہ عزت ہے؟ شیعہ دوستو! یہ روایات تم نے
اماموں کے ذمہ لگا دی ہیں۔ تمہارا اصل مقصد تو صرف یہ ہے کہ وہ قرآن جس کو
ابوبکر اور عثمان رضی اللہ عنہما نے جمع فرمایا۔ اس کی توہین کرا لی جائے۔

مسئلہ نمبر ۳۷

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو استبصار کے ص ۲۶ میں ہے۔
 عن ابی عبد اللہ قال سألتہ کو یحزی من الماء فی الاستنجاء
 من البول فقال مثلاً ما علی الحشفة من البول۔
 امام جعفر صادق سے پوچھا کہ بول کے استنجاء کے لیے کتنا پانی کافی ہے؟
 آپ نے فرمایا کہ جس قدر حشفہ تری باقی ہے اس سے دگنا پانی ہو تو کافی ہے۔
 معلوم ہوا کہ ایک قطرہ سے بھی کم پانی بول کے استنجاء کے لیے کافی ہے۔
 انصاف فرمائیے کہ یہ استنجاء ہوا یا کہ زیادہ پلید کرنا ہوا؟

مسئلہ نمبر ۳۸

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ بول کر کے تین دفعہ ذکر کو پوڑے پھر اگر ساق تک
 بتنا چلا جائے تو کچھ پروا نہیں۔
 استبصار ص ۲۶ میں اصل عبارت یوں ہے:
 عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی الرجل یبول قال ینترہ
 ثلاثاً ثم ان سال حتی یبلغ الساق فلا یبالی۔
 عجیب بات یہ ہے کہ اس کے آگے ایک اور روایت ہے جس میں ذکر
 ہے کہ بعد استبراء اگر ذکر سے کچھ نکلے تو وضو کرنا واجب ہوتا ہے۔
 صاحب استبصار ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق کرتے ہیں
 کہ دوسری روایت استنجاب پر محمول ہے بالیقینہ پر۔
 میں کہتا ہوں کہ استنجاب پر محمول کرنے سے تو حدیث کے الفاظ انکاری
 ہیں اور یقینہ پر عمل کرنے سے ائمہ پر ایک بدنامی لگتا ہے کہ معمولی خوف کے سبب
 ان کے ائمہ حق کو چھپاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۳۹

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ خنزیر کے چمڑے کا ڈول بنا کر کنواں سے پانی نکالنا جائز ہے۔

کتاب من لایکفرہ الفقیہ کے ص ۱۱ میں ہے۔

سئل الصادق علیہ السلام عن جلد الخنزیر یجعل دلواً
یستقی بہ الماء فقال لا بأس بہ۔

صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ خنزیر کے چمڑے کا ڈول بنا کر پانی نکالا جائے یا نہ؟ فرمایا کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر ۴۰

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو من لایکفرہ الفقیہ کے ص ۱۱ میں ہے۔

سئل الصادق علیہ السلام عن جلود المیتة یجعل فیہ
اللبن والماء والسمن ما تری فیہ؟ فقال لا بأس بعمل فیہا
ما شئت من ماء ولبن او سمن وتوضا رهنه وتشرب
ولکن لا تصل فیہا۔

امام صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ مردار کے چمڑے میں دودھ یا پانی یا گھی
ڈالا جائے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا کوئی دُور نہیں چاہے اس میں پانی ڈالو یا دودھ گھی چاہے
اس (پانی) سے وضو کرو اور پیو مگر اس میں نماز نہ پڑھو۔

بسمان الشد کیا پاک مذہب ہے! اگر اس میں پانی پینا اور وضو کرنا جائز ہو تو
نماز پڑھنے میں کیا فرق لازم آتا ہے!

تتم کاشغری حکم

ہم مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو اس کے ماتم میں شرعی حکم کی پروا نہیں کرتے۔ شریعت کے برخلاف مدتوں ماتم رکھتے ہیں حالاں کہ حدیث شریف میں تین دن سے زیادہ سوگ رکھنے کی ممانعت آئی ہے البتہ عورت کو شوہر کے مرجانے پر چار مہینہ دس دن کی اجازت ہے۔ کسی اور کو نہیں۔

روایت اہل سنت

زینب بنت ابی سلمہ کہتی ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی جب کہ ان کا باپ ابوسفیان بن حرب فوت ہوا تو انہوں نے خوشبو منگو کر استعمال کی اور فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے خوشبو کی کوئی ضرورت نہ تھی صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے منبر پر فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تَوَمَّنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَحْدَّ عَلَى مَيِّتٍ
فَوْقَ ثَلَاثِ الْأَعْلَى نَوَاجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔

کسی عورت پر جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے، حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ میت پر سوگ کرے۔ مگر خاوند پر چار مہینہ اور دس دن جائز ہے۔

زینب کہتی ہے پھر میں زینب بن جحش کے پاس گئی جب کہ ان کا بھائی فوت ہوا تو انہوں نے بھی خوشبوئی استعمال کی اور یہی فرمایا کہ مجھے کچھ حاجت نہ تھی صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ منبر پر فرماتے ہیں "لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ" الحدیث بخاری و مسلم،

اسی طرح ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَحْدُ امْرَأَةٌ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ الْأَعْلَى نَوَاجٍ أَرْبَعَةَ
أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (متفق علیہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماتم کا شرعی حکم یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگ نہ کیا جائے۔ البتہ عورت کو شوہر کے مرجانے پر چار ماہ اور دس دن تک سوگ کی اجازت ہے۔ اس سے زیادہ اس کو بھی اجازت نہیں۔ مرد پر ترک لذائذ و ترک زینت اور عورتوں کی طرح سوگ کرنا، شریعت محمدیہ میں ہرگز ثابت نہیں، معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ تین دن کے بعد ماتم ختم کر دیں اور کسی مرد یا عورت کو سوگ کے لیے نہ بیٹھنے دیں۔ الا التي مات نرجھا۔

روایت شیعہ

شیعہ کی نہایت معتبر کتاب من لایحضرہ الفقیہ کے صفحہ ۳۶ میں حضرت صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

یس لاحداکم ان یحدا کثر من ثلثة ايام الا المرأة علی نرجھا حتی تقصی عدا تھا۔

تہذیب ص ۲۳۸ اور وسائل الشیعہ جلد ۳ ص ۱۶۳ میں محمد بن مسلم سے روایت ہے:

قال یس لاحداکم ان یحدا کثر من ثلاث الا المرأة علی نرجھا حتی تنقصی عدا تھا۔

کسی کو جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ سوگ کرے مگر عورت کو اپنے خاوند کی موت پر عدت گزرنے تک سوگ کی اجازت ہے۔

یہ محمد بن مسلم نہایت ثقہ ہیں۔ حضرت امام باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے راوی ہیں۔ رجال کشی میں ان کی بہت تعریف ہے۔

اہل سنت و شیعہ صاحبان کو ان متفقہ روایات پر عمل کرنا چاہیے اور ماتم کا وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔
(واللہ الموفق)

خاتونِ جنت کو صبر کا حکم

مشکوٰۃ شریف کے صفحہ ۵۶ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کوئی پوشیدہ بات کی تو آپ بہت روئیں۔ پھر آپ نے ان کا حزن معلوم کر کے دوبارہ پوشیدہ بات کی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں۔ میں نے دریافت کیا تو انہوں نے نہ بتایا۔ پھر جب حضور کا وصال ہوا تو میں نے پھر دریافت کیا۔ فرمایا اب بتاتی ہوں پہلی بار آپ نے یہ خبر دی تھی کہ جبریل ہر سال میرے ساتھ قرآن شریف کا ایک بار ورد کیا کرتے تھے۔ اب اس نے میرے ساتھ دو دفعہ ورد کیا ہے۔ میں گمان کرتا ہوں کہ اب موت قریب ہے۔

فالتقى الله واصبرى

پس اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا

تو میں رو پڑی تھی جب آپ نے میرا رونا دیکھا تو فرمایا تھا: "اے فاطمہ! کیا تو راضی نہیں کہ تو اہل جنت کی تمام بیویوں کی سردار ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تو سب اہل بیت سے پہلے میرے پیچھے آئے گی تو میں ہنس پڑی تھی۔ (متفق علیہ)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو صبر کی وصیت فرمائی۔

روایات شیعہ

حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۲۵۲ میں ہے :

"حضرت رسول فرمود اے فاطمہ تو کل کن بر خدا و صبر کن چنانچہ صبر کردند پدران تو کہ پیغمبران بودند و مادران تو کہ زنہائے پیغمبران

بودند۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فاطمہ خدا پر توکل کرو اور صبر کرو تیرے آباء، جو کہ پیغمبر تھے، صبر کرتے رہے اور تیری مائیں جو کہ پیغمبروں کی بیویاں تھیں، صبر کرتی رہیں۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۶۵۳ میں فرمایا:

”بداں اے فاطمہ کہ برائے پیغمبر گریبان نمی باید درید و رونمی باید تراشید و وادیا نمی باید گفت۔“

اے فاطمہ جان لو کہ پیغمبر کے لیے گریبان نہیں بھاڑنا چاہیے اور چہرہ نہیں پٹینا چاہیے اور وادیا نہیں کرنا چاہیے۔

اور صفحہ ۶۵۴ میں ہے:

”ابن بابویہ بسند معتبر از محمد باقر روایت کردہ است کہ حضرت رسول در ہنگام وفات خود بھضرت فاطمہ گفت کہ اے فاطمہ چوں میرم رے خود را برائے من مخراش و گیسوئے خود را پریشان مکن و وادیا مگو و بر من نوحہ مکن و نوحہ گراں را مطلب۔“

ابن بابویہ معتبر سند سے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ اے فاطمہ جب میں وصال پاؤں تو میرے لیے اپنے چہرہ پر حسراش نہ ڈالنا اور اپنے بال نہ بکھیرنا اور وادیا نہ کرنا اور مجھ پر نوحہ نہ کرنا اور نوحہ گروں کو نہ بلانا۔ پھر ایک دوسطر کے بعد لکھا ہے:

”پس حضرت فرمود کہ اے فاطمہ گریہ مکن و صبر را پیشہ کن۔“

پس حضرت نے فرمایا کہ اے فاطمہ رونا نہیں اور صبر کو اختیار کرنا۔

فروع کافی جلد ۲ ص ۲۸۱ میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

اذا انا مت فلا تمنشی علی وجهی ولا ترخی علی شعری ولا تنادی بالویل ولا تقیمی علی نائحة

جب میں فوت ہو جاؤں تو منہ نہ پھیلنا، بال نہ نوچنا، واویلا نہ کرنا اور نوحہ کرنے والیاں نہ بلانا۔

پھر فرمایا یہی وہ معروف ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔

المعروف ان لا یشفقن حبیباً ولا یلطمن خداً ولا یداعون ویلاً ولا یتخلفن عند قبر ولا یسودن ثوباً ولا یتشرن شعراً معروف یہ ہے کہ نہ گریبان پھاڑیں نہ رخسار پیٹیں نہ واویلا کریں نہ قبر کے پاس جمع ہوں نہ کپڑے سیاہ کریں اور نہ بال بکھیریں۔

مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وصیت فرمائی کہ خدا پر بھروسہ رکھیں اور صبر کریں نہ گریبان پھاڑیں نہ منہ پھیلے نہ واویلا کریں نہ اپنے بال بکھیریں نہ بین کریں نہ بین کرنے والوں کو بلائیں۔ ہمارا ایمان ہے اور سب مسلمانوں کا یہی ایمان ہونا چاہیے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر یقیناً عمل کیا اور آپ کے بعد نہ گریبان پھاڑا، نہ پیٹیا نہ واویلا کیا نہ نوحہ کیا اور نہ ہی نوحہ گروں کو بلایا۔ لہذا ہمیں بھی اسی وصیت پر عمل کرنا چاہیے۔

حضرت علی کو صبر کا حکم

حیات القلوب جلد ۲ ص ۶۶۳ میں تلمباقر مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل سے فارغ ہوئے تو:

جامہ را از روی مبارک دور کرد و گفت پدر و مادرم خدائے تو باد

طیبت ذنیک و پاکیزہ بودی در حیات و بعد از موت، و منقطع شد بوفات
تو احدے از خلق از پیغمبری و نازل شدن وحی ہا آسمانی مصیبت اند در
تقریب تو و اگر نہ آن بود کہ امر کردی بصبر کردن و نہی نمودی از ہزاع نمودن
سر آئینہ آبہائے سر خود را و مصیبت تو فرو می ریختم و ہر آئینہ در او مصیبت تر
ہرگز و دامنہی کردم لایح،

حضرت علی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک سے کپڑا ہٹایا اور
عرض کیا میرے ماں باپ قربان آپ زندگی بھر میں اور موت کے بعد بھی پاکیزہ
اور طیب ہیں۔

آپ کی وفات سے وہ چیز بند ہو گئی جو کسی پیغمبر کی وفات سے بند نہ ہوتی
تھی یعنی نبوت اور وحی کا نازل ہونا۔ آپ کی مصیبت اس قدر عظیم
ہے کہ دوسروں کی مصیبت سے ہمیں مطمئن کر دیا۔ آپ کی مصیبت
ایک عام مصیبت ہے کہ سب لوگ یکساں دلگیر ہیں۔

اگر آپ صبر کا حکم نہ دیتے اور ہزاع فزع سے منع نہ کرتے تو ہم اس
مصیبت پر تمام سر کا پانی بہا دیتے اور تیری مصیبت کے درد کی کوئی دوا
نہ کرتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کو بھی یہی
وصیت تھی کہ میری وفات پر ہزاع فزع نہ کرنا۔ تو اب سوچنا چاہیے کہ رسول کریم
کی وفات پر ہزاع فزع کی ممانعت ہے تو کسی اور کی یاد میں رونا پیٹنا کس طرح جائز
ہو سکتا ہے؟



کتاب التراویح

بیس تراویح کے دلائل اور مانعین کے اعتراضات
کے مسکت جوابات

فقیر اللہ یوسف محمد شریف برادران اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس زمانہ میں جو کہ زمانہ نبوت سے بہت دور ہے۔ اکثر لوگ عبادت کی کمی کی طرف راغب ہیں اور خواہشات نفس کے طالب ہمیشہ اسی خیال میں رہتے ہیں کہ کسی بہانہ سے عبادت الہی سے سبکدوش ہو جائیں جب کسی گوشہ سے سنتے ہیں کہ فلاں عبادت کا کوئی ثبوت نہیں تو بغیر دیکھے سمجھے جھٹ اسی طرف ہو جاتے ہیں اور عبادت الہی سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ نہیں سمجھتے کہ پہلے اپنے علماء سے اس کی تحقیق تو کر لیں چونکہ ادھر نفس کی خواہش پوری ہوتی تھی۔ اس لیے نہ تحقیق کی ضرورت ہوئی نہ کسی سے دریافت کرنے کی حاجت۔ اپنے علماء کی طرف آنے سے یہ مشکل کہ وہ وہی کہیں گے جو ان کے نفس کے خلاف ہو گا۔ پہلے لوگ انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں ایسا ہی کیا کرتے تھے جس کا بیان آیت اَنْفُسُکُمْ دَاٰسَتْکُمْ بَرْتُمْ ہِیْ ہے۔

مسلمانوں کی بدقسمتی سے اس زمانہ میں ایک فرقہ پیدا ہو گیا ہے جو اپنے آپ کو اہل حدیث کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ وَشَتَّانَ بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ اَہْلِ الْحَدِیْثِ ان کی رات دن یہی کوشش ہے کہ عوام کو مذہب حنفی سے بدظن کیا جائے۔ کبھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر طعن ہے تو کبھی فقہ پر حملہ۔ کبھی سنن و نواہل سے روکا جاتا ہے۔ کبھی جمعہ کو نماز ظہر سے منع کیا جاتا ہے۔ کبھی بیس تراویح کو بدعت کبھی نذر و نیاز سے روکتے ہیں۔ کبھی ایصال ثواب سے منع کرتے ہیں۔ عوام ان کے مغالطہ میں آجاتے ہیں اور اس فرقہ کو تتبع سنت مان کر ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں مگر حقیقت میں یہ لوگ حدیث نفس کے پیرو ہیں۔ ان کی زبان و قلم سے صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین تک نہیں بچ سکے۔ دوسرے کی کیا ہستی ہے؟

حضور علیہ السلام کے زمانہ سے اس فرقہ کے وجود تک ایک بھی ایسا شخص نہیں پیدا ہوا جس کے عقائد و عملیات اس فرقہ کے عقائد و عملیات کے موافق ہوں۔ من ادعیٰ فعلیہ البیان۔
نواب صدیق حسن نے خطہ ص ۶۷ میں اس فرقہ کا حال لکھا ہے۔

فقد نبئت فی هذا الزمان فرقة ذات سمعة وریاء تدعی لا نفسها
عنم الحدیث والقراۃ والعمل بہما علی العلل فی کل شان مع

انہا لیست فی شیئی من اہل العلم والعمل والعرفان الخ
 "یعنی اس زمانہ میں ایک فرقہ پیدا ہوا ہے جو یا کار ہے حدیث اور قرآن
 کے علم اور عمل کا مدعی ہے لیکن نہ وہ اہل علم سے ہے نہ ان میں عمل ہے
 نہ عرفان"

نماز تراویح کے بیس رکعت کے مسنون ہونے میں صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین کا
 اتفاق چلا آتا ہے۔ مشرق و مغرب میں بیس رکعت پڑھی جاتی ہیں حتیٰ کہ داؤد ظاہری بھی بیس
 کا ہی قائل ہے۔ مگر یہ فرقہ سرے سے تراویح مانتا ہی نہیں کہ تراویح بھی کوئی نماز ہے بلکہ بعض
 نے بیس رکعت کو بدعت لکھ دیا۔ دیکھو اخبار المحدثین ۲۱ جنوری ۱۳۸۷ھ، ۱۲ دسمبر ۱۹۱۸ء
 اس لیے ہمیں ضرورت ہوئی کہ مسئلہ تراویح کو مفصل بیان کیا جائے اور بیس رکعت تراویح کے
 دلائل پر جو مخالفین کی طرف سے اعتراضات وارد ہوتے ہیں سب کا بالاستیعاب جواب دیا
 جائے۔ پھر آٹھ رکعت والوں کے دلائل کی قلعی کھولی جائے تاکہ ناظرین اسے پڑھ کر مخطوط ہوں۔
 اور اس فقیر کے لیے دعا کریں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اس اسلامی خدمت کو قبول فرمائے اور
 اس کو گناہوں کی بخشش اور دخول جنت کے لیے وسیلہ بنائے۔ آمین!

وجہ تسمیہ تراویح

نماز تراویح وہ نماز ہے جو کہ نماز عشاء کے بعد میند سے پہلے پڑھی جاتی ہے اس کو
 تراویح اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی ہر چار رکعت کے بعد صحابہ و تابعین جنہوں نے پہلے اس
 نماز پر اجتماع کیا آرام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر فتح الباری میں اور زرقانی شرح مؤطا
 میں۔ علامہ طاہر مجمع البحار میں اور شیخ عبدالحی تعلیق مجدد میں فرماتے ہیں۔

سُمِّيَتْ الصَّلَاةُ جَمَاعَةً فِي لَيْلِي رَمَضَانَ تَرَاوِيحٌ لِأَنَّهُمْ أَوَّلَ مَا اجْتَمَعُوا عَلَيْهَا
 كَانُوا يَسْتَرْحُونَ بَيْنَ كُلِّ تَسْلِيمَتَيْنِ

مجالس الابرار ص ۱۹۹ میں ہے۔

وَأَنبَأَ سَيِّدُ بَهْلَانَ الصَّحَابَةَ كَانُوا يَسْتَرْجِعُونَ بَيْنَ كُلِّ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ
مِنْ أَجْلِ طُولِ قِيَامِهِمْ فِي الصَّلَاةِ -

یعنی تراویح کا نام تراویح اس لیے رکھا گیا کہ صحابہ ہر چار رکعت کے بعد بسبب طول قیام کے آرام کیا کرتے تھے۔ اس واسطے ہر چار رکعت کو ترویجہ کہتے ہیں۔ ترویجہ کے معنی ایک دفعہ آرام کرنا۔ تراویح اس کی جمع ہے۔ اس نماز کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز آٹھ رکعت نہیں۔ کیونکہ آٹھ رکعت دو ترویجہ ہیں۔ تراویح جمع ہے کم از کم تین ترویجہ پر اس کا اطلاق صحیح ہو سکتا ہے، آٹھ پر حقیقتاً اس کا اطلاق صحیح نہیں۔ بیس رکعت چونکہ پانچ ترویجہ ہوتے ہیں اس لیے بیس رکعت پر تراویح کا اطلاق حقیقتاً صحیح ہے۔

تراویح کا یہ نام کب سے شروع ہوا

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ تابعین میں یہ نام عام مشہور تھا۔ چنانچہ ابوالخضیب تابعی سوید بن غفلہ سے جو کہ کبار تابعین میں سے تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے دن مدینہ شریف تشریف لائے تھے۔ روایت کرتے ہیں کہ ہمیں سوید بن غفلہ رمضان شریف میں پانچ ترویجہ (بیس رکعات) نماز پڑھایا کرتے تھے۔ (آثار السنن بحوالہ بیہقی) اسی طرح علی بن ربیعہ تابعی سے سعید بن عبید روایت کرتے ہیں کہ وہ پانچ ترویجہ رمضان میں پڑھایا کرتے تھے۔

نواب صدیق حسن مسک، الختم ص ۵۴۲ جلد اول میں اس نام کا اصل ایک حدیث مرفوعہ سے لکھتے ہیں۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں۔

”وَلَسِمَ بِرِثْرَافِیْحٍ گویا ماخوذ است از حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کہ گفت بود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم می گذارد چهار رکعت و رشب پس تروح میگرد و الحمد للہ

اخرجه البيهقي وقال تفرد به المغيرة بن زياد وليس بالقوي فان

ثبت فهو اصل في تروح الامام في الصلوة التراویح۔“

کہ اس نماز کا نام تراویح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ماخوذ ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو چار رکعت نماز پڑھ کر آرام فرمایا کرتے تھے بہیقی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مغیرہ بن زیادہ منقول ہیں اور قوی نہیں اگر ثابت ہو جائے تو یہ حدیث نماز تراویح میں امام کے ترویج یعنی آرام کرنے کے ثبوت میں اصل ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مغیرہ بن زیادہ کو ابن معین نے لا باس بہ فرمایا۔ وکیع نے ثقہ کہا ابن عدی نے عندی لا باس بہ فرمایا نسائی نے بھی یس بہ باس کہا ابو داؤد نے صالح فرمایا (دیکھو میزان) پھر حدیث کے قابل حجت ہونے میں کیا کلام؟

معلوم ہوا کہ چار رکعت کے بعد حضور علیہ السلام کے آرام کرنے سے اس نماز کا نام تراویح ہوا یہ نام آج کسی کا ایجاد کردہ نہیں رقیام اللیل میں ورتقا، بن ایاس حبیب بن ابی عمرو عمران بن حدیر ذکوان جرشی وغیرہم سے یہ نام منقول ہے۔ پس جو لوگ اس نام کو اصطلاح فقہاء حنفیہ کہتے ہیں اور چار رکعت پر ترویج کو خلاف سنت کہتے ہیں۔ ان کا قول سراسر غلط ہے۔

تراویح کا ثواب

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (متفق علیہ)
”جو شخص ایمان اور طلب ثواب کے ساتھ رمضان کا قیام کرے اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بحوالہ نسائی واحمد وغیرہ اس حدیث میں لفظ مَا تَأَخَّرَ بھی نقل کیا ہے۔ یعنی تراویح پڑھنے سے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اس حدیث میں نماز تراویح کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کی شرح میں قیام رمضان سے مراد نماز تراویح لکھا ہے۔ کرمانی نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے لیکن کبھی

قیام رمضان سے رمضان شریف کی تجدید یا دیگر اذکار و ادعیہ بھی مراد ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

ظَاهِرُهُ يَتَنَاوَلُ الصَّغَائِرَ وَالْكِبَارَ۔

اس حدیث کا ظاہر چھوٹے بڑے دونوں قسم کے گناہوں کو شامل ہے؛
یعنی سب صغائر و کبائر معاف ہو جاتے ہیں۔ ابن منذر نے اسی پر جزم کیا علی قاری
رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صغائر تو بخشے جاتے ہیں اور کبائر کی بخشش کی امید ہے
(مرقاۃ ص ۱۶۹ جلد ۱)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ
رَمَضَانَ فَفَضَّلَهُ عَلَى الشُّهُورِ وَقَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا
خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ۔

عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف کا ذکر
کیا اور دوسرے مہینوں پر اسے فضیلت دی اور فرمایا کہ جو شخص رمضان کی راتوں کا قیام کرے
ایمان اور طلب ثواب کے لیے وہ اپنے گناہوں سے ایسے نکل جاتا ہے یعنی پاک ہو جاتا
ہے جیسے اس دن کہ اس کی والدہ نے اس کو جنم لینی جس طرح اپنی ولادت کے دن گناہوں
سے پاک پیدا ہوتا ہے اسی طرح گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔
معلوم ہوا کہ تراویح پڑھنے کا بڑا ثواب ہے۔

نماز تراویح سنت ہے

جاننا چاہیے کہ سنت اس کام کو کہتے ہیں جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ
کے صحابہ نے مع ترک احیائاً مواظبت فرمائی ہو اور مواظبت دو قسم کی ہے فعلی و تشرعی۔
فعلی وہ فعل ہے جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو مثلاً سنن و اتب
تشرعی وہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس فعل کی تشریح پر مواظبت فرمائی ہو۔ اس کا امر

کیا ہو اس کی ترغیب دی ہو مثلاً اذان نماز کہ بالاتفاق سنت موکدہ ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بہ نفس نفیس ایک بار بھی اذان نہیں دی۔

اسی طرح خلفاء راشدین کی مواظبت بھی دو قسم ہے فعلی و تشرعی یہ چاروں موجب سنیت ہیں جس کا تارک گنہگار ہے۔ تراویح اسی قسم سے ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کی ترغیب دی۔ خود بھی پڑھی خلفاء راشدین کی مواظبت اگر فعلی ثابت نہ ہو تو تشرعی میں کوئی کلام نہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ تراویح سنت ہے۔ حدیث میں اس کی تصریح بھی آئی ہے ابن ماجہ نسائی میں عبد الرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف کا ذکر کیا اور فرمایا۔

شَهْرُ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ۔

یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کے روزے اللہ نے تم پر فرض کیے اور اس کا قیام (تراویح) میں نے تمہارے لیے سنت کیا؟

اور وہ حدیث جس میں تین دن آپ کا تراویح باجماعت پڑھنا آیا ہے۔ پھر تو تھے روز آپ نہ نکلے اور صبح کو فرمایا کہ میں ڈر گیا کہ یہ نماز تم پر فرض (نہ) ہو جائے (بخاری) اس سے بھی معلوم ہوا کہ نماز تراویح فرض نہیں سنت ہے۔

تراویح کا وقت

نماز عشاء کے بعد ہے

متفق الاخبار میں ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ فِي الْمَسْجِدِ فِي رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ أَوْ زَاغًا يَكُونُ مَعَ الزَّجْلِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ فَيَكُونُ مَعَهُ التَّفَرُّؤُ الْخُمْسَةُ أَوِ السَّبْعَةُ أَوْ أَقَلُّ مِنْ ذَلِكَ أَوْ أَكْثَرُ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِمْ قَالَتْ فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَنْصُبَ لَهُ حَصِيرًا عَلَى بَابِ حُجْرَتِي فَفَعَلْتُ نَخَّرَجُ إِلَيْهِ بَعْدَ أَنْ صَلَّى عِشَاءَ الْآخِرَةِ فَاجْتَمَعَ إِلَيْهِ مَنْ فِي الْمَسْجِدِ فَصَلَّى لَهُمْ

وَذَكَرَتِ الْقِصَّةَ بِمَعْنَى مَا تَقَدَّمَ غَيْرَ أَنَّ فِيهَا أَنَّهُ لَمْ يُخْرَجِ إِلَيْهِمْ
فِي اللَّيْلَةِ الثَّانِيَةِ (رواه احمد)

کہ لوگ رمضان شریف میں رات کے وقت مسجد میں الگ الگ نماز پڑھتے تھے کسی کے ساتھ پانچ کسی کے ساتھ کم یا زیادہ آدمی ہوتے تھے جو ایک ایک امام کے پیچھے تراویح پڑھتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ان کے لیے اپنے حجرہ کے دروازہ پر ایک چٹائی کھڑی کروں میں نے ایسا کیا تو آپ عشا کی نماز پڑھ کر اس کی طرف نکلے جتنے لوگ مسجد میں تھے سب جمع ہو گئے تو آپ نے ان کو نماز (تراویح) پڑھائی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے نماز عشاء کے بعد تراویح پڑھائی یہی اس کا وقت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی صحابہ کرام یہ نماز باجماعت پڑھتے تھے۔

تراویح باجماعت مسجد میں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کو باجماعت مسجد میں ادا فرمایا چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً مِنْ جَوْبِ اللَّيْلِ
فَصَلَّى فِي السُّجْدِ وَصَلَّى رِجَالٌ بِصَلَاتِهِ فَاصْبَحَ النَّاسُ فِتْحَةً ثَوًّا فَاجْتَمَعَ
أَكْثَرُ مِنْهُمْ فَصَلَّى فَصَلُّوا مَعَهُ (رواه البخاری عن عائشہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات کو میانہ شب میں نکلے اور آپ نے مسجد میں نماز پڑھی چند آدمیوں نے آپ کی نماز کے ساتھ مل کر نماز ادا کی صبح ان لوگوں نے (رات کا واقعہ) بیان کیا تو دوسری شب کو بہت لوگ جمع ہو گئے اور حضور علیہ السلام کے ساتھ انہوں نے نماز پڑھی (آخری حدیث تک) اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا اور یہ واقعہ رمضان شریف میں تھا جیسے کہ دوسری

روایت میں اُس کی تصریح ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں باجماعت ادا فرمائی۔

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِي أَنَّهُ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَيْلَةً فِي مَعْصَانٍ إِلَى السَّجْدَةِ فَإِذَا النَّاسُ أَوْ ذَاعَ مُتَفَرِّقُونَ يَصِلُ الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ وَيَصِلُ الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ إِنِّي أَرَى لَوْ جُمِعْتُ هَؤُلَاءِ عَلَى قَارِيٍّ وَاحِدٍ لَكَانَ أَكْثَلُ ثُمَّ عَزَمَ مَجْمَعَهُمْ عَلَى أَبِي بِنِ كَعْبٍ الْحَدِيثِ - (رواه البخاری)

عبد الرحمن بن عبد قاری فرماتے ہیں کہ میں رمضان شریف کی رات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسجد کی طرف نکلا (وہاں دیکھا) کہ لوگ جدا جدا کوئی اکیلا نماز پڑھتا ہے کسی کے ساتھ جماعت تھی یعنی بعض اکیلے پڑھتے تھے بعض الگ الگ جماعتوں سے پڑھتے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں۔ اگر ان لوگوں کو ایک قاری پر جمع کروں۔ تو بہتر ہو پھر آپ نے قصد کیا اور ابی بن کعب پر جمع کیا۔ آخر حدیث تک اس کو بخاری نے روایت کیا۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ لوگ نماز تراویح مسجد میں پڑھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی مسجد میں ہی ان کو ابی بن کعب کے پیچھے جمع کیا جس سے تراویح کا مسجد میں باجماعت پڑھنا ثابت ہوا۔ فللہ الحمد۔

کیا تراویح و تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں؟ | جانا چاہیے کہ نماز عشاء کے بعد سونے سے پہلے رمضان شریف میں جو نماز

پڑھی جائے اُسے تراویح کہتے ہیں اور جو سونے کے بعد نفل پڑھے جائیں اُسے تہجد کہتے ہیں رمضان ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح صلوٰۃ اللیل یا قیام اللیل بھی تہجد کا نام ہے۔ مگر کبھی تراویح پر بھی بولا جاتا ہے اور قیام رمضان تراویح کا نام ہے۔ کبھی رمضان کی تہجد پر بھی بولا جاتا ہے۔ قیام رمضان و تراویح میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ ہر تراویح پر قیام رمضان صادق آتا ہے۔ لیکن ہر قیام رمضان پر تراویح صادق نہیں۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فتح الباری ص ۳۱۵ جز ۸ میں فرماتے ہیں۔

ذَكَرَ النَّوَوِيُّ أَنَّ الْمُرَادَ بِقِيَامِ رَمَضَانَ صَلَاةَ التَّرَاوِيحِ يَعْنِي أَنَّهُ يَحْصُلُ

بِهَا الْمَطْلُوبُ مِنَ الْقِيَامِ لَا أَنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ لَا يَكُونُ إِلَّا بِهَا۔

نَوَوِي نے جو ذکر کیا ہے کہ قیام رمضان سے مراد تراویح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تراویح پڑھنے سے قیام رمضان جو کہ مطلوب ہے حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ قیام رمضان بجز تراویح ہو نہیں سکتا۔

اب ہم چند ایسے امور بیان کرتے ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ تراویح اور تہجد دونوں جُدا جُدا نمازیں ہیں۔ اگرچہ منکر انجاد کے ذمہ دلیل نہیں ہے۔

(۱) نماز تہجد قبل از فرضیت صلوٰۃ خمسہ قبل از ہجرت مکہ معظمہ میں شروع ہوئی اور نماز تراویح بعد از ہجرت بعد فرضیت نماز پنجگانہ مدینہ طیبہ میں شروع ہوئی تاریخ مشروعیت سے معلوم ہوا کہ یہ نمازیں دو نو جُدا جُدا ہیں۔

(۲) تہجد کا حکم سورہ منزل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تَرَاوِيحُ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون فرمایا۔

ابوداؤد کی ایک طویل حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے سوال کیا کہ مجھے قیام میل (تہجد) بیان کرو تو آپ نے فرمایا۔

أَلَسْتُ تَقْرَأُ يَا أَيُّهَا الْمُرْمَلُ قَالَ قُلْتُ بَلَى قَالَتْ فَإِنَّ أَوَّلَ هَذِهِ السُّورَةِ نَزَلَتْ فَقَامَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى انْتَحَفَتْ أَتَدَا مُهْمٌ وَحُبْسٌ خَائِمَتُهَا فِي السَّمَاءِ اثْنَتَيْ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ نَزَلَ آخِرُهَا فَصَارَ قِيَامُ النَّبِيِّ قَطُوعًا بَعْدَ فَرِيضَةٍ۔ اس حدیث کو محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل ص ۳ میں روایت کیا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ سورہ منزل کا اول جب نازل ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہاں تک قیام کیا کہ اُن کے قدم پھول گئے۔ ایک سال کے بعد اس کا آخری حصہ نازل ہوا تو فرض ہونے کے بعد تہجد بطور نفل شروع ہوئی۔

تراویح کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

سَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ۔

میں نے اس کا قیام تم پر سنت کیا۔ (ابن ماجہ)
 معلوم ہوا کہ تہجد اور ہے اور تراویح اور ورنہ اس کی سنت کو اپنی طرف منسوب کرنا کیا
 معنی رکھتا ہے۔ تہجد تو پہلے ہی شروع تھی۔

(۳) تراویح ماہ رمضان میں خاص ہے۔ اور تہجد کسی مہینہ کے ساتھ مخصوص نہیں اس سے
 بھی معلوم ہوا کہ یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں۔

(۴) تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول شب میں پڑھی۔ چنانچہ آپ کی تراویح کی
 نماز پہلی شب تہانی رات تک دوسری شب ادھی رات تک تیسری شب بحری تک ابو داؤد
 میں آیا ہے اور تہجد میں حضور علیہ السلام کی عادت تشریفہ اخیر شب میں پڑھنے کی تھی۔ بخاری شریف
 میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

كَانَ يَنَامُ اَوَّلَهُ وَيَقُومُ الْاٰخِرَةَ۔

کہ حضور علیہ السلام کی رات کی نماز اسی طرح تھی کہ اول شب میں سو جاتے تھے اور
 آخر شب میں قیام فرماتے تھے۔

صحیح مسلم کی روایت میں اِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ قَامَ فَسَلَّى آیا ہے کہ آپ مرغ کی آواز
 سُن کر اُٹھتے اور تہجد پڑھتے۔

مولوی شہداء اللہ امرتسری نے اخبار اہل حدیث، ۱۷ شوال ۱۳۹۷ھ میں فتویٰ دیا ہے کہ
 اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔

ابوطالب مکی رحمہ اللہ قوت القلوب ج اول کے ص ۲۱ میں لکھتے ہیں۔

وَلَا يَكُونُ التَّهَجُّدُ اِلَّا بَعْدَ النَّوْمِ۔

کہ تہجد میند کے بعد ہوتی ہے پہلے نہیں ہوتی۔

حجید الزمان نزل الابراہ ص ۱۲۶ جلد اول میں لکھتا ہے۔

وَالْتَّهَجُّدُ مَا كَانَ بَعْدَ النَّوْمِ۔

کہ تہجد وہ ہے جو میند کے بعد ہو۔

علامہ شامی روالختار ص ۵۰۵ میں لکھتے ہیں۔

انه في الاصطلاح المتطوع بعد النوم۔

کہ تہجد اصطلاح میں نیند کے بعد نفل پڑھنے کو کہتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے جو رمضان شریف میں اول شب میں نماز پڑھی تھی۔ وہ

تہجد نہ تھی فثبت ما قلنا۔

(۵) آپ تہجد ہمیشہ اکیلے پڑھتے تھے کبھی بداعی یعنی بلا کرجاعت نہیں کرائی۔ کوئی خود بخود آ

کھڑا ہوتا ہو۔ لیکن تراویح میں بداعی جماعت کرائی۔

چنانچہ البوداؤد وغیرہ میں آیا ہے۔

جَمَعَ أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ وَالنَّاسَ۔

کہ آپ نے اپنے اہل کو اور عورتوں کو اور لوگوں کو جمع کیا اور ترک جماعت کا غریبی

بیان کر دیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ تہجد جدا ہے اور تراویح جدا۔

(۶) تہجد کے لیے آپ نے تمام رات قیام نہیں کیا خود حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

لَا أَعْلَمُهُ قَرَأَ الْقُرْآنَ كُلَّهُ فِي لَيْلَةٍ إِلَى الصُّبْحِ (مسلم)

کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے ایک رات میں سارا قرآن پڑھا ہو یا ایک رات صبح

تک نماز تہجد پڑھی ہو لیکن تراویح میں تیسری رات اخیر سحری تک نماز پڑھنا ثابت ہے۔

دیکھو البوداؤد اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ نمازیں الگ الگ ہیں۔

(۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت کو دیکھ کر پسند فرمایا اور کہا۔

وَالَّتِي تَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي تَقُومُونَ (بخاری)

یعنی وہ نماز جس سے تم سو جاتے ہو یعنی تہجد افضل ہے۔ اس نماز سے جس کو تم پڑھ

لیتے ہو (یعنی تراویح)

معلوم ہوا کہ تراویح اور تہجد جدا جدا نمازیں ہیں۔

(۸) دارقطنی جلد اول کے ص ۲۲۸ میں عکرمہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے رمضان شریف

کے چاند کے بارہ میں شک کیا۔ تو انہوں نے ارادہ کر لیا نہ روزہ رکھیں نہ تراویح پڑھیں۔ ایک اعرابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اس نے شہادت دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اُسے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا ہاں اور اس نے چاند دیکھنے کی گواہی دی حضور علیہ السلام نے بلال کو حکم فرمایا کہ منادی کر دو کہ تراویح پڑھیں اور روزہ رکھیں اس حدیث کو سیقی عکرمہ سے اس نے ابن عباس سے مسند روایت کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تراویح اور تہجد الگ الگ ہیں۔ تراویح تو رمضان سے خاص ہے جب چاند کے طلوع میں شک ہو تو صحابہ نے ارادہ کر لیا کہ نہ تراویح پڑھیں نہ روزہ رکھیں۔ اگر تراویح اور تہجد ایک ہوتی تو طلوع میں شک ہونے سے عدم قیام کا ارادہ نہ کرتے کیونکہ تہجد رمضان شریف کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔

(۹) اگر تراویح اور تہجد ایک ہی چیز ہے۔ پھر آٹھ رکعت کو کیوں سنت کہا جاتا ہے؟ چار رکعت۔ چھ رکعت۔ دس رکعت بھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ پھر کیوں دس رکعت چار چھ رکعت کو سنت نہیں کہا جاتا معلوم ہوا کہ تراویح اور تہجد اور وہاں المقصود۔ (۱۰) اگر تراویح و تہجد ایک ہی چیز ہے تو بن محمدین نے تصریح کی ہے کہ تراویح کی تعداد صحیح حدیث سے ثابت نہیں اس کے کیا معنی؟ مصابیح میں سیوطی نے ایسا ہی لکھا ہے۔ نزہتی اور بسکی نے بھی ایسا ہی فرمایا۔ بلکہ ابن تیمیہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ دیکھو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد الگ ہے اور تراویح الگ۔ تہجد کی تعداد تو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے لیکن تراویح کی تعداد ان کے نزدیک ثابت نہ ہوئی۔ اس لیے انہوں نے انکار لکھ دیا۔

ہم ناظرین کے مزید اطمینان کے لیے موجودہ مدعیان عمل بالحدیث کے پیشوا مولوی نذیر حسین دہلوی کی عملی شہادت پیش کرتے ہیں جس سے ہمارے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔

آبجیات بعد المات کے ص ۱۳۸ میں لکھا ہے۔

لیالی رمضان المبارک میں دو ختم قرآن مجید کا بحالت قیام ہر سال سنتے ایک تو نماز

عشاء کے بعد تراویح میں جس کے امام تھے۔ حافظ احمد عالم دوسرا ختم سنتے نماز تہجد میں جس کے امام ہوتے حافظ عبدالسلام انتہی اہل حدیث ۴۴ فروری ۱۳۳۵ھ میں بھی ایسا ہی ہے۔

جو کوٹلی لوہاراں کے ایک غیر مقلد کے سوال کے جواب میں لکھا **مولوی شہداء اللہ کا فتویٰ** کیا۔ نماز تہجد کی تعریف میں یہ داخل ہے کہ بعد بنید اٹھ کر پڑھے

اور تراویح میں یہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اول وقت جماعت تراویح سے بہتر ہے اس سے امکانی طور پر دو نمازوں کا ثبوت ہوتا ہے یعنی اول شب کی تراویح ہوگی۔ آخری وقت کی تہجد اہل حدیث ۲۰ اپریل ۱۳۳۵ھ ص ۱۱۔

اس تحقیق سے کما حقہ ثابت ہو گیا کہ نماز تراویح اور ہے اور نماز تہجد اور ہے۔

سوال: کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پڑھ کر تہجد بھی پڑھی ہے۔

جواب: جن راتوں میں آپ نے تراویح پڑھیں وہ عشرہ اخیرہ رمضان تھا۔ جیسے کہ ابوذر کی حدیث میں آیا ہے جس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور قیام اللیل کے ص ۸۹ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ عشرہ اخیرہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی جیسا کہ مسلم شریف ص ۳۶۲ ج ۱ میں حدیث ہے۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ أَحْيَى اللَّيْلَ۔

کہ جب عشرہ آتا تو آپ ساری رات جاگتے اور اپنے اہل کو بھی جگاتے اور یہ بھی مفصل ذکر ہو چکا ہے کہ تہجد وہ نماز ہے جو بعد بنید اٹھ کر پڑھے۔

قیام اللیل ص ۱ میں علقمہ اور اسود سے منقول ہے کہ ان دونوں نے فرمایا۔

إِنَّمَا التَّهَجُّدُ بَعْدَ نَوْمَةٍ تَهَجُّدٌ بَعْدَ نَوْمَةٍ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اسی طرح عمر بن غزیرہ انصاری نے فرمایا۔

يَحْسِبُ أَحَدُكُمْ أَنَّهُ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى حَتَّى يُصْبِحَ أَنَّهُ قَدْ تَهَجَّدَ إِنَّمَا التَّهَجُّدُ الصَّلَاةُ بَعْدَ رُقْدَةٍ ثُمَّ الصَّلَاةُ بَعْدَ رُقْدَةٍ ثُمَّ الصَّلَاةُ بَعْدَ رُقْدَةٍ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

تراویح دیکھ کر فرمایا تھا کہ تہجد کی نماز اس نماز

کیا گمان کرتا ہے۔ ایک تمہارا یہ کہ جب رات کو اٹھ کر نماز پڑھے۔ یہاں تک کہ صبح
 کروے کہ اُس نے تہجد ادا کی نہیں تہجد نیند کے بعد نماز ہے۔ پھر نیند کے بعد نماز ہے۔ یہی
 نماز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی (عینی بخاری ص ۶۲۶ جلد ۳۔ و قیام اللیل ص ۱،
 علامہ شامی نے رد المحتار ص ۵۰۵ میں بحوالہ معجم طبرانی یہی حدیث بروایت حجاج بن عمر
 رضی اللہ عنہ نقل کی ہے۔

ابن حجر نے تلخیص میں بحوالہ ابن خثیمہ یہی حدیث لکھی اور کہا۔
 اسنادہ حسن کہ اس کی سند اچھی ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ عشرہ اخیر میں آپ ساری ساری رات جاگتے تھے اور یہ بھی
 ثابت ہو گیا کہ تہجد وہ نماز ہے جو بعد نیند کے پڑھے تو پھر آپ تہجد کیسے پڑھتے تہجد تو سونے
 کے بعد ہوتی ہے۔

سوال: سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز تراویح کتنی رکعت ثابت ہے؟
جواب: اس سوال کا جواب سمجھنے سے پہلے یاد رکھنا چاہیے کہ احادیث رسول کریم صلی
 اللہ علیہ وسلم کا ذخیرہ جو امام اعظم رحمۃ اللہ ودیگر ائمہ کے وقت تھا وہ آج مفقود ہے۔ ایک
 امام بخاری علیہ الرحمۃ کو ہی دیکھو کہ چھ لاکھ حدیث ان کو یاد تھی۔ دیکھو مقدمہ فتح الباری ص ۵ و
 ص ۵۶ جن سے انہوں نے صحیح بخاری کو انتخاب کیا وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے کئی صحیح
 حدیثیں چھوڑ دیں تاکہ کتاب طویل نہ ہو جائے۔ (مقدمہ ص ۱) لیکن آج ہمارے سامنے ہیں ہزار
 حدیث سے زیادہ موجود نہیں کتب حدیث کئی ایسی ہیں جن کے نام کتابوں میں ملتے ہیں مگر وہ
 کتابیں نہیں ملتیں اور جو ملتی ہیں وہ بھی کئی ایسی ہیں جو ابھی تک طبع نہیں ہوئیں کسی کسی کتب خانہ
 میں قلمی موجود ہیں اور جو موجود ہیں وہ بھی ہر ایک عالم کے زیر نظر نہیں۔ بسا اوقات حدیث
 کتابوں میں موجود ہوتی ہے اور وہ کتاب بھی ایک عالم کے پاس ہوتی ہے۔ مگر اس حدیث کا
 اسے علم نہیں ہوتا تو اس حالت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کسی مسئلہ کو بے دلیل سمجھنا کیسے صحیح
 ہو سکتا ہے؟ جو ذخیرہ احادیث کا امام اعظم رحمۃ اللہ کے زمانہ میں موجود تھا۔ یا کم از کم جو امام بخاری
 کے وقت میں تھا۔ اگر آج ہمارے سامنے ہو۔ پھر اس میں امام صاحب کے مسئلہ کی دلیل نہ ملے۔

تو ہو سکتا ہے کہ ہم اُسے بے دلیل کہیں لیکن آج جب کہ تمام ذخیرہ احادیث ہمارے سامنے نہیں تو ہم کیسے بیدلیل کہہ سکتے ہیں پھر بھی امام صاحب کے دلائل موجودہ کتب حدیث میں ملتے ہیں سنئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی امر کے ثابت ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ امر حدیث مرفوع سے ثابت ہو۔

حدیث مرفوع دو قسم ہے مرفوع حقیقتاً اور مرفوع حکماً۔
مرفوع حقیقتاً تو ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول فعل تقریر کو کہتے ہیں۔
مرفوع حکماً وہ صحابی کا قول فعل ہے جس میں رائے واجتہاد کا دخل نہ ہو۔
شرح تجلید ۶ ص ۱۱۱ ہے۔

مثال المرفوع من القول حکماً لا تصریحاً ما یقول الصحابی الذی لا
یاخذ عن الاسر ایلیات مالا مجال للاجتہاد فیہ الخ۔
یعنی جو صحابی اسرا سنی روایات نہ لیتا ہو اس کا ایسا قول جس میں اجتہاد کا دخل نہیں حکماً
مرفوع ہوتا ہے۔

ومثال المرفوع من الفعل حکماً ان یفعل الصحابی مالا مجال للاجتہاد
فیہ فیینزل علی ان ذالک عندہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
یعنی صحابی کوئی ایسا کام کرے جس میں اجتہاد کا دخل نہ ہو تو وہ فعل حکماً مرفوع ہوگا۔ یہ
ایسا سمجھا جائے گا کہ اس صحابی کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کام کا علم ہو چکا ہے۔
اب سوال کا جواب سنئے۔ حدیث مرفوع کی دونوں قسموں سے بیس رکعت تراویح
کا پڑھنا ثابت ہے اور اس کا خلاف یعنی آٹھ رکعت ثابت نہیں۔
وہ حدیث ہے جس کو ابن شیبہ نے اپنے مصنف میں
مرفوع حقیقتاً روایت کیا ہے۔

۱۵ الحدیث ۳۳ جون ۱۳۲۳ء میں لکھا ہے سنت شریعت کا وہ کام ہے جس کا ثبوت آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم سے پایا جائے خواہ وہ حقیقتاً ہو یا حکماً ۱۲ منہ۔

حدثنا يزيد بن هارون قال اخبرنا ابراهيم بن عثمان عن الحكم عن
مقسم عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان
يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرَيْنِ رَكْعَةً وَالْوُتْرَ -

ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعت
تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے ۔

اس حدیث کو عبد بن حمید نے اپنے مسند میں اور طبرانی نے معجم میں اور بیہقی نے سنن
میں روایت کیا ہے ۔ یہ حدیث بیس رکعت تراویح کے مسنون ہونے پر ظاہر ہے ۔

اعتراض البتہ اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے ۔ اس میں
ابراہیم بن عثمان ہیں جن کو محدثین نے ضعیف کہا ہے اور یہ حدیث
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے معارض بھی ہے ۔ اس کا جواب کئی وجہ سے ہے ۔
پہلا جواب : محدثین کا اصول ہے کہ جرح مبہم معتبر نہیں ۔

واجب مسلم بسويد بن سعيد وبجاعة اشتم الطعن فيهم وهكذا

فعل ابوداود السجستاني وذلك دال على انهم ذهبوا الى ان الجرح لا

يثبت اذا فوسببه ۔

یعنی مسلم نے سويد بن سعيد اور ایک ایسی جماعت کے ساتھ حجت پکڑ لی ہے جن
میں طعن مشہور ہے ۔ اسی طرح ابوداؤد سجستانی نے کیا ۔ ثابت ہوا کہ جرح مبہم ثابت نہیں ۔
اس سے معلوم ہوا کہ یہ محدثین اس طرف گئے ہیں کہ جرح جب تک مفسر نہ ہو ثابت
نہیں ہوتی ۔ نووی نے تقریب میں اسی کو صحیح کہا شرح صحیح مسلم میں فرمایا ۔

لا يقبل الجرح الا مفسرا مبين السبب ۔ انتهى ۔

یعنی جرح وہی قبول کی جائے گی جو مفسر ہو جس کا سبب بیان کیا گیا ہو ۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ابراہیم بن عثمان کے حق میں محدثین نے کوئی جرح مفسر بھی کی
ہے یا نہیں جہاں تک محدثین کے اقوال میری نظر سے گزرے ہیں ۔ کسی میں جرح مفسر نہیں
البتہ میزان میں شعبہ نے مبین السبب جرح کی ہے کہ البوشیہ نے حکم سے اس نے ابن ابی

یہی اسے روایت کی ہے کہ جنگ صفین میں ستر بدری حاضر ہوئے تھے۔ شعبہ فرماتے ہیں کہ ابو شیبہ نے جھوٹ کہا۔ میں حکم کے ساتھ اس بات کا تذکرہ کیا۔ صفین میں تو اہل بدر میں سے بجز خزیمہ کوئی حاضر نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ شعبہ نے اس لیے ابو شیبہ پر جرح کی کہ اس نے ستر بدریوں کی صفین میں حاضر ہونے کی روایت کی لیکن یہ جرح کوئی جرح نہیں۔ خود شعبہ صرف ایک خزیمہ کے سوا کسی بدری کا حاضر ہونا نہیں مانتے۔ حالانکہ یہ بھی غلط ہے جس کا جواب علامہ ذہبی نے میزان میں دیا ہے۔

قلت سبحان الله اما شهدا على اما شهدا عمار۔

ذہبی فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا علی حاضر نہ تھے کیا عمار حاضر نہ تھے۔

یعنی خزیمہ کے سوا علی بھی تھے۔ عمار بھی تھے۔ پھر شعبہ کا کہنا کہ بجز خزیمہ کوئی نہ تھا اسی طرح غلط ہے۔ جس طرح ابو شیبہ کا ستر گھنا پھر کیا وجہ ہے کہ شعبہ تو باوجود اس غلطی کے امیر المومنین فی الحدیث رہے اور شعبہ مجروح ہو۔

اسی واسطے شیخ عبدالعزیز دہلوی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا ہے۔

”کہ ابو شیبہ آل قدر ضعف نذرو کہ روایت اور امطروح مطلق ساخته شود انتہی“

یعنی ابو شیبہ اتنا ضعیف نہیں کہ اس کی روایت بالکل ترک کی جائے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری پارہ ۴، کے ص ۶۸ میں ابو شیبہ کو حافظ کہتے ہیں چنانچہ

فرمایا۔

ابراہیم بن عثمان العیسیٰ بالموحدۃ الحافظ۔

جس سے معلوم ہوا کہ اس کا حفظ مسلم ہے۔

تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں۔

قال ابن عدی له احادیث صالحة۔

ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی حدیثیں اچھی ہیں یعنی احتجاج کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

یہ ابن عدی وہی ہیں جنہوں نے اس کو لین کہا۔ پھر بھی فرماتے ہیں کہ اس کی حدیثیں

اچھی ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں۔

هو خير من ابراهيم بن ابی حية
 کہ ابراہیم بن ابی حیر سے ابو شیبہ بہتر ہے۔
 یزید بن ہارون کہتے ہیں۔

ما قضي على الناس رجل يعني في زمانه اعدل من قضاء منه . کہ
 ابو شیبہ اپنے زمانے کے سب قاضیوں سے زیادہ عادل تھے۔
 خلاصہ کے حاشیہ میں یزید بن ہارون کا قول مذکور ہے کہ۔

ابراهيم بن عثمان كان عادلا في القضاء
 ابراہیم بن عثمان قضا میں عادل تھے۔

یہ یزید بن ہارون وہی ہیں جنہوں نے بیس رکعت تراویح کی حدیث ابراہیم بن عثمان
 سے روایت کی۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے جو اس کی نسبت فرمایا ہے
 وہ بہت صحیح ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ نے ان کو حافظ مانا، یزید بن ہارون نے عادل فی القضاء
 ابن عدی نے ابراہیم بن ابی حیر سے اس کو اچھا جانا۔ اس کی حدیثوں کو صالح فرمایا۔ جرحین
 کا جرح مفسر نہ کرنا مبہم رکھنا یہ سب ایسی باتیں ہیں جن سے یہ حدیث قابل حجت ہو جاتی
 ہے۔ فافهم ولا تكن من المتعصبين۔

دوسرا جواب شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ شرح سفر السعادت میں
 فرماتے ہیں۔

حکم بہ صحت وضعف احادیث در زمان متاخر بخلاف زمان سابق است چه
 میتواند کہ حدیثی در زمان ایشان صحیح باشد بسبب اجتماع شرائط صحت وقبول در رواة
 کہ واسطہ بودند میان ایشان وحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پس ازاں از جهت رواة دیگر
 کہ بعد ازاں آمدند ضعف پیدا شد پس از حکم متاخرین محدثین بضعف حدیثی لازم نیاید بضعف
 در زمان امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مثلاً و این نکته ظاہر است انتہی۔

احادیث کے صحت ضعف کا حکم زمانہ متاخر میں پہلے زمانہ کے خلاف ہے کیوں کہ

ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث پہلے زمانہ میں بسبب پائے جانے شرائط صحت کے صحیح ہو۔ پھر بعض رواۃ کے سبب جو کہ اس زمانہ کے بعد میں ہوں۔ کوئی ضعف پیدا ہو جائے تو محدثین متاخرین کے کسی حدیث کو ضعیف کہنے سے لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث مثلاً امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں بھی ضعیف ہو اور یہ نکتہ ظاہر ہے۔

امام شعرانی رحمہ اللہ مزینان ص ۱۱ میں امام اعظم کے دلائل کو ضعیف کہنے کے جواب میں فرماتے ہیں۔

يجب علينا حمل ذلك جزماً على الرواة النازلين عن الامام في السند

بعد موته رضى الله عنه انتقاء۔

پھر حنفیہ سطور کے بعد فرماتے ہیں۔

وان قيل بضعف شي من ادلة مذهبه فذلك الضعف انما هو

بالنظر للرواة النازلين عن سنده بعد موته وذلك لا يقدر فيما

اخذ به الامام عند كل من استحب النظر في الرواة وهو صاعد الى

النبي صلى الله عليه وسلم۔

یعنی امام صاحب کے دلائل کا ضعف امام صاحب سے نچلے راویوں کے سبب سے ہے اور وہ کوئی قاذح نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث میں جو راوی ضعیف ہے۔ وہ کس زمانہ کا ہے۔ تقریب

میں اس کو طبقہ سابع سے لکھا ہے۔ جو اکابر تبع تابعین کا زمانہ ہے۔ اس کی وفات ۱۶۹ھ

میں ہوئی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ البشیر

۹ سال امام صاحب کی وفات کے بعد ہوا۔ معلوم ہوا کہ نہ تو صحابہ کے زمانہ میں تھا نہ وہ تابعی

تھا ان دونوں زمانوں کے بعد اس راوی کے سبب یہ حدیث ضعیف قرار دی گئی تو اب اس

متاخر راوی کے سبب متاخرین کے اس حدیث کو ضعیف کہنے سے لازم نہیں آتا کہ زمانہ

صحابہ و تابعین میں بھی یہ حدیث ضعیف ہو تو صحابہ و تابعین بلکہ تبع تابعین کا عمل ظاہر کرتا ہے

کہ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح تھی اور ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس رکعت

تراویح پڑھنے کا علم حاصل ہو چکا تھا اسی واسطے انہوں نے بیس رکعت پر اتفاق کیا ورنہ صحابہ و تابعین کی شان سے بعید ہے کہ وہ اپنی طرف سے اک نماز کی تعداد مقرر کر لیتے۔
تیسرا جواب: محدثین نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن موضوع کسی نے نہیں کہا۔ یہ حدیث جھوٹی نہیں، بناوٹی نہیں ضعیف ہے اور ممکن ہے کہ راوی ضعیف نے سچ کہا ہو۔ دیکھو شرح سفر سعادت ص ۵۲ و مرقاة جلد ۱ ص ۵۲۶ فان الکذب قد یصدق کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔ اس لیے ہر ضعیف حدیث احتمال رکھتی ہے کہ صحیح ہو اور ہر صحیح جائز ہے کہ غلط ہو۔ کیونکہ ثقہ بھی کبھی غلطی کرتا ہے۔ کبھی سند کے ذرا متکلم نفیم ہوتے ہیں۔ لیکن متن درست ہوتا ہے۔ اس صورت میں متن قابل عمل رہتا ہے۔

مقدمہ ابن صلاح میں ہے۔

ندایقال هذا صحيح الاسناد ولا يصح الحديث۔

یعنی سند صحیح ہوتی ہے اور متن حدیث صحیح نہیں ہوتا۔ وکذا عکسہ۔ اسی طرح اس کا عکس یعنی سند ضعیف ہوتی ہے اور متن صحیح ہوتا ہے۔
شرح الفیہ عراقی میں ہے۔

قولهم هذا حديث ضعيف فمرادهم انه لم تطهر منه شروط الصحة لا انه كذاب في نفس الامر لجواز صدق الكاذب واصابة من هو كثير الخطاء انتهى فتح المنيث۔

یعنی محدثین جب کسی حدیث کو ضعیف کہیں تو ان کی مراد یہ ہے کہ اس میں صحت کے شروط پائے نہیں جاتے نہ یہ کہ وہ نفس امر میں جھوٹی ہے کیونکہ جائز ہے کہ کاذب نے سچ بولا ہو۔ اور کثیر الخطاء نے خطا نہ کی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حدیث ضعیف بہ سبب کثرت طرق حسن ہو جاتی ہے اور امت کے قبول کر لینے سے قبول ہو جاتی ہے۔ پس یہ حدیث صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین کے عمل کرنے مقبول ہو گئی۔

چوتھا جواب: یہ حدیث اگرچہ لمجاظ سند ضعیف ہے لیکن امت کا عمل اس کو

تقویت دیتا ہے۔

امام سیوطی شرح نظم الدرر میں فرماتے ہیں۔

المقبول ما تلقاه العلماء بالمقبول وان لم يكن له اسناد صحيح -
کہ حدیث مقبول وہ ہے جس کو علماء نے قبول کر لیا ہو اگرچہ اس کی سند صحیح نہ ہو۔

حافظ سخاوی شرح الفیہ میں فرماتے ہیں۔

اذا تلقت الامة الضعيف بالقبول يعمل به على الصحيح -

جس ضعیف حدیث کو اُمت نے قبول کر لیا ہو۔ (یعنی علما) تو صحیح مذہب میں اس پر عمل کیا جاوے گا چونکہ اس حدیث کو علماء اُمت نے قبول فرمایا صحابہ نے اس پر عمل کیا ائمہ اربعہ نے اسی کو اپنا معمول بہ ٹھہرایا لہذا الاحوال یہ حدیث مقبول ہوگی۔

علامہ ابن مرعی البشیر صیغتی مالکی شرح اربعین نوویہ میں لکھتے ہیں۔

محل كونه لا يعمل بالضعيف في الاحكام ما لم يكن تلقته الناس

بالقبول فان كان كذلك تعين وصارحة يعمل به في الاحكام وغيرها

(التحفة المرضية ص ۲۲۸)

یعنی ضعیف حدیث پر احکام میں عمل نہ کیا جانا اس صورت میں ہے کہ اسے لوگوں نے قبول نہ کیا ہو۔

اور اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

امام سیوطی تعقیبات میں نماز تبسُّع کے ذکر میں بہیقی سے نقل کرتے ہیں۔

تداولها الصلحون بعضهم عن بعض وفي ذلك تقوية للحديث

المرفوع۔

اس حدیث (تبسُّع) کو صالحین نے دست بدست لیا اور اس میں حدیث مرفوع

کی تقویت ہے یعنی صلحا کے عمل حدیث کو تقویت ہوگئی۔

علی قاری رحمہ اللہ مرقاۃ باب ما علی الماموم میں بحوالہ نووی لکھتے ہیں۔

فكان الترمذی يربى تقوية الحديث بعمل اهل العلم۔

کہ ترمذی اہل علم کے عمل کرنے سے حدیث کی تقویت کا ارادہ کرتے تھے۔
علامہ سیوطی تعقبات میں فرماتے ہیں۔

وقد صرح - غیر واحد بان من دلیل صحة الحديث قول اهل العلم
به وان لم يكن له اسناد يعتمد على مثله -

یعنی بہت محدثین نے تصریح کی ہے کہ حدیث کی صحت کی دلیل اہل علم کا اس
پر عمل ہے اگرچہ اس کی سند قابل اعتماد نہ ہو۔

مولوی شاد اللہ اہل حدیث ۱۹ اپریل سنہ کے ص ۱ میں لکھتے ہیں۔
بعض ضعف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں۔ انتہی
میں کہتا ہوں۔ نجاست کے ساتھ پانی کا رنگ و بومرہ بدلنے سے پانی کا
ناپاک ہونا حدیث ضعیف سے ثابت ہے مگر امت نے اس پر عمل کیا اور اسے
قبول کر لیا۔ تو حدیث اگرچہ ضعیف تھی۔ اہل علم کے عمل کرنے سے اس کو تقویت
ہو گئی۔

اسی طرح سونے کے نصاب کی حدیث ضعیف ہے مگر علماء نے اسے قبول
کیا اور اسی پر عمل کیا۔

اسی طرح بعض حدیثیں ایسی ہیں جو سنداً صحیح ہیں۔ مگر ان پر عمل نہیں۔ مثلاً
بلا عذر جمع بین الصلوٰتین کہ اس کی حدیث صحیح ہے۔ مگر علماء متروک ہے۔ دیکھو ترمذی
کتاب العلل قاضی شاد اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں زیر آیت۔ قل یا اہل الکتاب
تعالوا لکھتے ہیں۔ فترکھم العمل بحديث دليل على كونه منسوخاً وموقلاً۔
یعنی ائمہ اربعہ اور اکابر علماء کا کسی حدیث پر عمل نہ کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ وہ
حدیث منسوخ ہوگی یا موقلاً۔

پانچواں جواب :- علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے رد المحتار جلد ۴ ص ۱۷
میں لکھا ہے۔

ان المجتهد اذا استدال بحديث كان تصحيحه كماله كافي التحريم وغيره۔

کہ مجتہد جس حدیث سے استدلال کرے اس حدیث کی تصحیح ہے یعنی اگر وہ حدیث قابل حجت نہ ہوتی تو مجتہد اس سے استدلال نہ کرتا۔ جب اس نے اس حدیث سے کوئی مسئلہ اخذ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ حدیث اس کے نزدیک صحیح قابل حجت ہے۔

امام شجرانی میزان ص ۶ میں فرماتے ہیں۔
 وكفانا بالصحة الحديث استدلال مجتهد به۔

کہ حدیث کی صحت کے لیے مجتہد کا استدلال کافی ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیس رکعت تراویح کو سنت مانا۔ کتب فقہ جو کہ نقل مذاہب میں معتبر مانی گئی ہیں۔ ان میں تبصریح موجود ہے۔ چنانچہ ہم آگے ائمہ اربعہ کے مذاہب میں جو الحجات نقل کریں گے۔ انشاء اللہ تو انہوں نے اس حدیث ابن عباس سے اس عدد کو سنت مانا۔ امام صاحب کا بیس رکعت تراویح سنت کہنا یا تو اسی حدیث ابن عباس سے ماخوذ ہے یا کسی اور صحیح حدیث سے جو کہ ہمیں نہیں ملی۔ پہلی صورت میں حدیث ابن عباس بہ سبب استدلال مجتہد صحیح ہوئی۔ دوسری صورت میں تراویح کا بیس رکعت مسنون ہونا ثابت ہو گیا۔ تو یہ حدیث موید ہو گئی۔ ۱۲ منظر ظاہر ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ کا مذاہب بیس رکعت کی سنیت کا ہے۔ اور حدیث مرفوع حقیقی ایک ہی حدیث ملتی ہے جو ابن عباس سے مروی ہے۔ تو لا محالہ ماننا پڑے گا کہ بیس رکعت کی سنیت اسی حدیث سے ماخوذ ہے۔ تو اب مطابق اس اصول کے جو شامی نے لکھا ہے کہ مجتہد کا استدلال اس حدیث کی تصحیح ہوتا ہے۔ یہ حدیث بھی امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک صحیح ہوئی۔ وہو المقصود۔

یہ کہنا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ کی حدیث کے معارض ہے صحیح نہیں۔ اس لیے کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا دربارہ تنہد ہے جس کا مفصل ذکر آگے آئے گا اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ

دفع تعارض

دربارہ تراویح ہے۔ فلا تعارض بینہما۔

مرفوع حکما | بیہقی سنن کبریٰ جلد ۲ ص ۲۹۶ میں فرماتے ہیں۔

اخبرنا ابو عبد اللہ الحسین بن محمد بن حسین بن فنجویہ الدینوری
بالدائمنا احمد بن محمد بن اسحاق السنی ابن عبد اللہ بن محمد بن
عبد العزیز البغوی ثنا علی بن الجعد ابن ابی ذئب عن یزید بن خصیفہ
عن السائب بن یزید قال كانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی
اللہ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعة قال وكانوا یقرؤن بالمئین وكانوا
یتوکلون علی عصمتہم فی عهد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدۃ القیام۔
سائب صحابی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان
شریف میں بیس رکعت (تراویح) پڑھتے تھے۔ اور وہ سورتیں جن میں ستوا سے زیادہ
آیتیں ہیں پڑھتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شدت قیام کے سبب
لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔

ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عام طور پر صحابہ موجود تھے اور
تابعی بھی تھے تو اس حدیث میں حضرت سائب رضی اللہ عنہ صحابہ و تابعین کا عمل بیان
کرتے ہیں کہ وہ بیس رکعت (تراویح) پڑھتے تھے اور یہ پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ صحابہ
کا وہ فعل جس میں رائے واجتہاد کا دخل نہ ہو حکما مرفوع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ نماز
کی تعداد میں رائے کا کوئی دخل نہیں تو صحابہ کا بیس رکعت پڑھنا حکما مرفوع ہو گا۔
صحابہ کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنی طرف سے نماز کی رکعتیں مقرر کر لیں۔ ان کو رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور علم ہو گا۔ اسی واسطے صحابہ کے ایسے فعل
کو حکما مرفوع کہتے ہیں۔

مراقی الفلاح میں ابو یوسف سے روایت ہے۔

قال سالت ابا حنیفۃ عن التراويح وما فعلہ عمر رضی اللہ عنہ

فقال التراویح سنة مؤكدة ولم یخذه عمر من تلقا نفسه
ولم یکن فیہ مبتدعا ولم یأمر به الا عن اصل لدیه وعهد من
رسول الله صلی الله علیه وسلم فالظاهر انه قد ثبت عندهم
صلوة النبی صلی الله علیه وسلم عشرين رکعة كما جاء فی حدیث
ابن عباس فاختره عمر رضی الله عنه (فتح المنان)

ابو یوسف کہتے ہیں۔ میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کو تراویح کے متعلق پوچھا اور
جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تو آپ نے فرمایا کہ تراویح سنت موکدہ ہے
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے

اپنے جی سے نہیں گھڑا اور نہ وہ اس میں مبتدع ہیں۔ بجز اس کے کہ رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم سے ان کے پاس اس کا ثبوت ہو۔ انہوں نے اس کا امر نہیں کیا۔ پس ظاہر
ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت تراویح ان کے نزدیک ثابت ہوئی جیسے
کہ حدیث ابن عباس میں آیا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے اختیار فرمایا۔
اس حدیث کو نووی نے خلاصہ میں

ابن عراقی نے شرح تقریب میں۔

اور سیوطی نے مصابیح میں صحیح کہا اور سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

ابو عبد اللہ بن فنجویہ دینوری اپنے زمانہ کے اکابر محدثین سے تھے۔ فہمی نے
مشاہیر محدثین کے سلسلہ میں جن کا ذکر کیا (تذکرہ الحفاظ ص ۲۲۲ ج ۳) علامہ سمعانی نے
النساب میں برہان دینوری کے شاگردوں میں جن کا نام لیا ہے۔ غرض ابن فنجویہ ایک
مشہور محدث ہیں۔

ابن صلاح مقدمہ میں فرماتے ہیں۔

ومن جرى مجدهم في نباهة الذكر واستقامة الاسر فلا يسئل
عن حالهم۔

یعنی جو شخص علماء میں مشہور اور معروف ہو اس کے حال سے پوچھا نہیں جاتا۔

یعنی یہ ضرورت نہیں کہ اس کی ثقاہت ثابت کریں۔
 علامہ ذہبی میزان ص ۳۲ ج ۲ میں مالک بن حیر کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔
 فی رواۃ الصحیحین مداد کثیر ما علمنا ان احدا من علی توثیقہم
 والجمہور علی ان من کان من المشائخ قد روی عنہ جماعۃ ولم
 یات بما ینکول علیہ ان حدیثہ صحیح۔

کہ صحیحین کے رواۃ میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کی توثیق پر کسی نے
 نص نہیں کی جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مشائخ میں سے جس سے ایک جماعت
 روایت کرے اور وہ سن کر حدیث نہ لائے تو اس کی حدیث صحیح ہوتی ہے۔
 شیخ عبدالحی لکھنوی الرفع والتکمیل ص ۲۱ میں بحوالہ تدریب الراوی للسیوطی
 لکھتے ہیں۔

اذا لم یکن فی الراوی جرح ولا تعدیل وکان کل من شیخہ والراوی
 عنہ وثقہ ولہ روایات بحديث منکر فهو عندہ راوی۔ عند
 ابن حبان ثقہ۔

یعنی جب راوی کی نسبت جرح تعدیل معلوم نہ ہو اور اس کا شیخ اور شاگرد ثقہ
 ہوں اور حدیث منکر نہ ہو۔ ایسا شخص ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے۔
 اس حدیث میں ابن فنجویہ کے شیخ ابن السنی مشہور محدث ہیں اور شاگرد بہیقی ہیں۔
 تو لا محالہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہوئے۔ نووی ابن العرانی سیوطی کا اس حدیث
 کو صحیح کہنا نہایت صحیح ہے۔

دوسرے راوی احمد بن محمد بن اسحق ابن السنی مؤلف کتاب عمل الیوم واللیلۃ و
 راوی سنن نسائی ہیں۔

ذہبی نے طبقات الحفاظ جلد ۳ ص ۱۲۲ میں ان کے متعلق لکھا ہے۔

کان دینا خیرا صدوقا اختصر السنن وسماء المجتبی۔

کہ بڑے سچے متدین تھے۔ سنن کا انہوں نے اختصار کیا۔ اور مجتبیٰ نام رکھا۔

تیسرے راوی عبداللہ بن محمد البغوی ہیں۔
 علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۲۷۵ میں بحوالہ خطیب لکھا ہے۔
 کان ثقة ثبتا فہما عارفا قال السلی سالت الدارقطنی عن البغوی
 فقال ثقة امام جبل امام اقل المشائخ خطاء۔ انتہی
 کہ ثقہ ثبت تھے۔ دارقطنی نے بھی ان کو ثقہ کہا۔
 چوتھے راوی علی بن عبد میں جو کہ امام بخاری کے شیوخ سے ہیں تقریب میں
 ان کو ثبت ثقہ دمی بالتشیع لکھا ہے۔
 پانچویں ابن ابی ذئب ہیں جن کو تقریب میں ثقہ فقیہ فاضل لکھا ہے۔
 چھٹے یزید بن خنیفہ ہیں جن کو تقریب میں ثقہ لکھا ہے۔
 ساتویں سائب بن یزید ہیں جو صحابی ہیں۔

دوسری حدیث

بیہقی نے معرفۃ السنن میں روایت کیا۔
 اخبرنا ابو طاہر الوفاق قال اخبرنا ابو عثمان البصری قال ثنا
 ابو احمد محمد بن عبد الوہاب قال اخبرنا خالد بن مخلد قال
 ثنا محمد بن جعفر قال ثنا یزید بن خنیفہ عن السائب بن یزید
 قال کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعة والوتر۔
 سائب صحابی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت
 تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔

اس حدیث میں حضرت سائب بن یزید اپنا عمل بیس رکعت بیان کرتے ہیں
 اس کی سند کو علامہ سبکی نے شرح منہاج میں اور علی قاری نے شرح مؤطا میں صحیح
 فرمایا ہے۔ (آثار السنن ص ۱۵۵)

اس حدیث کو مالک نے بھی یزید بن خنیفہ کی طریق سے روایت کیا ہے دیکھو۔

فتح الباری جز ۸ ص ۳۱۶ اور فتح الباری کی حدیث صحیح یا حسن ہوتی ہے۔ کہا
صرح فی مقدمہ۔

اس حدیث کے پہلے راوی ابوطاہر فقیہ ہیں۔ جو کہ بیہقی کے شیخ ہیں۔ ان سے
بیہقی۔ حاکم۔ ابوالقاسم۔ قشیری۔ عبد الجبار بن برزہ۔ محمد بن محمد سامانی۔ علی بن احمد واحدی
اور ابوصالح مؤذن نے روایت کی ہے۔ (طبقات جلد ۳ ص ۸۲)
امام سبکی نے اسی صفحہ میں ان کے حق میں "امام المحدثین والفقہاء بنیاء پور فی زمانہ"
لکھا ہے کہ نیشاپور میں اپنے زمانہ کے محدثین و فقہاء کے امام تھے۔
طبقات ص ۸۲ جلد ۳ میں ان کی نسبت عبد الغافر نے فرمایا۔
اعلم اصحاب الحديث بخدا سان و فقیہہم بالاتفاق بلا مدافعة۔
کہ خراسان کے اہل حدیث کا بالاتفاق امام اور فقیہہ تھے۔
دارقطنی ص ۳۶ ج ۲ میں فرماتے ہیں۔

وارتفاع رسم الجهالة عنه ان يردى عنه رجلا فضاء۔
کہ جس سے دو آدمی یا زیادہ روایت کریں۔ اس سے جہالت اٹھ جاتی ہے اور
وہ معروف ہو جاتا ہے۔

فتح المغیث میں امام سخاوی فرماتے ہیں۔
قال الدارقطني من روى عنه ثقتان فقد ارتفعت جهالته و
ثبتت عدالته. الرفع والتكميل ص ۱۶۔

یعنی جس شخص سے دو ثقہ روایت کریں۔ اس کی جہالت رفع ہو جاتی ہے اور
عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ابوطاہر فقیہ سے بڑے بڑے محدثین نے روایت کی ہے اگر آج
کوئی اس کو مجہول کہہ دے۔ تو اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔
دوسرے راوی ابوعثمان بصری ہیں جن کا نام عمر بن عبد اللہ ہے۔ ان سے ابوطاہر
فقیہہ اور ابو محمد حسن بن علی بن مؤمل نے روایت کی (آثار السنن ص ۵۴)

ہم چھ لکھ آئے ہیں کہ جس سے دو راویوں نے روایت کی۔ وہ مجہول نہیں ہے۔ اس کی جہالت اٹھ جاتی ہے اور عدالت ثابت ہو جاتی ہے فلا نغیدہ ثانیاً۔ تیسرے راوی ابوالاحمد محمد بن عبدالوہاب ہیں جن کو تقریب میں ثقہ عارف لکھا ہے۔

چوتھے راوی خالد بن مخلد ہیں جو بخاری مسلم کے راوی ہیں۔ تقریب میں انکو صدوق لکھا ہے۔

پانچویں محمد بن جعفر ہیں جو ثقہ ہیں۔
چھٹے یزید بن خنیفہ ثقہ ہیں۔

ساتویں سائب صحابی ہیں۔ علامہ سبکی و علی قاری کا اس حدیث کو صحیح کہنا نہایت صحیح ہے۔ **مللہ الحمد فی الاولی والآخرۃ**۔

تفسیری حدیث

عن یزید بن رومان دانیۃ قال کان الناس یقومون فی زمانِ عمر بن الخطاب فی رمضان ثلاثاً وعشرین رکعة رواہ مالک۔
یزید بن رومان فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابہ و تابعین) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان شریف میں تیس رکعت (تراویح) پڑھتے تھے۔ اس کو امام مالک نے مؤطا میں اور بیہقی نے سنن کبریٰ میں روایت کیا۔

سوال: یہ حدیث منقطع ہے یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا۔
جواب: میں کہتا ہوں۔ یہ حدیث امام مالک کے مؤطا کی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۰۶ میں فرماتے ہیں۔

قال الشافعی اصح الكتب بعد کتاب الله مؤطا مالک واتفق اهل الحديث علی ان جمیع ما فیہ صحیح علی رای مالک ومن وافقه ولما علی رای غیرہ فلیس فیہ مرسل ولا منقطع الا قد اتصل

السند به من طرق اخرى فلا جرم انها مصیحة من هذا الوجه

انتہی -

امام شافعی فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ صحیح کتاب قرآن شریف کے بعد امام مالک کا مؤطا ہے۔ اہل حدیث کا اتفاق ہے کہ مؤطا میں متنبی حدیثیں ہیں امام مالک اور ان کے موافقین کے نزدیک سب صحیح ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے محدثین کے نزدیک مؤطا میں جو حدیث مرسل یا منقطع ہے۔ وہ دوسری طریق سے اس کی سند متصل بھی ہے۔ اس وجہ سے وہ بھی صحیح ہوئی۔

زرقانی جلد اول ص ۹ میں علامہ سیوطی سے منقول ہے۔

مانیہ من المراسیل مع كونها حجة عندہ بلا شرط وعند من

وافقه من الافقه من الائمة هي حجة عندنا ايضا لان المرسل

حجة عندنا اذا اعتضد وما من مرسل في المؤطا الا وله عاضداو

عواضدا فالصواب اطلاق ان المؤطا مبيح لا يستثنى منه شيء۔

یعنی مؤطا میں جو حدیث مرسل ہے۔ امام مالک اور ان کے موافقین ائمہ کے نزدیک تو بلا شرط حجت ہے اور ہمارے (یعنی شافعیہ) کے نزدیک بھی حجت ہے کیونکہ مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے جب کہ اس کے لیے کوئی عارضہ ہو۔ یعنی دوسری سند سے اس کی تائید ہو اور مؤطا میں کوئی مرسل ایسی نہیں جس کا ایک یا زیادہ عارضہ نہ ہوں۔ تو صواب یہ ہے کہ مؤطا سب صحیح ہے۔ اس سے کوئی حدیث مستثنیٰ نہیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ پہلی اور دوسری حدیث ہوسند متصل سے ہے۔ اس کی تائید کرتی ہیں۔ اسی طرح چوتھی پانچویں چھٹی۔ ساتویں حدیثیں سب اسی کی مؤید ہیں تو اصول حدیث کے لحاظ سے حدیث قابل حجت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض غیر مقلدین کے سوا اور کسی محدث نے اس کو ساقط الاحتجاج نہیں لکھا۔

علاوہ اس کے حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس حدیث کو لائے ہیں دیکھو
جز ۸ ص ۳۱۶ اور مخالفین مانتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے التزام کیا ہے کہ فتح الباری
میں جو حدیث لاؤں گا۔ صحیح یا حسن ہوگی۔ (دیکھو رسالہ غازی پوری) تو یہ حدیث چونکہ
فتح الباری میں ہے۔ اس لیے بھی صحیح یا حسن ہوئی۔

جواب دیگر: یزید بن رومان ثقہ ہے۔ اور وہ جانتے تھے کہ جھوٹ گناہ ہے۔
پھر بھی یقیناً حضرت عمر کے زمانہ کا حال بیان کرتے ہیں اگر ان کو کچھ شبہ ہوتا تو اپنے
شیخ کا نام لیتے معلوم ہوا کہ ان کو اس میں کوئی شبہ نہ تھا پس آج کسی کو شبہ کرنے کا کیا
حق ہے؟

چوتھی حدیث

عن یحییٰ بن سعید ان عمر ابن الخطاب امر رجلاً فیصلي بهم
عشرین رکعة رواه ابو بکر بن ابی شیبہ فی مصنفہ عن دیکع
عن مالک بن انس عن یحییٰ بن سعید۔

یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس
تراویح پڑھائے اس کو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا۔

اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں اور بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حضرت
عمر رضی اللہ عنہ کا امر بھی موجود ہے۔ لیکن اس حدیث کے تسلیم کرنے میں عذر پیش
کیا جاتا ہے کہ یحییٰ بن سعید انصاری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا
اس لیے یہ حدیث منقطع ہے۔ میں کہتا ہوں۔ یحییٰ بن سعید انصاری اجماعی ثقہ ہیں۔
حدیث وفقہ کے امام ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ جھوٹ بنانا کسی کے ذمہ جھوٹ لگانا کبیرہ
گناہ ہے۔ خود معاذ اللہ جھوٹے نہ تھے کہ جھوٹ کہہ گئے۔ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔ اب تم خود انصاف
کرو۔ کہ ایسا متقی زاہد عابد کیا جھوٹ کہتا ہے۔ ضرور ہے کہ ان کو حضرت عمر کے زمانہ

کا حال اپنے شیوخ سے معلوم ہوا ہوگا۔ ورنہ وہ کبھی ایسا نہ کہتے۔ اگر ان کو کچھ شبہ ہوتا۔
تو جس سے انہوں نے سنا تھا۔ اس کا نام لیتے اور آپ بری الذمہ ہو جاتے ہمارے
ہاں بھی لوگوں کی عادت ہے۔ کہ جس بات پر ان کو یقین ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ
فلان شخص نے یہ کام کیا پس اگر کبھی بن سعید کو حضرت عمر کے امر کا کچھ بھی شبہ ہوتا
تو شیخ کا نام لیتے۔ انہوں نے نہایت وثوق سے حضرت عمر کا امر بیان کیا۔ اور شیخ کا
نام لینا ضروری نہ سمجھا اسی بنا پر امام مالک اور امام اعظم رحمہما اللہ کے نزدیک حدیث
مرسل و منقطع حجت ہے۔ اور اسی بنا پر امام مالک نے اس حدیث کو اپنا معمول بنایا
اور ۳۶ رکعت اپنا مذہب قرار دیا۔ جن میں سے بیس تراویح اور سولہ عوض طواف ہیں

حدیث مرسل و منقطع کا حکم

امام نووی مقدمہ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں۔

ومذہب مالک وابی حنیفہ واحمد واکثر الفقہاء انہ
یحتج بہ ومذہب الشافعی انہ اذا انضم الی المرسل ما یعضد
اجتہج بہ وذلک بان یروی ایضا مسنداً ومرسلاً من جہۃ
اخری اذ یعمل بہ بعض الصحابة واکثر العلماء۔

یعنی امام مالک و ابو حنیفہ و احمد اکبر فقہاء کے نزدیک حدیث مرسل منقطع حجت ہے
امام شافعی کے نزدیک اس وقت حجت ہے جبکہ اس کی تائید میں کوئی دوسری روایت
مرسل یا مسند ہو یا بعض صحابہ یا اکثر علماء کا اس پر عمل ہو۔
امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

ضعف بالانقطاع وهو عندنا کالارسال بعد ازالة الرواة
وثقتهم لا یفتر۔

کہ انقطاع ہمارے نزدیک مثل ارسال کے ہے۔ جبکہ راوی ثقہ اور عادل ہوں
تو ضرر نہیں۔

پس یہ حدیث امام مالک و امام اعظم و امام احمد کے نزدیک حجت ہے اور امام شافعی کے نزدیک بھی حجت ہے۔ اس لیے کہ پہلی اور دوسری تیسری حدیث اس کی تائید میں ہیں اور صحابہ کا بلکہ اکثر فقہاء و علماء کا اس پر عمل ہے۔

علاوہ اس کے پہلی اور دوسری اور آٹھویں حدیث میں سائب بن یزید صحابی حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا پڑھنا بیان کرتے ہیں اور سائب بن یزید سے یحییٰ بن سعید کو سماع حاصل ہے۔

چنانچہ کمال فی اسماء الرجال میں یحییٰ بن سعید کے ترجمہ میں تصریح ہے۔

سمع النس بن مالك والسائب بن يزيد وخلقواهما۔

کہ یحییٰ نے النس بن مالک اور سائب بن یزید وغیرہما سے سنا۔

تہذیب التہذیب میں سائب بن یزید کے ترجمہ میں یحییٰ بن سعید کو سائب کے شاگردوں میں شمار کیا ہے۔

تمیق النظام فی مسند الامام کے صفحہ ۹ اور تعلیق المجد کے صفحہ ۶ میں تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۲۹ ج ۱ کے حوالہ سے لکھا ہے۔

حدث عن النس والسائب بن يزيد۔

کہ یحییٰ بن سعید نے حضرت النس اور سائب سے حدیث بیان کی پھر آگے لکھا ہے۔

قال القاری سمع النس بن مالك وسائب بن يزيد۔

کہا علی قاری نے کہ یحییٰ نے النس بن مالک اور سائب بن یزید سے سنا۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید نے حضرت عمر کا بیس رکعت تراویح کا حکم دینا سائب بن یزید سے سنا ہوگا۔ کیونکہ حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا حکم ہونا سائب بن یزید کی روایت سے ثابت ہے۔ چونکہ حضرت سائب صحابی ہیں اس لیے یحییٰ بن سعید نے ان کے ذکر کی ضرورت نہ سمجھی تو یہ انقطاع اس لیے بھی مضر نہیں ہے۔

پانچویں حدیث

قیام اللیل مروزی ص ۱۶ میں محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے۔
كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ فِي نَعْمَانَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ عَشْرَ يَوْمٍ
رُكْعَةً يُطِيلُونَ فِيهَا الْقِرَاءَةَ دِيُوتَرُونَ بِثَلَاثٍ۔

صحابہ و تابعین حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ اس
میں قرأت لمبی کرتے تھے اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔
مخالفین کہتے ہیں کہ یہ حدیث منقطع ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حدیث منقطع اکثر علماء
کے نزدیک حجت ہے، خصوصاً جب کہ دوسری حدیثوں سے مؤید ہو۔

چھٹی حدیث

حافظ ابن حجر نے تمخیز میں بروایت ابن ابی شیبہ و بیہقی لکھا ہے اور سیوطی نے
بھی مصابیح میں نقل کیا ہے۔

عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى ابْنِ بَنِي كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّي بِهَرْمٍ فِي شَهْرِ
رَمَضَانَ عَشْرَ يَوْمٍ رُكْعَةً۔

حضرت عمر نے لوگوں کو ابی بن کعب کے پیچھے نماز پڑھنے پر جمع کیا تو وہ لوگوں
کو بیس رکعت تراویح رمضان شریف میں پڑھاتے تھے۔

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ابی بن کعب سے بیس رکعت ہی صحیح ہیں۔
(یعنی ص ۲۵۷ جلد ۵)

ابن تیمیہ نے حضرت ابی بن کعب کا بیس رکعت پڑھنا لکھا ہے (دیکھیے مرقاة)

ساتویں حدیث

ابن ابی شیبہ مصنف میں عبد العزیز بن رفیع سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں

نے فرمایا۔

كَانَ ابْنُ كَعْبٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فِي رَمَضَانَ بِالدَّائِنَةِ عِشْرِينَ رُكْعَةً
رِيَوْتَرِ ثَلَاثٍ - (آثار السنن ص ۵۵)

کہ ابی بن کعب رمضان شریف میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح مدینہ شریف
میں پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر۔

مخالفین اس حدیث کو بھی منقطع کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ منقطع حجت ہے
حدیث منقطع کے حجت ہونے کے دلائل پہلے بیان کیے جا چکے ہیں۔

اکھویں حدیث

شیخ الاسلام عینی شرح صحیح بخاری ص ۳۵۵ جلد ۵ میں ابن عبدالبر سے نقل
کرتے ہیں۔

سُئِيَ الْحَارِثُ بْنُ أَبِي ذَبَابٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدٍ قَالَ كَانَ الْقِيَامُ
عَلَى عَهْدِ عُمَرَ ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ رُكْعَةً -

سائب بن یزید صحابی کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانہ میں قیام (تراویح)
بیس رکعت تھا۔

نانویں حدیث

شیخ الاسلام عینی شرح صحیح بخاری ص ۳۵۵ ج ۵ میں فرماتے ہیں۔

سُئِيَ عَبْدِ الرَّزَّاقِ فِي الْمَصْنُفِ عَنْ دَاوُدَ بْنِ قَيْسٍ وَغَيْرِهِ عَنْ مُحَمَّدِ
بْنِ يَوْسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى
عَنْهُ جَمَعَ النَّاسَ فِي رَمَضَانَ عَلَى ابْنِ كَعْبٍ وَعَلَى تَبِيْمِ الدَّارِمِيِّ
عَلَى إِحْدَى وَعِشْرِينَ رُكْعَةً -

عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں روایت کیا کہ سائب بن یزید فرماتے ہیں۔

کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو رمضان شریف میں ابی کعب و تمیم دارمی پر ایک رکعت تراویح پر جمع کیا۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ایک رکعت وتر پر محمول ہے۔ (تفصیل کے لیے ہماری کتاب نماز مدلل دیکھو۔)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت پر لوگوں کو جمع کیا۔ ابن عبدالبر نے اس روایت کو صحیح اور اس کے خلاف گیارہ رکعت والی کو امام مالک کا وہم قرار دیا۔

دسویں حدیث

آثار السنن ص ۵ ج ۲ میں کنز العمال کے حوالہ سے لکھا ہے۔

عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطاب امره ان یصلی باللیل فی رمضان فقال ان الناس یصومون النهار ولا یحسینوا ان یقرؤا فلو قدر نمت علیہم باللیل فقال یا امیر المؤمنین هذا شیء لم یکن فقال قد علمت ولیکنه حسن فصلی بہم عشرین رکعة۔

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب کو حکم دیا کہ رمضان شریف میں لوگوں کو رات کی نماز پڑھائے کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور قراءت نہیں جانتے اگر تو ان پر رات کو پڑھے (تو اچھا ہے) ابی بن کعب نے عرض کی اے امیر المؤمنین یہ شے پہلے نہ تھی حضرت عمرؓ نے فرمایا میں جانتا ہوں لیکن کام اچھا ہے تو ابی بن کعب نے ان کو بیس رکعت پڑھائیں صاحب کنز العمال نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے۔

ان دس حدیثوں سے ثابت ہوا کہ صحابہ تابعین حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔ بلکہ چوتھی حدیث میں تو صریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ عقل سلیم کبھی اس بات کے ماننے کو تیار نہیں۔ کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ

میں جو صحابی و تابعی تھے۔ وہ حضرت عمر کے حکم بغیر ہی بیس رکعت پڑھتے ہوں اور حضرت عمر کو اس کا علم نہ ہو۔ مخالفین کہتے ہیں کہ بیشک علم تھا مگر چونکہ بطور نفل بیس رکعت پڑھتے تھے اس میں تو کبھی کم بھی پڑھتے، بیس رکعت معین کیوں کرتے۔ بیس رکعت کا معین کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ان کو سرور عالم صلی اللہ وسلم سے بیس رکعت کا ثبوت حاصل تھا۔ علاوہ اس کے حضرت عمر کا بیس رکعت پڑھتے ہوئے معلوم کرنا اور جائز رکھنا ان کی تقریر سے ثابت ہوا تو بیس رکعت پر حضرت کی مواظبت تشرعی ثابت ہوئی اور مواظبت تشرعی خلفاء کی موجب سنیت ہے۔ بلکہ ضرور حضرت عمر کے حکم سے پڑھتے تھے۔ جیسے کہ یحییٰ بن سعید کی روایت میں تصریح ہے کہ حضرت عمر نے بیس رکعت پڑھانے کا حکم فرمایا ورنہ لازم آتا ہے کہ حضرت عمر تو حکم دین آٹھ رکعت کا اور صحابہ و تابعین خلیفہ وقت کے حکم کا خلاف کریں اور بیس پڑھیں حاشا جنابہم عن ذالک تو دو حال سے خالی یا تو حضرت عمر کا آٹھ رکعت کا حکم دنیا ہی صحیح نہیں۔ امام مالک کا وہم ہے۔ کہا قالہ ابن عبد البر۔ یا صحابہ و تابعین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت پڑھنے کا ثبوت حاصل تھا جس کی وجہ انہوں نے امیر المؤمنین کے حکم کی پرواہ نہ کی اور بیس رکعت پڑھیں۔

گیارہویں حدیث

ابن تیمیہ منہاج السنۃ جلد ۴ ص ۲۲۷ میں لکھتے ہیں۔

عن ابی عبد الرحمن السامی ان علیاً دعا القراءۃ فی رمضان
فامر رجلاً منهم یصلی بالناس عشرين رکعة علی یوم یومہم۔

کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو وتر پڑھاتے تھے۔ اس کو بہیقی نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی حضرت

علی کے حکم سے بیس رکعت پڑھتے تھے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حماد بن سعید ہے جو ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں۔ اس حدیث کی دوسری سند بھی ہے وہ یہ ہے۔

بارھویں حدیث

عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امر رجلاً ان یصلی بالناس خمسَ ترویجاتٍ عشرین رکعةً۔ بیہقی
ابی الحسناء کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم کیا کہ لوگوں کو پانچ ترویج کے بیس رکعت پڑھائے۔
اس حدیث کی ایک اور سند بھی ہے۔ جو یہ ہے۔

تیرہویں حدیث

عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء ان علیاً امر رجلاً یصلی بہم فی رمضان عشرین رکعةً۔ (اخرجه ابن ابی شیبہ فی مصنفہ جوہر النقی)۔
حضرت علی نے ایک آدمی کو حکم کیا کہ رمضان شریف میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے۔
یہ تینوں روایتیں ایک دوسری کو قوت دیتی ہیں۔ علامہ عینی نے بھی شرح صحیح بخاری جلد ۲ کے ص ۵۹۸ میں بحوالہ مغنی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ بکیری ص ۳۸۸ شرح منیہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

چودھویں حدیث

علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں قیام اللیل مروزی کے حوالہ سے نقل کرتے

ہیں۔

اخبرنا یحییٰ بن یحییٰ اخبرنا حفص بن غیاث عن الاعمش عن یزید بن
بن وہب قال کان عبدُ اللہ بن مسعود یصلیٰ لَنَا فی شَہْرِ رَمَضانَ
فَیَنْصَرِفُ وَعلَیْہِ لَیْلٌ قالَ الاعمشُ کانَ یصلیٰ عِشرَینَ رُکْعَةً و
یوترُ بثلاثٍ۔ زید بن وہب کہتے ہیں۔

کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ماہ رمضان میں ہمیں نماز پڑھا کر رکعتیں تو ابھی رات
باقی ہوتی۔ اعمش کہتے ہیں کہ وہ بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔
اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیس رکعت تراویح پڑھنا ثابت
ہوتا ہے اور عبداللہ بن مسعود وہ شخص تھے جن کی نسبت رسول کریم صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا۔

تسکو الیعد ابن۔ اُم عبد (ترمذی)

کہ عبداللہ بن مسعود کے احکام پر عمل کرو اور فرمایا۔

ما حدَّثَ کُمُ ابْنُ مَسْعُودٍ فَصَدِّقُوْهُ (ترمذی)

جو حدیث عبداللہ بن مسعود بیان کریں۔ اُسے سچ مانو۔ حذیفہ صحابی کہتے ہیں۔

اِنَّ اَشْبَهَ النَّاسِ وَلَا وَصْمًا وَهَذَا بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ لَا بَنُ اَمْرٍ عَبْدٍ مِنْ حَیْنِ یَخْرُجُ مِنْ بَیْتِنَا اِلٰی اَنْ یَّرْجِعَ

اِلَیْہِ لَا نَدْرِی مَا یَصْنَعُ فِی اَهْلِہِ اِذَا خَلَا (بخاری)

کہ سب سے زیادہ مشابہ چال چلن و عادات و اطوار میں رسول کریم کے ساتھ
عبداللہ بن مسعود ہیں۔ ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر
میں ابن مسعود اور اس کی والدہ کی کثرت آمد و رفت سے ہم ان کو اہل بیت سے
سمجھتے تھے۔

پس ایسا شخص جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق و سیرت و اخلاق میں
سب سے زیادہ آپ کے ساتھ مشابہ تھا جس کو صحابہ حضور کے گھر آنے جانے کے

سبب آپ کے گھر کا ہی ایک شخص سمجھتے تھے جس کی بابت علامہ عینی نے شرح بخاری جلد ۳ ص ۱۲۴ میں لکھا ہے۔

ولم يفارقه الى ان مات رسول الله صلى الله عليه وسلم -
کہ عبداللہ بن مسعود حضور علیہ السلام کی وفات شریف تک حضور سے جدا نہیں ہوئے۔ اس سے بھی بیس رکعت تراویح ثابت ہیں۔ اگر حضور علیہ السلام سے بیس رکعت پڑھنا ثابت نہ ہوتا تو یہ کبھی بیس رکعت نہ پڑھتے۔ کیونکہ وہ اتباع سنت میں ہم سب سے زیادہ تھے۔

ہاں کہا جاتا ہے کہ اعمش نے عبداللہ بن مسعود کو نہیں پایا۔ اس لیے یہ روایت منقطع ہے۔ میں کہتا ہوں۔ اعمش تابعی ہیں اور تابعی کی منقطع ہمارے نزدیک بلکہ امام مالک کے نزدیک بھی حجت ہے۔ کما مژ۔

پندرہویں حدیث

عطا تابعی کہتے ہیں۔

أَذْرَكْتُ النَّاسَ دَهُمُ يُصَلُّونَ ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ رَكْعَةً بِالْوُتُرِ وَاه

ابن ابی شیبہ۔

کہ میں نے صحابہ کو تیس رکعت تراویح معہ وتر پڑھتے پایا۔ اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

علامہ نبوی نے اس کی سند کو حسن فرمایا اور سند یہ ہے۔

حدثنا ابن نمير عن عبد الملك عن عطا الخ -

اس حدیث کو مروزی نے بھی قیام السیل ص ۹۱ میں ذکر کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا بیس رکعت پر عمل تھا۔ ترمذی جلد اول ص ۹۹ میں ہے

وأكثر أهل العلم على ما روى عن علي وعمر وغيرهما من أصحاب

النبي صلى الله عليه وسلم عِشْرِينَ رَكْعَةً وَهُوَ قَوْلُ سَفِيَّان

الثوری وابن المبارک والشافعی وثالث الشافعی هكذا درکت ببلدنا
مكة يصلون عشرين ركعة -

کہ اکثر اہل علم میں رکعت کے قائل ہیں۔ جیسے کہ حضرت علی و عمر و دیگر صحابہ
سے روایت کیا گیا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ میں نے مکہ میں لوگوں کو بیس
رکعت پڑھتے پایا ہے۔

قال ابن عبد البر وهو قول جمهور العلماء - وبه قال
الكوفيون والشافعي واكثر الفقهاء وهو الصحيح عن ابی
بن كعب من غير خلاف من الصحابة -

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یہی قول ہے جمہور علماء کا اسی کے قائل ہیں کوئی
اور شافعی اور اکثر فقہاء اور یہی صحیح ہے۔ ابی بن کعب سے بغیر خلاف کے صحابہ
سے (یعنی شرح بخاری جلد ۵ صفحہ ۲۵۱)۔

سولہویں حدیث

بیہقی اپنے سنن میں روایت کرتے ہیں۔

اخبرنا ابو ذکریا بن ابی اسحاق ثنا ابو عبد اللہ محمد بن
عبد الوہاب ثنا جعفر بن عون ثنا ابو الخضیب قال کان
يَوْمُنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفْلَةَ فِي رَمَضَانَ يُصَلِّيُ خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ
عِشْرِينَ رَكْعَةً -

ابو الخضیب کہتے ہیں کہ سويد بن غفلة تابعی رمضان شریف میں ہماری
امامت کراتے تھے۔ ہمیں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

سويد بن غفلة جلیل القدر تابعی ہیں بلکہ ابن قانع نے ان کو صحابہ میں ذکر
کیا ہے۔ (تہذیب) مدینہ شریف میں۔ اس روز آئے جس روز حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کو دفن کیا گیا تھا۔ (تقریب) ششم یا سہم ہجری میں آپ فوت

ہوئے۔ ایک سو تیس سال کی عمر پائی خلفا اربعہ کا زمانہ پایا اور ان سے روایت کی۔
(تہذیب)

ایسے جلیل القدر تابعی ہیں رکعت پڑھاتے ہیں، کیا عقل سلیم باور کر سکتی ہے۔
کہ ان کے پاس بیس رکعت کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ ہرگز نہیں۔ اس حدیث کی سند
حسن ہے۔ (آثار السنن تہذیب التہذیب ص ۲۸۷ جلد ۴) اور تذکرہ الحفاظ جلد اول
ص ۱۶ میں سوید کو ابی بن کعب کے شاگردوں سے لکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ
ان کا بیس رکعت پڑھنا ابی بن کعب سے ماخوذ ہے۔

سترھویں حدیث

ابی بن شیبہ مصنف ہیں فرماتے ہیں۔

وکیع عن قافع بن عمر قال کان ابن ابی ملیکہ یصلیٰ بنا فی رمضان
عِشْرَیْن رُكْعَةً۔ (آثار السنن)

قافع بن عمر کہتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ تابعی رمضان شریف میں بیس رکعت
پڑھاتے تھے اس کی سند صحیح ہے۔

یہ ابن ابی ملیکہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں جنہوں نے تیس صحابہ کو دیکھا۔ تہذیب
میں تو ۸ صحابہ کا دیکھنا لکھا ہے۔ اگر صحابہ کرام میں بیس رکعت تراویح کا عام رواج
نہ ہوتا۔ تو یہ تابعی کیوں بیس رکعت پڑھتے۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کے زمانہ میں عموماً بیس
رکعت پڑھی جاتی تھیں۔ اسی طرح تابعیوں کے زمانہ میں بھی بیس رکعت پڑھی گئیں۔
اور یہ بات مسلم ہے کہ یہ لوگ ہم سے زیادہ متبع سنت تھے۔ اگر سنت سے بیس
رکعت کا ثبوت نہ ہوتا تو یہ لوگ ہرگز بیس نہ پڑھتے۔

اٹھارھویں حدیث

عن سعید بن عبید ان علی بن ربیعۃ کان یصلیٰ بہم فی رمضان

خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ وَيُوتِرُ ثَلَاثًا أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ -
 سعید بن عبید کہتے ہیں کہ علی بن ربیعہ تابعی رمضان شریف میں ہیں پانچ ترویجے
 بیس رکعت اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اس کو ابن ابی شیبہ نے فضل بن وکیل سے
 اس نے سعید بن عبید سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

انیسویں حدیث

عن عبد الله بن قيس عن شيتربن شكل انه كان يصلي
 في رمضان عشرين ركعة والوتر اخرج ابو بكر بن ابي شيبة -
 عبد اللہ بن قیس کہتے ہیں کہ شیتربن شکل تابعی رمضان شریف میں ہیں بیس رکعت
 تراویح اور وتر پڑھاتے تھے۔ اس کو ابو بکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

بیسویں حدیث

عن ابی البختری انه كان يصلي خمس ترويحَاتٍ في رمضان ويوتر
 بثلاث اخرج ابن ابي شيبة -
 ابو البختری تابعی رمضان شریف میں پانچ ترویجے (بیس رکعت) پڑھاتے
 اور تین رکعت وتر اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔
 اس کی سند میں کوئی تردید نہیں۔ علامہ نیموی کو ایک راوی خلف میں تردید
 ہے یہ کہتا ہوں یہ خلف بن حوشب کوئی ہیں جو ثقہ ہیں۔ خلاصہ میں شعبہ انکا شاگرد
 لکھا ہے۔

علامہ عینی شرح صحیح بخاری جلد پنجم ص ۳۵ میں فرماتے ہیں۔
 واما القائلون به من التابعين شيتر بن شكل وابن ابي
 مليكة والحارث الهمراني وعطاء بن ابي رباح وابو البختری و
 سعید بن ابی الحسن البصری وعبد الرحمن بن ابی بکر و

عمران العبدی -

یعنی تابعیوں میں سے تیسرے شکل وابن ابی ملیکہ و عمارث ہمدانی و عطاء بن ابی رباح و ابوالنختری و سعید بن ابی الحسن البصری و عبدالرحمن بن ابی بکر و عمران عبدی میں رکعت تراویح کے قائل ہیں۔

مذکورہ بالا دلائل اور سلف صالحین کے معمولات سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام میں بیس رکعت تراویح کا عرف و تعامل تھا۔ عام طور پر سب لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے۔ آٹھ رکعت کا کوئی تعامل نہ تھا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ بیان مذاہب میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ انہوں نے بھی آٹھ رکعت تراویح کسی کا مذہب نقل نہیں کیا۔ چنانچہ ہم پندرہویں حدیث میں ترمذی کا قول نقل کر چکے ہیں معلوم ہوا کہ محدثین کے زمانہ میں بھی آٹھ رکعت تراویح کسی کا مذہب نہ تھا۔ ورنہ امام ترمذی اسے ضرور نقل کرتے۔

ائمہ اربعہ کا مذہب

امام اعظم و امام شافعی مالک و امام احمد رحمہم اللہ ان چاروں اماموں میں سے کسی ایک کا مذہب آٹھ رکعت نہیں ہے۔ یہ لوگ زہد میں تقویٰ میں عمل میں اتباع سنت میں آج کل کے نئے مجتہدوں سے یقیناً زیادہ تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں سے کسی نے اپنا مذہب آٹھ رکعت تراویح تجویز نہیں کیا۔ کیا وہ حدیثیں جو آج ان نئے مجتہدوں کو ملتی ہیں۔ ان کو نہیں ملی تھیں۔ مسلمانو! کچھ تو انصاف کرو۔ کیوں سلف صالحین کے طریق کو چھوڑتے ہو اور اپنا ایک نیا مذہب ایجاد کرتے ہو؟ دیکھو امام شعرائی رحمۃ اللہ میزان ص ۱۵۳ میں فرماتے ہیں۔

من ذلک قال ابی حنیفۃ و الشافعی و احمد ان صلوة التراويح

فی شہر رمضان عشرون رکعة و انہا فی الجماعة افضل مع قول

مالک فی احدی روایات عنہ انہا ستۃ و ثلاثون رکعة۔

کہ امام ابو حنیفہ و احمد و شافعی تراویح بیس رکعت فرماتے ہیں اور جماعت کے ساتھ افضل کہتے ہیں۔ امام مالک ایک روایت میں چھتیس رکعت کہتے ہیں۔ رحمۃ اللہ فی اختلاف الائمہ میں ہے۔

ومن السنن صلوة التراويح فی شہر رمضان عند ابی حنیفہ
والشافعی واحمد وھی عشرون رکعة۔

اس کے آگے فرماتے ہیں کہ امام مالک سے روایت کی گئی ہے کہ تراویح چھتیس رکعت ہے اور امام ابو حنیفہ و احمد و شافعی کے نزدیک بیس رکعت قیام اللیل ص ۹۲ میں ہے۔

رايت الناس يقومون بالمداينة تسعا وثلاثين ركعة قال واجب
إلی عشرون قال وكذا لك يقومون بمكة۔

امام شافعی فرماتے ہیں یہیں نے لوگوں کو مدینہ شریف میں ۳۹ رکعت پڑھتے دیکھا ہے اور مجھے بیس رکعت محبوب ہیں۔ اسی طرح یعنی بیس رکعت مکہ میں پڑھتے ہیں۔

الروض المربع۔ جو فقہ حنبلی کی ایک معتبر کتاب ہے۔ اس کے مصنف نے خطبہ میں لکھا ہے کہ میں امام احمد کے معتبر قول لکھوں گا۔ اس میں لکھا ہے۔

التراويح سنة مؤكدة عشرون ركعة لما روى ابو بكر عبد العزيز
في الشافعي عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يُصَلِّي
في شهر رمضان عشرين ركعة۔

کہ تراویح بیس رکعت سنت مؤکدہ ہے۔ اس واسطے کہ شافعی میں ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

معلوم ہوا کہ امام احمد کے نزدیک بیس رکعت تراویح ہیں۔
یعنی شرح بخاری ص ۵۹۸ ج ۳ میں فرماتے ہیں۔

الثانی ان عددہا عشرون رکعة وبہ قال الشافعی واحمد وتعلہ

القاضی عن جمہور العلماء۔

کہ امام شافعی و احمد کے نزدیک اور جمہور علما کے نزدیک اس کی تعداد بیس رکعت ہے۔

امام مالک کے نزدیک چھتیس رکعت ہے۔ اس میں آپ نے اہل مدینہ کے عمل سے حجت پکڑی ہے۔ علامہ عینی اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اہل مکہ بحجرت و یکہ خامسہ کے ہر چار رکعت کے بعد طواف کعبہ کیا کرتے تھے۔ تو اہل مدینہ نے ان کی مساوات کے لیے ہر چار رکعت کے بعد بجائے طواف چار رکعت زیادہ کیے۔ یہ سولہ رکعتیں طواف کے عوض زیادہ کیے۔ اس لیے چھتیس پڑھتے تھے۔ اصل تراویح امام مالک کے نزدیک بیس رکعت ہیں۔ امام سیوطی نے بھی امام مالک سے چھتیس رکعت نقل کی ہیں اور فرمایا کہ اہل مدینہ نے بجائے طواف چار رکعت مقرر کیں (المصباح) معلوم ہوا کہ جس طرح آٹھ رکعت تراویح صحابہ و تابعین کے معمول کے خلاف ہے۔ اسی طرح چاروں اماموں کے بھی خلاف ہے۔ کسی امام کا مذہب آٹھ رکعت نہیں۔

سوال :- علامہ عینی نے شرح صحیح بخاری اور سیوطی نے مصباح میں بحوالہ ابن جوزی لکھا ہے۔ کہ امام مالک نے اپنے لیے گیارہ رکعت پسند کیں۔

جواب :- علامہ عینی و ابن جوزی نے امام مالک کا زمانہ نہیں پایا۔ اور انہوں نے اس قول کی کوئی سند نہیں لکھی۔ تو ایسا قول جس کی سند نہ ہو۔ مقبر نہیں ہوتا بالخصوص وہ قول جو ان کے مذہب کی کتابوں کے روایات کے خلاف ہو۔ ہدایت المجتہد ص ۱۴۹ ج ۱ میں ہے۔

واختلفوا فی المختار من عدد الركعات التي يقوم بها الناس في رمضان

فاختار مالك في احد قوليه والوحيفة والشافعي واحمد وداود

القيام بعشرين ركعة سوى الوتر وذكر ابن القاسم عن مالك انه كان

یستحسن ستا وثلاثین رکعة والوتر ثلاثا۔

یعنی تراویح میں مختار عدد میں اختلاف ہے۔ ایک قول میں امام مالک ابو حنیفہ، شافعی، احمد، داؤد، ظاہری نے علاوہ وتر کے بیس رکعت پسند کیں۔ ابن تیمیہ نے امام مالک سے روایت کی کہ وہ چھتیس رکعت کو مستحسن جانتے تھے۔

معلوم ہوا کہ پاروں اماموں کا مذہب بیس رکعت تھا۔ اگر کچھ اختلاف تھا تو بیس سے زائد نہیں تھا۔ آٹھ رکعت کسی کا مذہب نہ تھا۔ نہ صحابہ کا نہ تابعین کا نہ ائمہ مجتہدین کا۔

حضرت پیر سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا مذہب

غنیہ ص ۵۶۲ میں تراویح کے باب میں فرماتے ہیں۔

صلوة التراويح سنة النبي صلى الله عليه وسلم۔

کہ نماز تراویح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ پھر ص ۵۶۴ میں فرماتے ہیں۔ دہی عشر و ن رکعة۔ وہ بیس رکعت ہیں۔ یہ وہ پیر صاحب ہیں جن کی کتاب سے سند لے کر آج کل کے بے ادب و ہانی اپنی کم قہمی کے سبب بڑی جرات کے ساتھ حنیفہ کو مرجیہ کہتے ہیں اور پیر صاحب کو امام اور مجتہد مانتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ انہوں نے حنیفہ کو مرجیہ کہا۔ بلکہ بعض گستاخ تو پیر صاحب کے ذمہ بہتان لگاتے ہیں کہ انہوں نے معاذ اللہ امام اعظم رحمۃ اللہ کو مرجیہ کہا۔ آج دیکھئے اسی پیر پر کیا فتویٰ لگاتے ہیں جس نے فرمایا کہ تراویح سنت ہیں۔ اور وہ بیس رکعت ہیں۔ کیا پیر صاحب کو آٹھ رکعت والی حدیث نہیں ملی کیا وہ اتباع سنت ہیں۔ تم سے کم تھے۔ یا حدیث کا مطلب سمجھنے میں تم سے کم علم تھے۔ یا وہ اہل حدیث نہ تھے بتاؤ ان پر کیا فتوے لگاؤ گے؟

امام نووی شارح مسلم اپنی کتاب الاذکار ص ۸۳ میں فرماتے ہیں۔

اعلم ان صلوة التراویح سنة با اتفاق العلماء وهي عشرون
ركعة -

کہ نماز تراویح باتفاق علماء سنت ہے اور وہ بیس رکعت ہے۔
دیکھو امام نووی کس پایہ کے محدث تھے۔ صحیح مسلم کے شارح تھے۔ حضرت
عائشہ کی حدیثوں کو جانتے ہیں۔ پھر بھی بیس رکعت تراویح کی سنیت کے قائل ہوئے
کیا ان کو اتباع سنت کا خیال نہ تھا۔ کیا وہ تم سے کم علم تھے؟

امام غزالی رحمہ اللہ

احیاء العلوم جلد اول ص ۱۳۹ میں فرماتے ہیں۔

الثانية التراویح وهي عشرون ركعة وكيفيةها مشهورة وهي
سنة مؤكدة -

کہ تراویح بیس رکعت سنت موکدہ ہیں۔

پس اگر آٹھ رکعت تراویح کا کوئی ثبوت ہوتا تو حضرت غزالی رحمہ اللہ اس کا
ذکر کرتے۔ بلکہ اس پر عمل ہوتے۔

جمہور اہل اسلام کا اجماع

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ماثبت بالسنة میں فرماتے ہیں۔

والذي اتفقوا الامر عليه واشتھر من الصحابة والتابعين و

من بعدهم اجمعين هو العشرون من الصلوات الاول الى الان -

کہ صدر اول صحابہ کرام سے لے کر آج تک جس پر اتفاق ہو گیا۔ وہ بیس رکعت

ہی ہیں۔

تسلفی شرح بخاری میں کہتے ہیں۔

رجع اليه بقى بينها بانهم كانوا يقومون باحدى عشرة ثم

قاموا بعشرین وادتر واثلاث وقد عادوا ما وقع فی زمن

عمر کا لاجماع -

بہت ہی کہتے ہیں کہ پہلے گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ پھر بیس رکعت اور تین وتر پڑھنے لگے۔ اور جو حضرت عمر کے زمانہ میں واقع ہوا۔ انہوں نے اسے اجماع شمار کیا۔

علامہ عینی نے بھی شرح بخاری میں - و هذا کا لاجماع لکھا ہے -

کشف الغمہ میں ہے - واستقر الامر علی ذالک فی الامصار - کہ بیس رکعت

پر سب شہروں میں عمل مستقر ہو گیا -

یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے حضرت عمر نے گیارہ کا حکم دیا ہو۔ پھر امر منکشف ہو جانے پر بیس رکعت کی تکمیل کر دی ہو۔ یعنی حدیث بست رکعت کے مل جانے پر بیس کا حکم دے دیا ہو۔ علامہ شامی لکھتے ہیں -

هو قول الجمهور وعليه عمل الناس شوقا وغربا -

کہ بیس رکعت جمہور کا قول ہے اور اسی پر مشرق مغرب میں لوگوں کا عمل

ہے -

بیس رکعت کی حکمت

بحر الرائق میں بحوالہ امام حلبی لکھا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ فرض کے لیے سنن مکملات ہیں۔ یعنی فرضوں میں اگر کچھ نقص ہو تو سنتوں سے پورا کیا جائے گا۔ چونکہ فرض جمع وتر بیس رکعت ہیں۔ دو رکعت - فجر چار ظہر - چار عصر تین مغرب - چار عشاء تین وتر - اس لیے تراویح جو کہ سنت ہیں۔ وہ بھی بیس رکعت مقرر ہوئیں تاکہ مکمل اور مکمل میں مساوات ہو۔ اسی طرح درمختار میں لکھا ہے الحمد للہ کہ ہم بیس رکعت کے دلائل سے فارغ ہوئے۔ ان دلائل پر جو اعتراضات منجانب مخالفین کیے گئے ہیں۔ ان کے جوابات نہایت شرح و بسط سے دیے جا چکے ہیں اب ہم آٹھ رکعت والوں کے دلائل کا جواب لکھتے ہیں۔ بعون اللہ تعالیٰ و توفیقہ -

مخالفین کے دلائل اور ان کا جواب

پہلی دلیل آٹھ رکعت تراویح کے ثبوت میں سب سے بڑی دلیل جو پیش کی جاتی ہے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں انہوں نے ابوسلمہ کے جواب میں فرمایا۔

مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي مَعْنَانِ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَ رَكْعَةٍ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطَهْوِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطَهْوِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اتِمَامٌ قَبْلُ أَنْ تَوَدَّ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنِي تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي۔

ابوسلمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ حضور علیہ السلام کی رات کی نماز، رمضان شریف میں کیسی تھی؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے چار رکعت پڑھتے ان کی حُسن و خوبی نہ پوچھو، یعنی بہت عمدگی اور طوالت سے پڑھتے، پھر چار رکعت پڑھتے ان کی عمدگی اور طول بھی قابل سوال نہیں۔ پھر تین رکعت پڑھتے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا آپ وتروں سے پہلے سو جاتے ہیں۔ فرمایا میری آنکھیں سو جاتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔

اس حدیث سے ثابت کیا جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی نماز تراویح آٹھ رکعت تھی۔ آپ آٹھ سے زیادہ نہیں کرتے تھے۔ رمضان ہو یا غیر رمضان۔ اگرچہ ہم پیچھے مفصل ذکر کر چکے ہیں کہ تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ اور اس حدیث میں نماز تہجد کا بیان ہے۔ جو کہ غیر رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے۔ مگر آج ہم ذرا اس حدیث کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ثابت کریں گے کہ اس حدیث سے نماز تراویح کے آٹھ رکعت ہونے پر

استدلال صحیح نہیں۔

پہلا جواب | عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے اور کیفیت میں بیان کیا کہ چار پھر چار اور تین رکعت پڑھتے اور وتروں سے پہلے سو جاتے۔ یہی حدیث صحیح مسلم ص ۲۵۵ میں بروایت یحییٰ عن ابی سلمہ آئی ہے۔

قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّي ثَلَاثَ عَشْرَةَ رُكْعَةً يُصَلِّي ثَمَانِ رُكْعَاتٍ ثُمَّ يوترُ ثُمَّ يُصَلِّي رُكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ فَإِذَا ارَادَ أَنْ يَرْكُعَ قَامَ فَرَكَعَ ثُمَّ يُصَلِّي رُكْعَتَيْنِ بَيْنَ الْبَدَاوِ وَالْأَذْكَاتِ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ -

اس حدیث میں ابوسلمہ کے جواب میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ پہلے آٹھ رکعت پھر وتر پھر دو رکعت بعد وتر بیٹھ کر پھر دو رکعت سنت فجر۔

اس جواب میں اور پہلے جواب میں فرق ہے۔ اس میں گیارہ رکعت اس میں تیرہ اس میں پہلے چار پھر چار۔ اس میں پہلے آٹھ رکعت پھر وتر۔ پھر دو رکعت۔ اگر وتر تین رکعت ہوں تو باقی نماز دس رکعت ہوگی۔ اگر ایک وتر ہو تو بارہ رکعت باقی نماز ہوگی اگر اس حدیث میں تراویح کا بیان ہے تو تراویح دس رکعت یا بارہ رکعت ماننی پڑے گی۔

پھر یہی حدیث صحیح مسلم ص ۲۵۵ میں بروایت یحییٰ آئی ہے کہ ابوسلمہ نے حضرت عائشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا سوال کیا تو حضرت عائشہ نے جواب میں نو رکعت بعد وتر فرمایا۔ اگر پہلی حدیث کے مطابق وتر تین رکعت تھے تو باقی نماز چھ رکعت ہوتی۔

پھر یہی حدیث صحیح مسلم ص ۲۵۵ میں بروایت عبد اللہ بن ابی لبید عن ابی سلمہ

آئی ہے۔

أَتَيْتُ عَالِشَةَ فَقُلْتُ أَيْ أَمِّهِ أَخْبَرِيْنِي عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كَانَتْ صَلَوَتُهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ
وغيرہ ثلاث عشرة رُكْعَةً بِاللَّيْلِ مِنْهَا رُكْعَتَانِ الْفَجْرِ۔

اس روایت میں ابوسلمہ کے جواب میں حضرت عائشہ نے تیرہ رکعت کی نماز جمع
سنت فجر فرمائی۔

ان چاروں حدیثوں کو مسلم اپنی صحیح میں ایک ہی باب میں لایا ہے ان چاروں
میں ابوسلمہ سائل ہے اور حضرت عائشہ جواب دیتی ہیں۔ کسی میں گیارہ رکعت کسی
میں تیرہ کسی میں نو۔ تو اس حدیث سے یہ بھی متعین نہیں ہو سکتا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے گیارہ رکعت پڑھیں یا تیرہ یا نو۔ اور تہجد کی آٹھ رکعت ہے یا چھ رکعت
یا دس یا بارہ اسی واسطے بعض محدثین نے اس حدیث کو مضطرب فرمایا اور حدیث
مضطرب قابل حجت نہیں ہوتی۔

سیف بن اریس بحث حدیث عقیقہ میں اہل حدیث ۹ جون ۱۹۲۲ء میں لکھتے

ہیں۔

”بسا اوقات سند کے تمام راوی ثقہ ہوتے ہیں۔ لیکن متن حدیث
میں اضطراب ہوتا ہے۔ اس صورت میں وہ بھی رتبہ مقبول سے
گر جاتی ہے۔“ انتہی۔

یہ حدیث خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں کے خلاف
دوسرا جواب ہے۔ بخاری ص ۱۵۶ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت

ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ
عَشْرَةَ رُكْعَةً ثُمَّ يُصَلِّي إِذَا سَمِعَ التَّدَاةَ بِالصُّبْحِ رُكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ۔
کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز تیرہ رکعت پڑھتے تھے پھر صبح کی

اذان سنتے تو دو رکعت سنت ہلکی پڑھتے۔

اس حدیث میں علاوہ سنت فجر کے تیرہ رکعت سے جو گیارہ رکعت سے یقیناً زائد ہے۔ اور اس حدیث میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے۔ پھر آپ ہی تیس فرماتے ہیں جو زائد ہیں۔ اسی طرح بخاری ص ۱۵۳ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

كَانَ صَلَاةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يَعْنِي بِاللَّيْلِ۔

کہ حضور علیہ السلام کی رات کی نماز تیرہ رکعت تھی۔ بخاری ص ۱۵۳ میں حضرت عائشہ سے حضور علیہ السلام کی رات کی نماز سات نو گیارہ رکعت آئی ہے۔

مسند احمد جلد ۲ ص ۳۱ میں حضرت عائشہ سے آپ کی نماز و رکعات جمع و تراویح ہے۔ عروہ حضرت عائشہ سے رات کی نماز دس رکعت اور ایک وتر روایت کرتے ہیں۔ (مسند احمد ص ۲۵ جلد ۲) آٹھ رکعت اور پانچ وتر کل تیرہ رکعت بھی حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ (مسند احمد ص ۲۴ ج ۲) آٹھ رکعت ایک قعدہ سے اور نو پر سلام پھر دو رکعت بیٹھ کر بھی آیا ہے۔ (مسند ص ۵۴۔ ۹۷۔ ۱۳۶) گیارہ رکعت ہر دو رکعت پر سلام پھر ایک وتر (مسند جلد ۲ ص ۸۳) آٹھ رکعت ہر دو رکعت پر سلام پھر پانچ وتر ایک سلام سے (مسند ص ۱۶۳ ج ۲) اسی واسطے بعض محدثین نے حضرت عائشہ کی حدیث کو مضطرب فرمایا۔ تو ایسی مضطرب حدیث سے آٹھ رکعت تراویح کا ثبوت نہیں ہو سکتا علامہ ابن حجر عسقلانی و علامہ زرقانی نے اس حدیث کا مضطرب ہونا۔ بعض محدثین سے نقل کیا ہے۔ اگرچہ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہے۔ مگر ہمیں یہ دکھانا منظور ہے۔ کہ اس حدیث کو مضطرب کہنے میں ہم متفق و نہیں ہیں۔ بلکہ متقدّمین میں سے بعض علماء مضطرب فرما چکے ہیں۔ رہی یہ بات کہ ابن حجر نے اضطراب کا جواب دیا ہے ہمیں تو اس جواب میں بھی کلام ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ راوی ایک ہو اور ایک ہی وقت سے سوال ہو تو اضطراب ہو سکتا ہے۔ یہاں اوقات متعددہ اور احوال مختلفہ پر

محمول ہے۔ میں کہتا ہوں حدیث عائشہ میں ایک ہی راوی ابوسلمہ ہے جو سوال کرتا ہے۔ اسی کے جواب میں اختلاف ہے تو اضطراب ثابت ہو گیا۔ اس حدیث کا یہ حال دیکھ کر ابن تیمیہ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ تراویح کی تعداد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اگر حدیث عائشہ دربارہ تراویح ہوتی یا اس میں اضطراب نہ ہوتا تو ابن تیمیہ وغیرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کی تعداد کے عدم ثبوت پر جزم نہ فرماتے۔

تیسرا جواب | اس حدیث کے تمام طرق دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابوسلمہ نے حضور علیہ السلام کی رمضان شریف کی تہجد کا سوال کیا اور اسی کا حضرت عائشہ نے جواب دیا۔ البتہ راویوں میں سے کسی نے لفظ اللیل کو بہ سبب اختصار چھوڑ دیا اور کسی نے لفظ رمضان کو چنانچہ بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں سوال کے یہ لفظ ہیں۔

کیف كانت صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان
اس حدیث میں راوی نے اللیل ذکر نہیں کیا۔ لیکن امام بخاری نے باب میں اللیل کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

باب قيام النبي صلى الله عليه وسلم بالليل في رمضان وغيره۔
اہل علم سے مخفی نہیں کہ امام بخاری ترجمہ میں ایسے الفاظ نقل کرتے ہیں جو احادیث میں دوسری سند سے آتے ہیں۔ دیکھو یہی حدیث مسند احمد ص ۲۷۹ جلد ۲ میں بروایت یحییٰ بن ابی سلمہ آئی ہے۔

قال سالت عائشة عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم بالليل فقالت كان يصلي ثلث عشرة ركعة الحديث۔

اس حدیث میں سوال میں لیل کا لفظ موجود ہے۔ ابوسلمہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے تیرہ رکعت فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ابوسلمہ کا سوال نماز تہجد سے تھا۔ اس

حدیث میں رمضان کا ذکر نہیں اور نیل کا ذکر ہے پہلی حدیث میں رمضان کا ذکر ہے
 نیل کا ذکر نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ راویوں کا اختصار ہے۔ اصل میں سوال صلوٰۃ اللیل
 فی رمضان ہے اور وہ تہجد ہے۔ پس یہ حدیث تراویح کے ثبوت میں پیش نہیں
 ہو سکتی۔“

حدیث میں رمضان اور غیر رمضان کی تصریح ہے اور ظاہر ہے کہ
چوتھا جواب غیر رمضان میں تراویح نہیں۔ تہجد ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث تہجد
 کے بارہ میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سوال اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُتْرَكَ اَب
پانچواں جواب وتروں سے پہلے سو جاتے ہیں؛ اور آپ کا یہ جواب کہ میری
 آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ اس بات پر دلیل ہے کہ یہ سوال و جواب اس
 نماز کے بارہ میں ہیں۔ جو سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جاتی ہے اور وہ تہجد ہے شاہ عبدالعزیز
 محدث دہلوی نے فتاویٰ عزیزی میں بھی یہی لکھا ہے۔

”ظاہر است کہ نوم قبل از وتر در نماز تہجد مقصور ہے شوونہ در غیر آں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس میں ماکان یزید فی رمضان آیا ہے۔
چھٹا جواب اس کے راوی امام مالک ہیں۔ اگر یہ حدیث تراویح کے بارہ میں ہوتی
 تو امام مالک رضی اللہ عنہ اپنا مذہب آٹھ رکعت تراویح قرار دیتے اور ہم چھ لکھ
 آئے ہیں۔ کہ امام مالک کا مذہب آٹھ رکعت نہیں قیام اللیل ص ۱۹۲ اور مدونہ مالک
 میں ہے۔

قال مالک بعث الی الامیر و اراد ان ینقص من قیام رمضان الذی
 کان یقومہ الناس بالمداینۃ دہوست و ثلاثون رکعة قال
 مالک فتہیتہ ان ینقص من ذالک شیئا و قلت لہ هذا ما
 ادرکت الناس علیہ و هذا الامر القدیم الذی لم یزل الناس
 علیہ۔

امام مالک کہتے ہیں کہ حاکم شہر نے میری طرف آدمی بھیجا کہ مدینہ میں جو لوگ چھتیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں یہ کم کر دی جائیں۔ امام مالک فرماتے ہیں۔ میں نے منع کیا کہ اس سے کم ہرگز نہ کی جائیں اور کہا کہ اسی پر ہم نے لوگوں کو پایا ہے۔ اور یہی امر قدیم ہے جس پر ہمیشہ لوگ قائم ہیں۔

ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ اصل تراویح امام مالک کے نزدیک بھی بیس رکعت ہے اور سولہ رکعت عوض طواف زائد ہے۔ لیکن امام مالک جو حدیث عائشہ کے راوی ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان کو یہ حدیث ملی۔ پھر بھی تراویح کی تعداد چھتیس سے کم نہ ہونے دی۔ اگر یہ حدیث دربارہ تراویح ہوتی تو آپ آٹھ رکعت تراویح اپنا مذہب ٹھہراتے اور ضرور حاکم شہر کے حکم کی تعمیل کر کے چھتیس رکعت سے کم کر کے آٹھ رکعت مقرر کرتے تاکہ سنت نبوی کا احیاء ہو جاتا اور کم وقت بھی خوش ہو جاتا معلوم ہوا کہ یہ حدیث امام مالک کے نزدیک بھی تہجد کے بارہ میں ہے۔

اس حدیث کو ابوسلمہ سے چار شخص روایت کرتے ہیں۔ سعید ساتواں جواب | مقبری، یحییٰ بن ابی کثیر، محمد، عبداللہ بن ابی بعبید۔ لیکن بجز سعید کے ابوسلمہ کے سوال میں رمضان کا لفظ کوئی بھی روایت نہیں کرتا مولوی ابراہیم سیالکوٹی رسالہ نظام الکلام میں لکھتے ہیں۔ اصطلاح محدثین میں شذوذ یہ ہے کہ کوئی ثقہ راوی کسی روایت میں ایک جماعت حفاظ کا خلاف کرے۔ حالانکہ استاد سب کا ایک ہی ہو خواہ وہ خلاف سند میں ہو۔ خواہ متن میں خواہ کسی لفظ کے زیادہ کرنے میں انتہی۔ (دیکھو الحمد للہ ۹ نومبر ۱۹۲۳ء) مولوی ابراہیم کے اس قول کے مطابق لفظ رمضان اس حدیث میں شاذ ہے جس کو بجز سعید دوسرا روایت نہیں کرتا تاہم سب روایات کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حنور علیہ السلام کی تہجد کا سوال تھا۔ کہ رمضان میں کچھ زیادہ تو نہ تھی جس کا جواب ام المومنین نے یہ دیا کہ آپ کی تہجد رمضان اور غیر رمضان میں برابر تھی۔

آٹھواں جواب | ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرہ سے سنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے قیام رمضان کا ثواب فرمایا ہے تو خیال گزرا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف کی تہجد میں بھی کچھ اضافہ کرتے ہوں گے۔ اس لیے حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ رمضان شریف میں حضور کی تہجد کی نماز کیسی تھی؟ انہوں نے جواب دیا۔ ماکان یزید..... الی آخرہ۔

یہ حدیث امام احمد نے مسند میں بھی روایت کی۔ پھر بھی آپ کا مذہب تواں جواب | اتر رکعت تراویح نہیں۔ اگر یہ حدیث تراویح کے بارہ میں ہوتی تو امام احمد کیوں فرماتے؟

روی فی هذا الوان لعلی فیہ لبشی (ترمذی)

یعنی اس بارہ میں مختلف روایات آئی ہیں۔ کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔

ہم سچے لکھ آئے ہیں کہ امام احمد کا مذہب بھی بیس رکعت ہے تو معلوم ہوا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا امام احمد کے نزدیک بھی تراویح کے بارہ میں نہیں۔ بعض روایات میں تعداد رکعات میں فجر کی دو سنتوں کو بھی شمار کیا دسواں جواب | کیا ہے چنانچہ صحیح مسلم کی وہ حدیث جو عبد اللہ بن ابی لبید نے ابو سلمہ سے اس نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے۔ اس میں فجر کی سنتوں کا ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث تہجد کے بارہ میں ہے۔ کیونکہ تہجد کے بعد جلدی صبح ہو جاتی ہے اور صبح کے بعد دو رکعت سنت فجر بھی شمار کی گئی۔ ورنہ تراویح جو کہ اول شب میں قبل از نوم پڑھی جاتی تھیں ان کے ساتھ سنت فجر کا شمار کوئی معنی نہیں رکھتا۔

گیارہواں جواب | حافظ ابن حجر فتح الباری ص ۶ ج ۴ میں فرماتے ہیں۔

دسیاتی بعد خمسة ابواب من رواية ابی سلمة عنہا ان ذالک

کان اکثر ما یصلیہ فی اللیل ولفظہ ما کان یزید فی رمضان

ولا فی غیرہ علی احدى عشر رکعة۔

یعنی حدیث عائشہ میں حضور علیہ السلام کی رات کی نماز تہجد کا اکثری عمل بیان

ہوا ہے۔ ابن حجر کی اس تصریح سے بھی معلوم ہوا کہ یہ حدیث تہجد کے بارہ میں ہے۔
تو اس کو تراویح کی تعداد کے لیے پیش کرنا صحیح نہیں۔ اور یہ عذر کہ تراویح و تہجد ایک
ہی ہے۔ اس کا جواب ہم مفصل لکھ آئے ہیں۔ فلا نبیذاہ۔

اس حدیث ابوسلمہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو سوال
بارہ سوال جواب ہے اس کے الفاظ ہیں۔ کیف کانت صلوۃ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم فی رمضان۔ کہ حضور علیہ وسلم کی رمضان میں نماز کیسی تھی۔ ظاہر
ہے کہ یہ سوال نماز پنجگانہ کے متعلق نہیں تھا۔ ضرور کوئی اور نماز تھی جس کی بابت
ابوسلمہ کو حضرت عائشہ سے دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ
نماز تراویح جو کہ حضور علیہ السلام نے تین روز مسجد میں پڑھی اس میں بکثرت صحابہ
موجود تھے۔ اگر ابوسلمہ اس نماز کی کیفیت پوچھتے تو کسی صحابی سے پوچھتے۔ جس نے
ان دنوں میں حضور کے ساتھ نماز ادا کی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کرنا بجز
اس کے اور کوئی وجہ نہیں رکھتا کہ وہ نماز تہجد سے پوچھنا چاہتے تھے اور حضرت عائشہ
بہ نسبت رجال صحابہ کے نماز تہجد کی زیادہ واقف تھیں۔ اس لیے ابوسلمہ کو ان سے
تہجد کی کیفیت دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی تو یہ حدیث نماز تراویح کے عدد
کے لیے دلیل نہیں ہو سکتی۔ فللہ الحد۔

سوال ۱۔ اس حدیث کو امام محمد نے مؤطا میں باب قیام شہر رمضان میں ذکر
کیا ہے اور عبدالحی نے حاشیہ میں اس کے معنی تراویح کیے ہیں جس سے معلوم ہوتا
ہے کہ یہ حدیث تراویح کے بارہ میں ہے۔

جواب ۱۔ قیام رمضان جیسے نماز تراویح سے حاصل ہوتا ہے۔ نماز تہجد سے
بھی حاصل ہوتا ہے۔ رمضان شریف کی تہجد پر بھی قیام رمضان بولا جاسکتا ہے۔
عبدالحی حاشیہ مؤطا ص ۱۳۹ میں زیر حدیث کان یرغب الناس فی قیام رمضان
لکھتے ہیں۔

ای صلوۃ التراویح قالہ النووی وقال غیرہ بل مطلق الصلوۃ

الحاصل بہا قیام اللیل۔

علامہ زرقانی اتنا اور زیادہ کرتے ہیں۔

کا التہجد سر او اغرب الکرمانی فی قوله الفقوان المراد
بقیام رمضان صلوة التراويح۔

یعنی نووی کہتا ہے کہ مراد قیام رمضان سے نماز تراویح ہے اور نووی کے سوا
دوسرے کہتے ہیں کہ مطلق نماز مراد ہے جس سے قیام اللیل حاصل ہو (خواہ وہ نماز
تراویح ہو یا تہجد)۔

پس چونکہ رمضان شریف کی تہجد پر بھی قیام رمضان بولا جاتا ہے۔ اس لیے امام
محمد نے قیام رمضان کے باب میں تہجد کی حدیث کو ذکر کر دیا۔ واللہ اعلم
نوٹ ۱۔ آٹھ رکعت تراویح پر زور دینے والوں کی مایہ ناز حدیث یہی تھی۔ جس کے
مفصل جواب سے بفضلہ تعالیٰ ہم فارغ ہو چکے ہیں۔ اب ان کی دوسری دلیل سنئے۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ جس کو محمد بن نصر نے قیام اللیل میں روایت
دوسری دلیل کیا۔ علامہ ذہبی نے بھی میزان میں نقل کیا ہے۔

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ لَيْلَةً ثِنْتَانِ
رُكْعَاتٍ وَالْوُتْرَ فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْقَابِلَةِ اجْتَمَعْنَا فِي الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا
أَنْ يُخْرِجَ إِلَيْنَا فَلَمْ نَزَلْ فِيهِ حَتَّى أَصْبَحْنَا قَالَ إِنِّي كَرِهْتُ وَخَشِيتُ
أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمُ الْوُتْرُ

جابر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں ایک رات
آٹھ رکعت نماز اور وتر پڑھے۔ پھر جب اگلی رات آئی تو ہم مسجد میں جمع ہوئے ہم
اسی امید میں رہے کہ حضور تشریف لائیں گے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ مگر آپ نہ
آئے فرمایا کہ میں ڈر گیا کہ تم پر وتر فرض نہ کر دیے جائیں۔

یہ حدیث غیر مقلدین کی انتہائی دلیل ہے۔ کہتے ہیں کہ اس میں انہی راتوں کا
ذکر ہے جن میں حضور علیہ السلام نے تراویح پڑھائی اور اس میں آٹھ رکعت کی تصریح

ہے۔ معلوم ہوا کہ تراویح آٹھ رکعت ہی سنت ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث تراویح کے بارہ میں نہیں ہے۔ بلکہ وتروں کے بارہ میں ہے۔ کیونکہ حدیث میں خاص تصریح ہے خشیت ان یکتب علیکم الوتر۔ کہ میں تم پر وتروں کے فرض ہونے سے ڈر گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ کوئی دوسرا واقعہ ہے جس میں حضور نے وتروں کی جماعت کرائی۔ پھر دوسری رات کو بہ سبب خوف افتراض وتر نہ نکلے نماز تراویح تو آپ نے تین رات جماعت کرائی پھر چوتھی رات کو نہ نکلے اور اس حدیث میں ایک رات جماعت کرنا۔ پھر دوسری رات نہ نکلنا۔ مروی ہے معلوم ہوا کہ یہ کوئی اور واقعہ ہے۔ اس لیے تراویح کے ثبوت میں اس حدیث کو پیش کرنا صحیح نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ اگر یہ قصہ ایک ہو تو احتمال ہے کہ جابر دوسری رات آیا ہو۔ اس وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ پہلے قصہ ایک ثابت ہو جائے اور وہ ثابت نہیں بلکہ اس کے اس لکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو قصہ کے ایک ہونے کا یقین نہیں۔ اس لیے تسکیم بیان کرتے ہیں جب یہ قصہ ایک ثابت نہیں تو یہ حدیث دربارہ تراویح نہ ہوئی۔ تو اس سے تراویح کی تعداد کے لیے استدلال نہیں۔

(۲) علاوہ اس کے یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ طبرانی معجم صغیر میں اس حدیث کے اخیر میں فرماتے ہیں۔ لا یردنی عن جابر بن عبد اللہ الا بهذا الاسناد۔ کہ جابر بن عبد اللہ سے یہ حدیث اسی سند کے ساتھ روایت کی گئی ہے۔ اس کی اور کوئی سند نہیں۔ اب طبرانی کی سند سنو۔

حد ثنا عثمان بن عبید اللہ الطلعی الکونی ثنا جعفر بن حمید
ثنا یعقوب بن عبد اللہ القمی عن عیسیٰ بن جاریۃ عن جابر بن
عبد اللہ قال قال صلی بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان
میزان الاعتدال میں ذہبی نے بھی یہی سند لکھی ہے۔ قیام اللیل میں بھی یہی

سند ہے۔

اس حدیث میں عیسیٰ بن جاریہ ہے جس پر حدیث کا مدار ہے۔
ابن معین کہتا ہے۔ عندہ مناکیہ۔ کہ اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں۔
نسائی اس کو منکر الحدیث اور متروک کہتا ہے۔
ابوداؤد بھی منکر الحدیث کہتے ہیں۔
ساجی اور عقیلی نے اس کو ضعیف میں لکھا ہے۔
ابن عدی فرماتے ہیں۔ احادیثہ غیر محفوظہ۔ کہ اس کی حدیثیں محفوظ
نہیں۔ (میزان و تہذیب التہذیب)
تقریب میں فیہ لین لکھا ہے۔
دوسرا راوی یعقوب قمی ہے جس کو میزان میں بحوالہ دارقطنی لیس بالقوی لکھا
ہے کہ یہ قوی نہیں۔

تقریب میں صدوق بہم لکھا ہے۔
قیام اللیل کی روایت میں محمد بن حمید رازی بھی ہیں جس کو تقریب میں ضعیف لکھا
ہے۔

یعقوب بن شیبہ اس کو کثیر المناکیہ۔
اور بخاری فیہ نظر فرماتے ہیں۔
ابوزرعہ اس کو کاذب کہتا ہے (میزان)
اور بیہقی اپنے سنن میں کہتے ہیں کہ قوی نہیں۔
امام بخاری جس کو فیہ نظر فرمائیں وہ متہم و اہی متروک الحدیث ہوتا ہے۔
(الرفع والتکمیل ص ۲۸)

اب ناظرین خود انصاف فرمادیں کہ جس حدیث کے راویوں کا یہ حال ہو وہ
بھی قابل حجت ہو سکتی ہے۔ بہ گز نہیں۔

(۳۱) تعداد رکعت کے ذکر میں عیسیٰ بن جاریہ منفرد ہیں۔ یعنی ان راتوں کی نماز میں کسی

ثقة کی روایت میں تعداد منقول نہیں۔ صرف عیسیٰ بن جاریہ روایت کرتے ہیں۔ اور وہ
ثقة نہیں اس لیے ان کی یہ زیادت مقبول نہیں اور ہم مولوی ابراہیم سیالکوٹی کے رسالہ
نظام الکلام سے ثابت کر آئے ہیں۔ کہ ثقة بھی کوئی لفظ اپنے استادوں سے زیادہ کرے
تو وہ روایت شاذ ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ کہ ایک ضعیف راوی کوئی لفظ زیادہ کرے۔
اس کی وہ زیادت بالاتفاق مقبول نہیں ہوتی۔

محدثین تصریح کرتے ہیں کہ کسی حدیث میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح
کی تعداد ثابت نہیں۔ چنانچہ سیوطی رحمۃ اللہ مصباح میں فرماتے ہیں۔
انما صلی لیالی لہ۔ ینا کر عدا رہا۔

کہ حضور نے جو نماز چند راتیں پڑھی۔ اس کا عدد مذکور نہیں۔ پھر آگے فرماتے
ہیں۔

لو ثبت عدد ہا بالنص لم تجز الزیادة علیہ لاهل المداينة۔
اگر اس کی تعداد نص سے ثابت ہوتی تو اہل مدینہ کو اس پر زیادہ کرنا جائز نہ ہوتا
اسی طرح ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ ابن تیمیہ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے اگر حدیث
جابر صحیح ہوتی یا دوبارہ تراویح ہوتی تو محدثین ایسا کیوں لکھتے معلوم ہوا کہ یہ حدیث
صحیح نہیں ہے۔

سوال :- ذہبی نے میزان میں اس حدیث کی سند کو وسط فرمایا ہے یعنی درمیان
ہے۔ پھر آپ ضعیف کیوں کہتے ہیں؟

جواب :- ہم اس حدیث کا حال محدثین سے نقل کر چکے ہیں۔ پھر آپ ہی انصاف
کریں کہ جس حدیث میں عیسیٰ بن جاریہ سا شخص منکر الحدیث اور متروک ہو اس کی سند
وسط کیسے ہو سکتی ہے۔ ہم ذہبی کی رائے کے مقلد نہیں ہیں کہ ایسے مجروح راویوں
کی سند کو وسط مان لیں۔ علاوہ اس کے ذہبی اس کی سند کو نہ صحیح کہتا ہے نہ حسن بلکہ
وسط کہتا ہے اور وسط کا قابل حجت ہونا ثابت کرنا چاہیے۔

سوال :- حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ میں جو حدیث

فتح الباری میں لایا ہوں وہ صحیح یا حسن ہوگی۔ تو حدیث جابر فتح الباری میں موجود ہے۔
اس لیے یہ حدیث صحیح یا حسن ضرور ہوگی۔

جواب ۱:- ہماری تحقیق میں یہ حدیث ضعیف ہے، حافظ ابن حجر نے تو تعریف صحیح یا حسن کی شرح میں کی ہے۔ وہ تعریف اس حدیث پر صادق نہیں آتی۔ اس لیے یہ حدیث نہ صحیح ہے نہ حسن بلکہ ضعیف ہے، اگر حافظ ابن حجر کا یہ قول صحیح ہے، تو پھر حدیث یزید بن رومان جس کو امام مالک نے روایت کیا ہے۔ وہ بھی فتح الباری میں موجود ہے۔ اس کو کیوں منقطع کہا جاتا ہے۔ کیوں نہیں حسن یا صحیح مانا جاتا اسی طرح حدیث یزید بن خنیفہ عن السائب اور حدیث محمد بن یوسف عن السائب دربارہ میں رکعت تراویح فتح الباری میں موجود ہے۔ پھر کیوں ان کو حسن یا صحیح نہیں مانا جاتا۔ فضا ہو جواب کو عن قول ابن حجر فہو جوابنا۔

تیسری دلیل | مؤطا امام مالک میں سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب و تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم فرمایا۔
میں کہتا ہوں کہ یہ روایت شاذ ہے اور مضطرب وجہ اضطراب یہ ہے کہ سائب سے تین شخص روایت کرتے ہیں، محمد بن یوسف و یزید بن خنیفہ و عمار بن ابی ذباب۔ محمد بن یوسف سے پانچ شخص روایت کرتے ہیں۔ امام مالک و عبد العزیز بن محمد، محمد بن اسحاق، یحییٰ بن سعید و اوہب بن قیس محمد بن یوسف سے بیس رکعت روایت کرتا ہے۔ دیکھو حدیث ۱۹ امام مالک اور یحییٰ اور عبد العزیز گیارہ رکعت محمد بن اسحاق تیرہ رکعت۔ لیکن امر حضرت عمر بجز مالک اور کوئی شاگرد محمد بن یوسف کا روایت نہیں کرتا اور یزید بن خنیفہ سے تین شخص روایت کرتے ہیں۔ ابن ابی ذباب و محمد بن جعفر دیکھو حدیث ۱ و ۲ و ۳ امام مالک دیکھو حدیث ۴ کا ضمن اور یہ تینوں بالاتفاق یزید بن خنیفہ سے بیس رکعت روایت کرتے ہیں اگر اس اضطراب کے رفع کے لیے ترجیح دی جائے تو یزید بن خنیفہ کی روایت کو دی جائے گی۔ کیونکہ اس کے تینوں شاگرد بیس رکعت پر متفق ہیں اور محمد بن یوسف کے شاگرد مختلف ہیں۔ ان میں بھی ایک

نے بیس رکعت روایت کی ہے اور اس کی تائید ان دو اثروں سے بھی ہوتی ہے۔ جس کو یزید بن رومان اور یحییٰ بن سعید نے روایت کیا ہے۔ ابن عبد البر نے بھی محمد بن یوسف کی اس روایت کو تصحیح کہا ہے۔ دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ حازمی نے نسخ منسوخ میں لکھا ہے کہ جس روایت سے صحابہ پر کوئی الزام آتا ہو اس کو مرجوع اور جس سے الزام نہ آتا ہو۔ اس کو راجح قرار دیا جائے گا تو گیارہ رکعت کی حدیث کو ترجیح دینے سے بیس پڑھنے والے صحابہ پر مخالفت امیر کا الزام لازم آتا ہے اس لیے بیس رکعت والی کو ترجیح ہوگی۔ جس میں کوئی الزام نہیں اگر ترجیح نہ دی جائے تو سہتی کے قول موافق جمع کی جائے گی۔ ورنہ حدیث کو مضطرب ماننا پڑے گا اور شاذ کی وجہ یہ ہے کہ گیارہ رکعت کے اس فرمانے میں امام مالک منقول ہیں ان کے سوا کسی نے حضرت عمر کے گیارہ رکعت اس فرمانے کو روایت نہیں کیا۔ یہ امام مالک کا وہم ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اس حدیث کو سائب بن یزید سے تین شخص روایت کرتے ہیں۔ محمد بن یوسف یزید بن خنیفہ اور حارث بن ابی ذباب یزید بن خنیفہ اور حارث بیس رکعت روایت کرتے ہیں۔ دیکھو حدیث ۸۱۲۱ محمد بن یوسف بھی ایک روایت میں بیس رکعت روایت کرتے ہیں۔ دیکھو حدیث ۹۰۹۰ غرض کہ سائب بن یزید سے اس کے تینوں شاگرد محمد بن یوسف و یزید بن خنیفہ و حارث بیس رکعت تراویح بالاتفاق روایت کرتے ہیں۔ صرف ایک روایت میں محمد بن یوسف گیارہ کا امر روایت کرتے ہیں جو سائب کے دوسرے شاگردوں کے خلاف بلکہ خود محمد بن یوسف کی اپنی روایت کے بھی خلاف ہے اس لیے اس روایت میں دوہم کا یقین غالب ہے۔ اسی بناء پر ابن عبد البر نے اس روایت میں گیارہ رکعت کو دوہم فرمایا۔ جیسے کہ علامہ زرقانی نے شرح موطا میں نقل کیا ہے۔

قال ابن عبد البر روی غیر مالک فی هذا الحدیث احد وعشرون

وهو الصحيح ولا أعلم احدا قال فيه احدى عشرة الا مالكا و

يحتمل ان يكون ذلك ادلائم خفف عنهم طول القيام وقلهم

الی احدی وعشرین الا ان الاغلب عنہای ان قولہ احدی
عشرة وهم - انتہی -

ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں (یعنی حدیث امر عمر میں) مالک
کے سوا دوسروں نے اکیس رکعت روایت کی ہیں اور یہی صحیح ہے میں نہیں جانتا
کہ کسی نے اس حدیث میں بجز مالک کے گیارہ رکعت کہا ہو۔ احتمال ہے کہ پہلے
پونچھ طول قیام سے تخفیف کر کے اکیس رکعت کر دی ہوں۔ مگر میرے نزدیک اغلب
یہ ہے کہ گیارہ رکعت کا قول وہم ہے۔

میں کہتا ہوں۔ ابن عبد البر نے نہایت صحیح فرمایا۔ حضرت عمر کے گیارہ رکعت
امر کرنے میں امام مالک کا کوئی متابع نہیں۔ سیوطی نے جو سعید بن منصور کی روایت
میں عبد العزیز بن محمد کو متابع لکھا ہے اور آثار السنن میں یحییٰ بن سعید قطان کو یہ
دونوں حضرت عمر کا امر بیان نہیں کرتے جس سے معلوم ہوا کہ امر بیان کرنے میں
امام مالک منفرد ہیں۔ اگر کسی میں ہمت ہے تو حضرت عمر کے امر کا کوئی متابع قوی
دکھائے۔ ورنہ خطر القتل۔ اب مولوی ابراہیم سیالکوٹی کا فیصلہ سنو جو انہوں
نے رسالہ نظام الکلام میں لکھا ہے کہ ثقہ راوی کسی روایت میں اپنے ہم استادوں کا
خلاف کرے۔ خواہ کسی لفظ کے زیادہ کرنے میں یا کم کرنے میں وہ روایت شاذ
ہوتی ہے اور حدیث صحیح کے لیے ضروری ہے کہ وہ شد و ذسے مترا ہو۔ (المحدیث
۹ نومبر ۱۹۲۳ء) معلوم ہوا کہ امر حضرت عمر کا بجز امام مالک کسی نے روایت نہیں
کیا۔ لہذا یہ روایت شاذ ہوئی جو ضعیف ہوتی ہے۔

سوال - کیا امام مالک سے وہم ہو سکتا ہے؟

جواب :- ہاں آخر بشر میں اور مقتضائے بشریت سے کون خالی ہے۔

مولانا عبدالحی الرفیع والتکمیل ص ۱۹ میں فرماتے ہیں۔

قال الذہبی فی میزانہ فی ترجمة هشام بن عروة لا عبادة

بما قالہ ابو الحسن النقطان من انه وسهیل بن ابی صالح اختلطا

وتغير النعم الرجل تخير قليلا ولو يبق حفظه كهو في حال
الشباب فمسي بعض محفوظه اودهم فكان ماذا هو معصوم
من النسيان. ومثل هذا يقع لهالك ولشعبه ولو كيع والكبار
الثقات -

دہی میزان میں ہشام بن عروہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔ ہاں اسے تھوڑا
تغیر ہو گیا تھا اور اس کا حفظ ایسا نہ رہا جیسا کہ زمانہ جوانی میں تھا تو بعض محفوظات
کو بھول گیا یا اسے وہم ہو گیا تو اس میں کیا ہے کہ وہ نسیان سے معصوم ہے۔
ایسا تو مالک اور شعبہ اور وکیع اور بڑے اکابر ثقات میں بھی پایا جاتا ہے۔
مولوی ابراہیم یا لکھنوی نظام الکلام میں لکھتے ہیں کہ وہم بعض وقت بڑے لوگوں
کو بھی لگ جاتا ہے۔ دیکھو نظام الکلام مندرجہ اہل حدیث ۳۰ نومبر ۱۹۲۲ء الحاصل
یہ حدیث تفروثقہ کی بناء پر شاذ ہے یا بقول ابن عبد البر وہم ہے بہر صورت
قابل حجت نہیں۔ اس حدیث میں ابن اسحاق تیرہ رکعت روایت کرتا ہے۔
لیکن ابن اسحاق حالت الفرد میں حجت نہیں۔ علاوہ اس کے تیرہ رکعت میں
اگر ایک رکعت وتر مانا جائے جیسا کہ غیر مقلدین کا مذہب ہے تو نماز تراویح بارہ
رکعت سنت ماننا پڑے گا۔ ورنہ دس رکعت تو عرف آٹھ رکعت سنت کہنے والوں
کا دعویٰ غلط ہو جائے گا۔

علاوہ اس کے اس حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ ابی بن کعب کتنی رکعتیں پڑھتے
تھے یہ ذکر تو ہے کہ حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعت کا حکم دیا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ابی بن
کعب اس حکم کی تعمیل کس طرح کرتے تھے ہم حدیث ۱۷، ۱۸ میں مفصل لکھ آئے
ہیں کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیس رکعت پڑھتے تھے۔ اگر حضرت عمرؓ نے انہیں
گیارہ رکعت کا حکم دیا تو وہ بیس کیوں پڑھتے رہے۔ انہوں نے امیر المومنین کے
حکم خلاف کیوں کیا اور امیر المومنین کیوں خاموش رہے۔

سوال :- اس لیے خاموش رہے کہ بیس رکعت پڑھنا منع نہیں تھا؟

جواب :- تمہارے نزدیک حضور علیہ السلام سے بیس رکعت ثابت نہیں اور جو امر حضور سے ثابت نہ ہو وہ آپ کے نزدیک بدعت و ناجائز ہوتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ تراویح بیس رکعت بدعت و ناجائز نہ ہو۔ پھر بدعت پر حضرت عمر کیوں خاموش رہے خصوصاً جب کہ بیس رکعت پڑھنا حضور کی سنت اور حضرت عمر کے امر کے خلاف ہو۔ اس کی وجہ سوائے اس کے نہیں یا تو حضرت عمر کا گیارہ رکعت کا امر فرمانا صحیح نہیں راوی کا دہم ہے یا ثنا ذہبی یا حضور علیہ السلام سے بیس رکعت پڑھنے کا انہیں علم حاصل تھا جس کی وجہ سے انہوں نے خلیفہ کے حکم کی پرواہ نہیں کی۔ اگر ابی بن کعب کا گیارہ رکعت پڑھنا ثابت بھی ہو جائے تو بھی آخر الامر میں بیس رکعت ہی ہے جس پر اجماع منعقد ہو گیا۔ جیسے کہ بیہقی و سیوطی نے لکھا ہے۔

جواب دیگر :- اس حدیث کو امام شافعی نے بھی امام مالک سے روایت کیا پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو امام شافعی اپنا مذہب بیس رکعت کیوں قرار دیتے۔ وہ بھی حضرت عمر کے حکم کے مطابق گیارہ رکعت ہی مذہب رکھتے معلوم ہوا کہ امام شافعی کے نزدیک بھی یہ حدیث قابل حجت نہ تھی۔

جواب دیگر :- اس حدیث کو امام مالک نے روایت کیا۔ پھر بھی اپنا مذہب آٹھ رکعت نہیں رکھا۔ معلوم ہوا کہ ان کو بیس رکعت والی روایت

جو انہوں نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی ہے۔ اس پر اعتماد ہوتا تو آٹھ رکعت نقل کرتے ہیں اس کا جواب ہم لکھ آئے ہیں کہ غلط اور بے سند ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ما کان یزیدانی رمضان الح۔ امام مالک ہی روایت کرتے ہیں۔ پھر حضرت عمر کا گیارہ رکعت کا امر بھی امام مالک ہی روایت کرتے ہیں۔ اپنا عمل بیس رکعت والی روایت پر رکھتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ امام مالک کے نزدیک تراویح کے متعلق یہی روایت بیس رکعت والی صحیح ہے۔ علاوہ اس کے حضرت عمر کا حکم ایک صحابی کا قول ہے اور مخالفین مانتے ہیں

کہ صحابہ کا قول فعل حجت نہیں تو ان کے اپنے مانے ہوئے اصول کے مطابق بھی یہ حدیث حجت نہ ہوئی کیونکہ صحابی کا قول ہے۔

اگر اپنے اس اصول کو چھوڑ کر صحابی کے قول فعل کو حجت مان لیں تو بیس رکعت کا حکم بھی حضرت عمر سے ثابت ہے۔ کہا مگر۔ اور بیس رکعت تراویح پڑھنا دوسرے صحابہ سے ثابت ہے اس لیے ان کو بھی حجت مان لینا چاہیے۔ فانہم فانہ من مزلۃ الاقدام

چوتھی دلیل | عن جابر جالبی بن کعب الخ حضرت جابر روایت ہے کہ نبی بن کعب مکر دو عالم صل اللہ علیہ وسلم کے پاس رمضان میں آئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ رات کو ایک بات ہو گئی کہ میرے گھرانے کی عورتوں نے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھتیں تم ہمیں نماز پڑھاؤ۔ ہم تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گی۔ تو میں نے آٹھ رکعت اور دس پڑھاؤ۔ آنحضرت نے سن کر سکوت فرمایا۔ (قیام اللیل ص ۹)

میں کہتا ہوں اس حدیث کی سند وہی ہے جس میں محمد بن حمید رازی اور یعقوب قمی اور عیسیٰ بن جاریہ ہیں۔ دیکھو عون المعبود وحاشیہ البوداؤد اور ان تینوں کا حال ہم پیچھے لکھ آئے ہیں۔ کہ محمد بن حمید اور عیسیٰ بن جاریہ ضعیف ہیں اور دارقطنی نے یعقوب قمی کو بھی کہا ہے کہ قوی نہیں۔ پس یہ حدیث بھی ضعیف ہوئی۔ واللہ الحمد۔

سوال :- ابن ہمام جو کہ حنفی مذہب میں بڑے پایہ کے عالم ہیں وہ آٹھ رکعت تراویح کو سنت اور بیس رکعت کو مستحب کہتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟
جواب :- ابن ہمام کا یہ قول جمہور علماء حنفیہ کے خلاف ہے۔ بلکہ ان کے اپنے قول کے بھی خلاف ہے۔ بلکہ احادیث و آثار کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے قابلِ عمل نہیں۔

سوال :- ثابت بالنسۃ میں شیخ عبدالحق نے بعض سلف سے نقل کیا ہے۔ کہ وہ عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔

جواب: شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے اس کی کوئی سند نہیں لکھی تاکہ صحت یا ضعف معلوم ہو۔ بلکہ اس کو بصیغہ تمراض لکھا ہے۔ جو ضعف پر دال ہے علاوہ اس کے اس بعض کا نام بھی نہیں لکھا کہ وہ کون تھے۔ اس لیے قابل حجت نہیں ہاں اس کے آگے جو شیخ عبدالحق صاحب نے لکھا ہے۔ وہ بھی پڑھو۔ آپ فرماتے ہیں۔

والذی استقر علیہ الامر واشتہر من الصحابة والتابعین

ومن بعدہم هو العشرون۔

کہ وہ تعداد جو کہ پھر گئی اور صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں مشہور چلا آتا ہے۔ وہ بیس رکعت ہیں۔

الحاصل نماز تراویح بیس رکعت سنت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے تابعین تبع تابعین و آئمہ اربعہ رضی اللہ عنہم سے بیس رکعت ہی ثابت ہیں آٹھ رکعت تراویح کسی کا مذہب نہیں۔ اہل اسلام کو اسی پر عمل کرنا لازم ہے تاکہ اختلاف سے بچ جائیں اور یہ نماز سب کے نزدیک درست ہو جائے ورنہ در صورت آٹھ رکعت پڑھنے کے جمہور صحابہ و تابعین و تبع تابعین وغیرہم کے نزدیک تارک سنت ہوگا۔

ولیکن هذا اخر ما ادرنا فی هذا الباب والحمد للہ رب العالمین

کتاب التراجع

پر

مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی^ط
کے

اعتراضات کے جوابات

تعارف

فقیر ابو یوسف محمد شریف برادران اسلام کی خدمت میں عرض پرداز ہے۔
کہ فقیر نے میں تراویح کے ثبوت میں ایک کتاب لکھی ہے جو کتاب التراویح کے
نام سے شائع ہو چکی ہے۔ الحمد للہ ذالک کہ اہل علم کے حلقہ میں اس کتاب کو بہت
مقبولیت ہوئی۔ اپنے تو اپنے ہیں، بیگانوں نے بھی تسلیم کیا کہ اس موضوع پر یہ کتاب
لاجواب ہے۔

سیالکوٹ کے وہابیوں نے مولوی محمد ابراہیم صاحب کو "کتاب التراویح"
کا جواب لکھنے پر اکسایا۔ مولوی صاحب کو معلوم تھا کہ اس کتاب کا جواب لکھنا بہت
مشکل ہے۔ اس لیے وہ ٹالتے رہے جب تقاضا شدت اختیار کر گیا تو انہوں
نے بڑی جانفشانی سے جواب لکھا جس کا نام "انارۃ المصابیح لاوار صلوۃ التراویح"
رکھا۔ اس رسالہ میں بظاہر تو انہوں نے میری کتاب کا جواب لکھا۔ لیکن حقیقت
میں ثابت کر دیا کہ کتاب التراویح، ایک ایسی کتاب ہے جس کا جواب غیر مقلدین
کے پاس نہیں۔

اپنی کتاب میں انہوں نے مجھ پر ذاتی اعتراضات اور نازیبا کلمات سے بھی
گریز نہیں کیا۔ جن کا تذکرہ میں مناسب نہیں سمجھتا۔ البتہ ان کے اعتراضات
اور تنقیدات کو نقل کر کے جوابات تحریر کروں گا۔ تاکہ عامۃ الاحناف کو فائدہ پہنچے
اور اس فقیر کے حق میں دعائے خیر کریں کہ ایمان پر خاتمہ اور سرکار ابد قرار علی اللہ علیہ
وسلم کی شفاعت نصیب ہو۔ آمین

فقیر ابو یوسف محمد شریف غفرلہ

محل اعتراض

میں نے کتاب التراویح میں بحوالہ سنن کبریٰ سیفی سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حدیث لکھی کہ وہ فرماتے ہیں :-

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان شریف میں بیس رکعت (تراویح) پڑھتے تھے ۔

مولوی محمد ابراہیم صاحب نے انارۃ المصباح میں اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی اس کا ضعف ثابت کر سکے ۔

البتہ ہم نے کتاب التراویح میں معرفۃ السنن سیفی کے حوالہ سے ایک اور حدیث لکھی جس کی سند یہ ہے ۔

اخبرنا ابو طاهر الفقیہ قال اخبرنا ابو عثمان البصری قال
ننا ابو احمد محمد بن عبد الوہاب قال اخبرنا خالد بن خالد
قال ثنا محمد بن جعفر الخ

اعتراض

اس پر مولوی ابراہیم صاحب فرماتے ہیں :-
”اس میں ابو عثمان بصری راوی قابل اعتبار نہیں“
اب ملاحظہ فرمائیے ان کی تصریحات :-
(۱) حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا :-

المعتزلی المشہور کان داعیۃ الی البدعة اتھمہ جماعة

(۲) امام بخاری الضعفاء الصغیر میں فرماتے ہیں :-

عمرو بن عبید البصری ابو عثمان ترکہ یحیی القطان

(۳) امام نسائی کتاب الضعفاء والمتروکین میں فرماتے ہیں :-

عمر و بن عبید بن باب بصری متروک الحدیث ابو عثمان

(۴) حافظ صفی الدین خلاصہ میں فرماتے ہیں :-

عمر و بن عبید التمیمی مولا هو ابو عثمان البصری رأس

المعتزلہ ترکہ عمر و بن علی و کذابہ یونس بن عبید۔

خلاصہ یہ کہ ایسے شخص کی روایت معتبر نہیں۔ (انارۃ المصابیح ص ۷۱)

جواب

میں کہتا ہوں بے شک ابو عثمان بصری عمرو بن عبید ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ لیکن ہم نے جو حدیث لکھی ہے جسے آپ ضعیف بنانے میں کوشاں ہیں اس میں عمرو بن عبید نہیں ہے۔ آپ کی حدیث دانی کا یہ نمونہ ہے کہ آپ معلوم نہ کر پائے کہ اس حدیث میں جو راوی ابو عثمان ہے وہ عمرو بن عبید ہے یا کوئی اور؟ جناب والا اگر آپ کو حدیث میں عبور ہوتا تو آپ معلوم کر لیتے کہ یہ عمرو بن عبید نہیں۔ افسوس کہ آپ کا سارا زور رائگاں گیا۔ آپ تو لکھتے ہیں کہ فن حدیث میں حقیقہ کا قدم پیچھے ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ فن حدیث میں کوتاہ نظر کون ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہندوستان میں علم حدیث حقیقہ کرام ہی لائے ہیں سب سے پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حدیث کی اشاعت فرمائی۔ پھر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و شاہ عبد العزیز و شاہ اسحاق علیہم الرحمۃ سے اس کا شیعہ ہوا۔ مولانا احمد علی سہارنپوری نے کتب احادیث پر حواشی لکھ کر اپنے مطبع میں چھپوائیں۔ علامہ زیلعی و صاحب مجمع البحار و ابن ہمام سب کے سب کون تھے؟ حنفی تھے جن کے خوشہ چین آجکل کے اہل حدیث ہیں۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ حقیقہ کے شاگرد ہو کر حقیقہ پر ہی طعن کرتے ہیں۔

مولوی ابراہیم صاحب! آپ مولوی غلام حسین ساہووالیہ کے شاگرد ہیں اور

وہ مولانا غلام مرتضیٰ کے شاگرد تھے، جو کہ حنفی تھے۔ آپ کے دوسرے استلام حافظ عبد المنان وزیر آبادی تھے، وہ شاگرد تھے مولوی نذیر حسین دہلوی کے اور وہ شاگرد تھے مولانا اسحاق دہلوی کے جو کہ حنفی تھے، اسی طرح آپ کے مولوی ثناء اللہ صاحب شاگرد ہیں مولانا احمد حسن کانپوری کے جو کہ حنفی تھے، مولوی ثناء اللہ صاحب کے دوسرے استاد محمود الحسن دیوبندی ہیں اور وہ بھی حنفی تھے۔ تو آپ کو سوچنا چاہیے کہ :-

نمک خردن و نمک دان شکستن کارِ خردمندان نیست

ابو عثمان بصری، عمرو بن عبد نہیں

ابو عثمان بصری جو کہ ابو احمد محمد بن عبد الوہاب سے روایت کرتا ہے۔ وہ عمرو بن عبد نہیں، جیسا کہ مولوی ابراہیم صاحب نے سمجھا ہے۔

(۱) بلکہ وہ عمرو بن عبد اللہ بصری ہے۔ میں نے کتاب التراویح میں تصریح بھی کر دی ہے۔ پھر بھی مولوی ابراہیم صاحب نہ سمجھ سکے۔

(۲) علامہ ظہیر احسن شوق نیموی آثار السنن ج ۲ کے ص ۵۴ میں فرماتے ہیں۔

اما ابو عثمان البصری فهو عمرو بن عبد الله البصری راوی

عنه ابو طاهر الفقيه و ابو محمد الحسن بن علي بن موهل

وغیرہا۔

یعنی عثمان بصری کا نام عمرو بن عبد اللہ بصری ہے جس سے ابو طاهر فقیہ اور

حسن بن علی وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

علامہ نیموی کی تصریح بھی مولوی ابراہیم صاحب کو نظر نہ آئی۔

(۳) خود ہیقتی سنن کبریٰ جلد ۲ ص ۴۸۸ میں تصریح کرتے ہیں۔

ابن ابو محمد الحسن بن علی بن الموصی ثناء ابو عثمان عمرو

بن عبد الله البصری ثناء ابو احمد محمد بن عبد الوہاب

دیکھئے کہ حسن بن علی کا استاد اور ابو احمد محمد بن عبد الوہاب کا شاگرد ابو عثمان عمرو بن عبد اللہ بصری ہے۔ نہ کہ عمرو بن عبید۔

معلوم ہوا کہ مولوی ابراہیم صاحب نے ویدہ والنستہ ایک مجروح راوی کا نام لکھ دیا۔ اگر مولوی ابراہیم صاحب کو علم حدیث کا دعویٰ ہے تو محمد بن عبد الوہاب کے تلامذہ میں سے عمرو بن عبید کا نام دکھائیے ورنہ اپنا یہ اعتراض واپس لیجئے کہ حنیفہ کا علم حدیث میں قدم پیچھے ہے۔

۴۔ اس سے زیادہ توضیح سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۴۰ میں ہے۔

ابنا ابو ظاہر الفقیہ انبا ابو عثمان عمرو بن عبد اللہ البصری
ثنا ابو احمد محمد بن عبد الوہاب انبا خالد بن مخلد حدثنی
محمد بن جعفر بن کثیر الخ

یہ وہی سند ہے جو ہم نے کتاب التراویح میں لکھی ہے جس کے راوی کو ضعیف بنانے کے لیے مولوی ابراہیم کو راوی کا نام بدلنا پڑا۔ دیکھئے! اس سند میں تصریح ہے کہ ابو عثمان کا نام عمرو بن عبد اللہ ہے نہ کہ عمرو بن عبید۔

۵۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب جلد ۹ میں محمد عبد الوہاب کے ترجمہ میں ابو عثمان کا نام عمرو بن عبد اللہ لکھا ہے اور محمد بن عبد الوہاب سے روایت کرنے والوں میں اس کا نام بھی لکھا ہے۔

(۶) مولوی ابراہیم صاحب یہ بھی معلوم نہ کر سکے کہ عمرو بن عبید تو ساتویں طبقہ سے ہے اور اس کا استاد محمد بن عبد الوہاب گیارہویں طبقہ سے؛ ساتویں طبقہ کا آدمی، گیارہویں طبقہ والے سے جو بہت متاخر ہے کس طرح اخذ حدیث کر سکتا ہے؛ بالخصوص جب کہ شاگرد کی موت سے ۳۴ سال گزر جانے کے بعد استاد کی پیدائش ہو۔ چنانچہ عمرو بن عبید کی موت ۱۴۳ھ میں ہوئی اور محمد بن عبد الوہاب کی پیدائش ۱۴۴ھ میں ہوئی۔ آپ خود ہی سوچئے کہ ۱۴۴ھ میں مرنے والا شخص ۱۴۳ھ میں پیدا ہونے والے شخص سے کس طرح اخذ حدیث کر سکتا ہے؛

اب آپ خود فیصلہ کیجئے

کہ مولوی ابراہیم صاحب یا تو علم حدیث میں ناقص ہیں یا انہوں نے دیانت اور تقویٰ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے راوی کے نام کو بدل دیا۔

محل اعتراض

کتاب التراويح میں میں نے لکھا ہے کہ:-
”حضرت عمر کے گیارہ رکعت (تراویح) کے امر کرنے میں امام مالک کا کوئی متابع نہیں۔ اگر کسی میں ہمت ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے امر کا کوئی متابع قوی دکھائے۔“

اعتراض

اس پر مولوی ابراہیم صاحب انارۃ المصابیح کے ص ۲۲ میں لکھتے ہیں:-
”امام سیوطی اپنے رسالہ المصابیح میں جہاں پر سعید بن منصور کی سنن سے عبد العزیز بن محمد کی متابعت کا ذکر کیا ہے، وہاں پر مثل کا لفظ لکھا ہے۔
..... اور متابعات میں محدثین کا قاعدہ ہے کہ اگر متن وہی ہو تو صرف سلسلہ اسناد ذکر کر دیتے ہیں۔“

..... یہ امر معلوم و مسلم کل ہے کہ امام مالک اصل راوی نے گیارہ رکعات کا تقریر حضرت عمر کے امر سے ذکر کیا ہے۔ پس بموجب اصطلاح محدثین عبد العزیز بن محمد کی متابعت کا متن بھی لفظاً و معنأً امام مالک کے متن کے موافق ہے۔“

جواب

میں کہتا ہوں۔ مولوی ابراہیم صاحب نے محدثین کا قاعدہ بیان کرنے میں

مغالطہ سے کام لیا ہے۔ یا ان کو سمجھ ہی نہیں آئی۔ ایک محدث ایک حدیث کو باسناد بیان کرتا ہے۔ پھر دوسری سند بیان کر کے 'مثلاً' یا 'نحوہ' کہہ دیتا ہے تو اس سے اس محدث کی مراد وہی متن حدیث ہوتا ہے جو اس نے پہلے باسناد بیان کیا یہ مطلب نہیں جیسا کہ مولوی ابراہیم صاحب نے سمجھا کہ ایک محدث نے ایک حدیث باسناد بیان کی، دوسرے محدث نے دوسری حدیث باسناد بیان کی پھر ایک تیسرا شخص کسی مماثلت کی وجہ سے اس حدیث کو دوسری حدیث کی مثل کہتا ہے تو وہ دونوں حدیثیں لفظاً و معنیاً موافق سمجھی جائیں گی۔ ہرگز نہیں۔

ما نحن فیہ میں اگر امام مالک ہی عبدالعزیز کی متابعت کا ذکر کرتے اور صرف سند لکھ کر 'مثلاً' کہہ دیتے یا سعید بن منصور حضرت عمر کا امر روایت کر کے پھر دوسری سند میں عبدالعزیز کی متابعت کا ذکر کرتے اور 'مثلاً' کہہ دیتے تو ہو سکتا تھا کہ بموجب اس قاعدہ کے دونوں کو لفظاً و معنیاً موافق کہتے۔ لیکن یہاں تو سیوطی ہی مصابیح میں سعید بن منصور کی پوری حدیث نقل کرتا ہے جس میں حضرت عمر کے امر کا ذکر نہیں لیکن وہ مثل مالک صرف گیارہ رکعت میں کہتا ہے نہ کہ امر میں۔

تعجب ہے کہ مصابیح مولوی ابراہیم صاحب کے پاس موجود ہے اور سعید بن منصور کی پوری روایت ان کی نظر سے گزری ہوگی۔ اس کے باوجود انہوں نے محدثین کے قاعدہ کی غلط فہمی سے اس متابعت کو، حضرت عمر کے امر کی متابعت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی۔ دیکھئے سیوطی فرماتے ہیں:

وقال سعید بن منصور فی سننہ حدثنا عبد العزیز بن محمد

حدثنی محمد یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم

فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعة (الحديث)

حدیث کے الفاظ موجود ہیں۔ اب اس کے خلاف خواہ مخواہ امر عمر ثابت کرنا تعصب مذہبی نہیں تو اور کیا ہے؟ میں پھر کہتا ہوں کہ آپ اپنے اعوان و انصار کو

بھی بلا لیں اور حضرت عمرؓ کے گیارہ رکعت کے امر کرنے میں، کوئی امام مالک کا متبائع قوی دکھائیں۔

فَانْ لَّهٗ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاَتَقُوا النَّارَ الَّتِي رَفَعُوْا هَآلِ النَّاسِ
وَالْجَاهِلِيَّةِ ۔

محل اعتراض

ہم نے کتاب التراویح میں موطا امام مالک سے تیسری حدیث یہ لکھی ہے کہ۔
”یزید بن رومان فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابہ و تابعین) حضرت عمر رضی اللہ
عنه کے زمانہ میں، رمضان شریف میں ۲۳ رکعات پڑھتے تھے۔“
اس کے انقطاع کا جواب ہم نے شاہ ولی اللہ کی حجتہ اللہ البالغہ سے دیا۔

اعتراض

اس پر مولوی ابراہیم صاحب انارۃ المصابیح کے ص ۲۸ میں لکھتے ہیں،
”اگر یہ روایت امام مالک کے نزدیک ہوتی تو آپ کا عمل اس کے
خلاف نہ ہوتا اور حنفی علمائے اصول بالتصریح فرماتے ہیں کہ اگر راوی
کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو اس روایت پر عمل نہیں کیا
جائے گا۔“

اس امر کا بیان کہ امام مالک کا اپنا مختار مذہب گیارہ رکعت کا
ہے، امام سیوطی کی کتاب کے اقتباسات میں، ہمارے اسی رسالہ
کے ص ۲۴ پر گزر چکا ہے کہ آپ نے فرمایا: جس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں
کو جمع فرمایا تھا مجھے وہ نہایت پسند ہے اور وہ گیارہ رکعت ہیں۔
اور یہی رسول اللہ علیہ السلام کی نماز ہے اور امام مالک کا یہ مذہب
حنفی مذہب کے متعصب حامی علامہ عینی کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے۔ دیکھو

یعنی علی البخاری جلد پنجم ص ۳۵۷

جواب

میں کہتا ہوں کہ کتاب التراویح میں یہی لکھا ہے کہ حضرت عمر کی گیارہ رکعت امر والی حدیث، امام مالک نے روایت کی۔ پھر بھی انہوں نے اپنا مذہب آٹھ رکعت نہیں رکھا۔ حدیث عائشہ ماکان یزید فی رمضان الخ امام مالک نے روایت کی پھر بھی اپنا عمل نہیں رکھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کے نزدیک بیس رکعت والی روایت صحیح ہے۔ گیارہ رکعت والی پر عمل نہیں کیا جائے گا کیوں کہ راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہے۔

ہم نے کتاب التراویح میں اس قول کا جواب دے دیا ہے جو مولوی ابراہیم نے بحوالہ جوزمی و عینی امام مالک کا مختار مذہب لکھا ہے۔ مگر افسوس کہ لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالنے کے لیے پھر وہی قول لکھ دیا اور ہمارے جواب کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ حاصل یہ کہ علامہ عینی اور جوزمی نے امام مالک کا زمانہ نہیں پایا اور انہوں نے اس قول کی کوئی سند نہیں لکھی تو ایسا بے سند قول کس طرح معتبر ہو؟ بالخصوص جو قول کتب مالکیہ کی صراحت کے خلاف ہو۔

تعجب ہے کہ خود مولوی ابراہیم صاحب یزید بن رومان کی روایت پر ہی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ قول یزید بن رومان کا ہے جس کی کوئی سند نہیں اور سند کے بغیر کوئی روایت قابل غور نہیں ہو سکتی (امارة المصباح ص ۲۸) تو جوزمی یا عینی کا قول بلا سند کیوں مان لیا؟۔

ہم سے سنئے

کہ امام مالک کتنی رکعت تراویح پسند کرتے تھے۔
(۱) ایک حوالہ تو ہدایۃ المجتہد سے ہم کتاب التراویح میں نقل کر چکے ہیں کہ ایک

قول میں امام مالک، ابو حنیفہ، شافعی، احمد اور داؤد ظاہری نے وتر کے علاوہ
بیس رکعات پسند کیں۔ دوسرا قول ابن قاسم امام مالک سے روایت کرتے ہیں
کہ آپ ۳۶ رکعات کو پسند کرتے تھے۔

(۲) دوسرا حوالہ میزان شعرانی و رحمۃ اللہ سے کتاب التراويح میں لکھا گیا ہے مگر
مولوی ابراہیم صاحب نے ان کا کوئی جواب نہیں دیا۔

(۳) امام سیوطی مصابیح میں لکھتے ہیں :-

وعن مالك التراويح ست وثلاثون ركعة غير الوتر بقول نافع
ادركت الناس وهو يقومون رمضان بتسع وثلاثين ركعة
يوترون منها بثلاث -

امام مالک سے روایت ہے کہ تراویح کی ۳۶ رکعت بجز وتر ہیں اس لیے نافع
کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو رمضان شریف میں ۳۹ رکعات پڑھتے پایا جن میں
سے تین وتر تھے۔

امام سیوطی اس کی وجہ لکھتے ہیں کہ اہل مکہ دو ترویحوں کے درمیان طواف
کرتے تھے۔ اہل مدینہ نے طواف کی جگہ چار رکعت نماز شروع کی۔ یعنی ہر ترویجہ کے
بعد چار رکعت۔ نو چار ترویحوں میں سولہ رکعت ہوئیں اور بیس رکعت تراویح کی ہوتی
تھیں۔ اس طرح کل ۳۹ رکعت ہوئیں۔

کاش مولوی ابراہیم صاحب مصابیح کی اس روایت پر نظر کرتے تو امام مالک کی
گیارہ رکعت والی روایت پر حزم نہ کرتے!

(۴) مدونۃ الکبریٰ جلد اول ص ۱۹۳ میں امام مالک فرماتے ہیں -

بعث الامير الى وارساد ان ينقص من قيام رمضان الذي كان
يقومہ الناس بالمدينة (قال) ابن القاسم وهو تسعة وثلاثون
ركعة بالوتر ست وثلاثون ركعة والوتر ثلاث قال مالك
فنيهته ان ينقص من ذلك شيئاً وقلت له، هذا ما ادركت

الناس علیہ وهذا الامر القدایم الذی لو نزل الناس علیہ۔
 میری طرف امیر نے کسی کو بھیجا اور ارادہ کیا کہ مدینے کے لوگ جو قیام رمضان
 کرتے ہیں۔ اس میں سے کچھ کم کیا جائے۔ ابن قاسم کہتے ہیں کہ وہ ۳۹ رکعت
 بعد وتر تھا۔ ۳۶ رکعت تراویح اور ۳ رکعت وتر۔ امام مالک نے فرمایا کہ میں نے
 منع کیا کہ اس مقدار سے کم نہ کیا جائے اور میں نے کہا کہ اسی مقدار پر ہم نے اہل
 مدینہ کو پایا اور یہی امر قدیم ہے جس پر لوگ ہمیشہ رہے ہیں۔

اب خود فیصلہ فرمائیے کہ اگر امام مالک کو گیارہ رکعت مرغوب ہوئیں تو آپ
 اہل مدینہ کو گیارہ رکعت پر ہی لگاتے اور امیر کے کہنے پر تعداد کم کر دیتے لیکن امام مالک
 فرماتے ہیں کہ میں نے منع کر دیا اور کہا کہ اس تعداد سے کچھ کم نہیں ہوگا۔ معلوم ہوا کہ
 آپ ۳۶ رکعات ہی مرغوب تھیں۔

(۵) مبسوط شمس الائمہ سرخسی کی جلد دوم ص ۱۲۲ میں ہے:

وقال مالک رحمہ اللہ تعالیٰ السنة فیہا ست وثلاثون

امام مالک نے فرمایا کہ تراویح کی رکعت ۳۶ ہیں۔

معلوم ہوا کہ امام مالک کا مذہب آٹھ رکعت نہیں ہے۔

(۶) فتح الباری اور نیل الاوطار میں بھی ایسا ہی لکھا گیا ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ امام مالک کا مذہب آٹھ رکعات نہیں تھا تو اب
 مولوی ابراہیم صاحب کے بیان کردہ اصول کے مطابق گیارہ رکعت والی روایت پر
 عمل نہیں ہوگا کیونکہ راوی کا د امام مالک کا، اس پر عمل نہیں ہے۔

اعتراض

مولوی ابراہیم صاحب انارۃ المصابیح کے ص ۲ پر لکھتے ہیں۔

”وہ ۱۰ ائمہ مجتہدین تمام کے تمام بیس رکعات والی مرفوع روایت کو
 ضعیف کہتے ہیں اور آٹھ والی کو بالاتفاق صحیح جانتے تھے“

جواب

میں کہتا ہوں محدثین علیہم الرحمۃ تو تصریح کرتے ہیں کہ نماز تراویح کی تعداد رسول کریم سے ثابت نہیں۔ اگر وہ اکٹھ والی کو صحیح جانتے تو تعداد رکعت کے عدم ثبوت کی تصریح کیوں کرتے؟

(۱) امام سیوطی مصابیح میں کئی وجوہ سے ثابت کرتے ہیں کہ قیام رمضان کی رکعات کی تعداد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔
ان العلماء اختلفوا فی عدادھا ولو ثبت ذالک من فعل النبی

صلی اللہ علیہ وسلم لم یختلف فیہ۔

تراویح کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے تعداد ثابت ہوتی تو اختلاف نہ ہوتا۔

(۲) یہی سیوطی مصابیح میں سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ شرح منہاج میں لکھتے ہیں:

لم یقل کو صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلک الیالی هل هو

عشرون او قل۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں کہ آپ نے ان راتوں میں کتنی رکعات (تراویح) پڑھیں۔ کیا بیس پڑھیں یا بیس سے کم؟

(۳) ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

انه لو یوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التراويح

عددا معینا بل لا یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی ثلاث

عشرة رکعة۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۵۷۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح میں کوئی عدد معین نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ رمضان وغیر رمضان میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے یعنی

تجدید میں،

(۴) امام شوکانی نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۲ میں لکھتے ہیں۔

والحاصل ان الذی دلت علیہ احادیث الباب وما یشابھهما
هو مشروعیۃ القیام فی رمضان والصلوة فیہ جماعة و
فرادی فقص الصلوة المسماة بالتراویح علی عدد معین و
تخصیصها بقراءة مخصوصة لمریدہ سنة۔

حدیث باب سے جو ثابت ہوتا ہے وہ قیام رمضان کی مشروعیت اور اس
میں جماعت سے یا اکیلے نماز پڑھنا ہے، پس تراویح کا کسی عدد معین پر قصر
کرنا یا کسی قرأت مخصوصہ کے ساتھ خاص کرنا، سنت میں وارد نہیں ہوا۔
یعنی سنت سے عدد معین و قرأت مخصوصہ ثابت نہیں۔ نواب صدیق حسن
بھی مسک الختام میں ایسا ہی لکھتے ہیں۔

(۵) امام سیوطی مصابیح میں لکھتے ہیں۔

انما صلی لیا لی صلوة لمرید کر عددہا۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند راتیں جو نماز پڑھی اس کی تعداد کو نہیں۔
پھر آگے فرماتے ہیں اگر نفل کے ساتھ تراویح کی تعداد سرور عالم صلی اللہ علیہ
وسلم سے ثابت ہوتی تو اہل مدینہ کو اس پر زیادہ کرنا جائز نہ ہوتا۔

معلوم ہوا کہ محدثین کے نزدیک نماز تراویح کی تعداد ثابت نہیں۔ اگر کوئی
حدیث آٹھ رکعت والی صحیح ہوتی تو محدثین یہ کبھی نہ لکھتے کہ پھر تراویح کی تعداد رسول
کریم سے ثابت نہیں۔

میں مولوی ابراہیم صاحب سے پوچھتا ہوں کہ وہ کونسی حدیث ہے جسے
محدثین بالاتفاق صحیح مانتے ہیں اور اس میں نماز تراویح کی آٹھ رکعت کا ذکر ہے۔
اگر حدیث عائشہ ہے

تو وہ دربارہ تراویح نہیں۔ کہا فصلناہ فی کتاب التراویح۔

محمد بن نصر مروزی، جسے مولوی ابراہیم صاحب نے اپنی کتاب انارہ ص ۲ میں بڑے پایہ کے امام حدیث لکھا ہے، وہ اپنے رسالہ قیام کے ص ۹۱ میں تراویح کی تعداد رکعات کا باب باندھتے ہیں۔ لیکن حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا، اس میں نہیں لاتے۔ اگر یہ حدیث دربارہ تراویح ہوتی تو مروزی اس باب میں ضرور لکھتے۔ انہوں نے اس حدیث کو قیام اللیل ص ۴۷ میں صلوٰۃ اہل کی تعداد میں لکھا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث تراویح کے بارہ میں نہیں ہے، علاوہ ازیں اس حدیث کو بھی بعض محدثین نے مضطرب کہا ہے۔ تو مولوی ابراہیم صاحب کا یہ کلیہ کہ تمام کے تمام آٹھ رکعت والی کو بالاتفاق صحیح مانتے ہیں۔

اگر حدیث جابر ہے

تو یہ بھی تراویح کے بارے میں نہیں اور محدثین نے اس کے راوی عیسیٰ بن جابر پر جرح کی ہے۔ تو یہاں بھی مولوی ابراہیم صاحب کا کلیہ غلط ہوا۔ مولوی ابراہیم صاحب نے حدیث جابر کو بلاشبہ صحیح کہہ دیا (الحدیث ص ۲۰ دسمبر ص ۴) لیکن ہم نے کتاب التراویح میں عیسیٰ بن جابر، یعقوب ثنی اور محمد بن حمید پر جرح نقل کی ہے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مولوی ابراہیم یہ بھی لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر وغیرہ محدثین نے بھی اسے (حدیث جابر) کو صحیح کہا ہے (اہل حدیث ص ۲۰ دسمبر ص ۴) ذرا حوالہ تو دیا ہوتا کہ ابن حجر وغیرہ محدثین نے کس کتاب میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

اگر حدیث امر حضرت عمر ہے

تو وہ مرفوع نہیں۔

پس رکعت والی حدیث

کے متعلق بھی مولوی صاحب کا کلیہ غلط ہے۔ کیونکہ کہ ابن عدی اس کے

اس راوی کے متعلق جس کے سبب سے حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے،
فرماتے ہیں:-

لہ احادیث صالحۃ -

کہ اس کی حدیثیں احتجاج کی صلاحیت رکھتی ہیں -

نیز محدث دہلوی فرماتے ہیں -

کہ ابوشیبہ آل قدر ضعف ندارد کہ روایت او مطروح مطلق ساختہ نشود -

ہم نے کتاب التراویح میں اس حدیث کے ضعف کے پانچ جواب دیے
ہیں مگر مولوی ابراہیم صاحب نے کسی کا جواب نہیں دیا اگر ان کو حدیث دانی کا
دعویٰ ہے تو جواب دیا جائے۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ اس زمانہ کے حنفی بفضلہ تعالیٰ
آپ سے زیادہ حدیث میں مہارت رکھتے ہیں -

اگر یہ کہا جائے

کہ جب محدثین تصریح کرتے ہیں کہ تراویح کی تعداد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
سے ثابت نہیں تو معلوم ہوا کہ بس رکعت بھی ثابت نہیں -

میں کہتا ہوں، بے شک جن راتوں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح
کی نماز پڑھائی۔ ان میں تعداد مذکور نہیں۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا محمول پر تہجد ہے
حدیث جابر بھی دربارہ تراویح نہیں اور وہ عیسیٰ بن جاریہ کے سبب سے قابل
حجت نہیں۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ جس میں بس رکعت کا ذکر ہے وہ
کسی حدیث صحیح کے معارض نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اور ائمہ اربعہ رضی اللہ
عنہم کا عمل اس کو تقویت دیتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے کتاب التراویح -

آٹھ رکعت تراویح کی نہ کوئی حدیث ہے نہ ائمہ اربعہ میں سے آٹھ تراویح
کسی کا مذہب ہے۔ محدثین رضی اللہ عنہم بس رکعت پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے
گویہ اجماع مولوی ابراہیم صاحب کے خیال میں خیالی ہے مگر آٹھ رکعت تراویح

پر کسی محدث نے خیالی اجماع بھی نقل نہیں کیا۔

مولوی ابراہیم صاحب کی غلط بیانی

قدرت کے دست تصرف سے مولوی ابراہیم صاحب سے کچھ ایسے اغلاط صادر ہوتے ہیں جن سے ان کی علمیت پر بدنامی دھبہ لگ جاتا ہے۔ چنانچہ انارۃ المصابیح کے ص ۱۶ پر لکھتے ہیں۔

”تراویح کے متعلق عدد مستحب کی نسبت علماء کے بہت سے مختلف اقوال ہیں۔ (پھر بہت سے اقوال لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے)

۴۱ رکعت مع وتر، ۴۰ اور ۷ وتر، ۳۸ اور ۱ وتر، ۳۶ اور ۲ وتر،

۳۴، ۲۸، ۲۴، ۲۰ (دیکھئے مولوی صاحب ۲۰ کو بھی قدر مستحب

میں شمار کرتے ہیں)۔

اس فہرست میں ۱۱ کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ گیارہ کی تعداد مسنون تعداد سے جسے مولوی ابراہیم صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں ثابت و قائم رکھتے ہیں۔ ان کا شمار بوجہ مسنون ہونے کے قدر مستحب میں نہیں آسکتا۔

میں کہتا ہوں

علامہ عینی نے تراویح کے متعلق جو مختلف اقوال نقل کیے ہیں مولوی ابراہیم صاحب کہتے ہیں کہ اس فہرست میں ۱۱ رکعت کا ذکر نہیں۔ وجہ یہ بیان کی کہ گیارہ کی تعداد مسنون نبوی ہے حالانکہ علامہ عینی نے ۱۱ رکعت کا ذکر بھی کیا ہے (ملاحظہ فرمائیے عینی شرح بخاری جلد پنجم ص ۳۵۷ سطر ۳۲) اس میں لکھا ہے۔

وقیل احدى عشرة رکعة۔

مولوی صاحب نے یہ غلط بیانی دیدہ و دانستہ کی کیونکہ وہ خود علامہ عینی کے اس مقام کا جس میں گیارہ رکعات کا ذکر ہے، انارۃ المصابیح ص ۱۲۹ میں حوالہ دیتے

ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

”امام مالک کا یہ مذہب حنفی مذہب کے متعصب حامی علامہ عینی کو

بھی تسلیم کرنا پڑا ہے۔ دیکھو عینی علی البخاری ص ۳۵۷“

یہ وہی مقام ہے جہاں علامہ عینی نے قدر مستحب کی فرست میں گیارہ رکعات کا ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام مولوی ابراہیم صاحب نے دیکھا اور امارۃ المصباح میں اس کا حوالہ دیا۔ پھر دیدہ والنسۃ جھوٹ لکھ دیا کہ قدر مستحب میں علامہ عینی نے گیارہ رکعات کا ذکر نہیں کیا۔

مولوی صاحب کی اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت نبوی پر مستحب کا اطلاق نہیں ہو سکتا حالانکہ نووی نے شرح مسلم میں نماز تراویح کے متعلق لکھا ہے:

اتفق العلماء علی استحبابها

شوکانی نیل میں لکھتے ہیں:-

استدل به ایضا علی استحباب صلوة التراویح -

تو بقول مولوی ابراہیم صاحب ثابت ہوتا ہے کہ نووی و شوکانی کے نزدیک مطلقاً نماز تراویح سنت نبوی نہیں کیونکہ مستحب فرما رہے ہیں اور مستحب کا اطلاق سنت نبوی پر نہیں ہوتا دیکھئے امارۃ المصباح ص ۱۶ نیز امارہ کے ص ۱ پر ابن حجر کی مہتمی کو حنفی لکھ دیا حالانکہ وہ شافعی تھے۔ مولوی صاحب کو یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ حنفی تھے یا شافعی۔ یا اگر پتہ تھا تو حنفیہ کو مغالطہ دینے کے لیے ایک شافعی کو حنفی لکھ دیا تاکہ اس کا قول حنفیہ پر موثر ہو۔ مگر یہ نہ سمجھے کہ کوئی حنفی اس غلطی کو فاش کر دے گا تو علیت پر حرف آئے گا۔ واللہ العادی۔

علمائے حنفیہ کی تصرحات

شیخ عبدالحی لکھنوی

جن کو مولوی ابراہیم صاحب نے زمانہ حال کے حنفیہ میں تبحر علوم اور حدیث دانی

میں بے مثل لکھا ہے۔ (انارۃ المصابیح ص ۱۶) وہی مولانا عبدالحی اپنا فیصلہ تحفۃ الاخیر
ص ۲۱۵ میں لکھتے ہیں۔

و خلاصۃ ما ذکرنا وهو الذی استقر علیہ عن شراہینا
ان نفس قیام رمضان سنتہ موکدۃ وان سنیۃ فی جمیع
لیالی رمضان وان اقامتہ بالجماعۃ ایضا سنتہ موکدۃ وان
من اخل بشئ من هذا یاثم الا ان المخل بالامور الثلاثۃ
الاول یاثم اثما کبیرا المخالفة النبویۃ والمخل بالامر
الرابع یاثم اثما لیسیر المخلافة سنتہ الخلفاء۔

اس کا خلاصہ یہ ہے اور اسی پر ہماری رائے قائم ہے کہ نفس قیام
رمضان سنت موکدہ ہے اور سارے رمضان میں قیام سنت ہے اور جماعت
بھی سنت موکدہ ہے اور تراویح کا بیس رکعت ہونا بھی سنت موکدہ ہے جو
شخص ان چاروں میں سے کسی امر میں کوتاہی کرے گا وہ گناہگار ہے۔ ہاں پہلے
تین امور میں کوتاہی کرنے والا بھی گناہگار ہے مگر اس سے کچھ کم۔ کیونکہ وہ سنت
خلفاء کی مخالفت کا مرتکب ہوا ہے۔

یہ ہے علامہ عبدالحی کی تحقیق کا حاصل کہ بیس رکعت تراویح نہ پڑھنے والا گناہگار
ہے اگرچہ نسبتاً اس کا گناہ کچھ کم ہے مگر گناہ ضرور ہے۔

یہی شیخ عبدالحی فتاویٰ جلد سوم کے ص ۵۱ میں فرماتے ہیں :-

"حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا تنجد پر محمول ہے جو کہ رمضان وغیر رمضان
میں یکساں تھی۔ غالباً بعد وتر گیارہ رکعت تھی۔ اس عمل پر دلیل یہ ہے کہ
اس حدیث کا راوی ابو سلمہ اس حدیث کے تتمہ میں کہتا ہے کہ حضرت
عائشہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو
جاتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اے عائشہ! میری آنکھیں سو جاتی
ہیں دل نہیں سوتا۔ اس کو بخاری مسلم نے روایت کیا۔ نماز تراویح

کو اس وقت کے عرف میں قیام رمضان کہتے تھے۔ صحاح ستہ میں بروایت صحیحہ مرفوعہ قیام رمضان کا عدد معین مصرح نہیں۔ اس قدر ہے کہ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں عبادت میں اس قدر کوشش فرماتے تھے جو دوسرے مہینوں میں نہیں فرماتے تھے۔ یعنی آپ کی کوشش واجتہاد عبادت میں بہت دوسرے مہینوں کے رمضان شریف میں زیادتی ہوتی تھی لیکن مصنف ابن ابی شیبہ و سنن بیہقی میں بروایت ابن عباس آیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بغیر جماعت بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے اور بیہقی سنن میں بسند صحیح روایت کرتے ہیں کہ سائب بن یزید صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانہ میں ماہ رمضان میں لوگ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ (انتہی ترجمہ)

معلوم ہوا

- (۱) کہ مولوی عبدالحی صاحب کی تحقیق یہی ہے کہ تراویح بیس رکعت سنت موکدہ ہے۔
- (۲) اس سے کم پڑھنے والا گناہگار ہے۔
- (۳) تراویح کی تعداد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصرح نہیں۔
- (۴) حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا تہجد پر محمول ہے۔
- (۵) اور حدیث سائب بن یزید، جس میں حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا پڑھنا آیا ہے، صحیح ہے۔

علامہ زیلعی

جن کی حدیث دانی مولوی ابراہیم صاحب کے نزدیک بھی مسلم ہے، وہ

تخریج ہدایہ کے باب قیام رمضان میں حدیث جابر نقل کرتے ہیں لیکن اس کو صحیح نہیں فرماتے۔ مولوی ابراہیم صاحب نے غلط لکھا ہے کہ آٹھ رکعت والی حدیث سب کے نزدیک صحیح ہے۔ پھر وہ دس رکعت نقل کرتے ہیں پھر تیرہ جس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک آٹھ رکعت کی تعیین صحیح نہیں۔ پھر حدیث سائب بن یزید نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اس حدیث کی سند کو بحوالہ نووی صحیح فرماتے ہیں۔ یہ وہی حدیث ہے جس کو مولوی ابراہیم صاحب ضعیف کہتے ہیں اور ایک راوی کو بدل دیتے ہیں۔ جس کا جواب ہم گذشتہ صفحات میں دے چکے ہیں۔ افسوس کہ مولوی ابراہیم صاحب نے اس حدیث کو ضعیف لکھ دیا مگر علامہ زیلعی کی تصحیح سے چشم پوشی کی۔ پھر علامہ زیلعی موطا کی دونوں روایتوں میں بحوالہ بیہقی تطبیق نقل کرتے ہیں کہ۔

انهم قاموا باحدى عشرة ثم قاموا العشرين

کہ حضرت عمر کے زمانہ میں پہلے آٹھ رکعت پڑھیں پھر انہوں نے بیس رکعات پر قیام کیا۔ یعنی آخر الامر بیس رکعات ہی مقرر ہو گئیں۔ معلوم ہوا کہ علامہ زیلعی کے نزدیک ان دونوں روایتوں میں یہی تطبیق صحیح ہے جو بیہقی نے کی ہے۔

شیخ ابن ہمام

نے جو فرمایا ہے اس کا جواب ہم کتاب التراویح میں دے چکے ہیں۔

علی قاری

جو کہ حنفیہ میں بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں شرح شفاء جلد اول ص ۲۷۸ میں فرماتے ہیں۔

وقد راوی انه صلى الله عليه وسلم خرج ليلة في شهر رمضان
فصلى بالقوم عشرين ركعة واجتمع الناس في الليلة الثانية

فخرج وصلى بهم فلما كانت الليلة الثالثة كثر الناس ولم
يخرج وقال عرفت اجتماعكم لكن خشيت ان تفرض
عليكم۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ رمضان شریف میں
ایک رات نکلے اور قوم صحابہ کو بیس رکعات نماز پڑھائی دوسری رات لوگ
زیادہ جمع ہو گئے پھر آپ نے نماز پڑھائی تیسری رات کو لوگ بہت جمع
ہو گئے تو حضور علیہ السلام نہ نکلے اور فرمایا مجھے تمہارا اجتماع معلوم تھا
لیکن میں ڈر گیا کہ تم پر فرض نہ ہو جائے۔
یہی علی قاری شرح مشکوٰۃ شریف میں بیس رکعت تہ اویح پر اجماع نقل کرتے
ہیں۔ واللہ اعلم۔

كتاب الجرائز

نماز جنازہ دعائے

جانتا چاہیے کہ نماز جنازہ حقیقت میں دعائے میت کے لیے استغفار۔
اسی واسطے اس میں نہ رکوع ہے نہ سجود اور نہ ہی قرأت۔ چونکہ دعا کو لغت میں
صلوٰۃ بھی کہتے ہیں۔ اس لیے جنازہ کو صلوٰۃ کہا گیا۔ طہارت اور استقبال قبلہ کا شرط
ہونا اسے حقیقتاً نماز نہیں بنا سکتا۔ جس طرح سجدہ تلاوت میں طہارت و استقبال
قبلہ شرط ہے مگر وہ حقیقتاً نماز نہیں۔

شمس الائمہ سرخسی، مبسوط جلد ۲ ص ۶۴ میں فرماتے ہیں:

لان هذا ليست بصلوة على الحقيقة انما هي دعاء واستغفار
للميت لا ترى انه ليس فيها اركان الصلوة من الركوع
والسجود والتسمية بالصلوة لما بينا فيما سبق ان الصلوة
في اللفظة الدعاء واشتراط الطهارة واستقبال القبلة فيها
لا يدل على انها صلوة حقيقة وان فيها قراءة كسجدة التلاوة

کیونکہ یہ (جنازہ) حقیقتاً نماز نہیں ہے۔ یہ تو میت کے لیے دعا اور استغفار ہے۔
کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اس میں نماز کے ارکان رکوع و سجود نہیں ہیں جیسا کہ ہم پیچھے بیان
کر چکے ہیں کہ لغت میں صلوٰۃ کو دعا کہتے ہیں۔

اس میں طہارت اور استقبال قبلہ کی شرط اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ
جنازہ حقیقتاً نماز ہے اور اس میں قرأت ہے سجدہ تلاوت کی طرح۔

نماز جنازہ کا ثواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے۔

من اتبع جنازة مسلوا يمانا واحتسابا وكان معه حتى يصلي

عليها ويفرغ من دفنها فانه يرجع من الاجر بقيراطين
كل قيراط مثل احد ومن صلى عليها ثمر رجع قبل ان
تدفن فانه يرجع بقيراط (متفق عليه)

جو شخص کسی مسلمان کے جنازہ پر ایمان اور طلب ثواب کے لیے جائے اور اس
پر جنازہ پڑھے اور دفن کے بعد فارغ ہو کر آئے تو اسے دو قیراط کے برابر ثواب ہوگا
ہر ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جو شخص جنازہ پڑھ کر دفن سے پہلے ہی آجائے
تو اسے ایک قیراط ثواب ہوگا (بخاری و مسلم)

عن ابی سعید الخدری انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم
يقول خمس من عملهن في يوم كتبه الله من اهل الجنة
من عاد مريضا وشهد جنازة وصام يوما وراح الى الجمعة
واعتق رقبة (ترغيب ص ۶۲۴)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن میں ان پانچ چیزوں پر عمل
کرے اللہ تعالیٰ اس کو اہل جنت میں لکھ دیتا ہے۔ مریض کی عیادت کرے، جنازہ
کی نماز پڑھے، روزہ رکھے، جمعہ پڑھے اور غلام آزاد کرے۔

میت کو نماز جنازہ کا فائدہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما من رجل مسلم
يموت فيقوم جنازته اربعون رجلا لا يشركون بالله
شيئا الا شفّعهم الله فيه (رواه مسلم)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان مر جائے اور اس کے جنازہ
پر چالیس آدمی کھڑے ہوں جنہوں نے شرک نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت
اس میت کے حق میں قبول فرمائے گا۔

(ایک روایت میں سوادمی آیا ہے)

معلوم ہوا کہ پھلوں کا عمل مردوں کو نفع پہنچاتا ہے، کیونکہ نماز جنازہ دوسروں کا عمل ہے جس نے میت کو نفع پہنچایا۔ اسی طرح جس جنازہ پر تین صفیں ہوں، اللہ تعالیٰ اس میت کے لیے جنت واجب کر دیتا ہے، اسی لیے حضرت مالک بن ہیرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من مسلم يموت فميلي عليه ثلاثة صفوف من المسلمين
الا اوجب الجنة

جو شخص مر جائے اور اس پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز جنازہ پڑھیں، اللہ تعالیٰ اس میت کے لیے جنت واجب کر دیتا ہے۔

اسی واسطے جب آدمی کم ہوتے تو حضرت مالک بن ہیرہ تین صفیں بنا لیتے تھے اس روایت کو ابو داؤد و ترمذی نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی نجات کے واسطے اگر مسلمان کوئی حیلہ کریں تو جائز ہے۔ چنانچہ کم آدمیوں کی صورت میں حضرت مالک بن ہیرہ تین صفیں بنا لیا کرتے تھے۔

نماز جنازہ میں قراءت نہیں

امام مالک اپنی موطا میں سعید بن ابی سعید مقبری سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے ابو ہریرہ سے سوال کیا:

کیف تصلي على الجنابة

آپ جنازہ کی نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟

تو ابو ہریرہ نے فرمایا:

انا لعمر الله اخبرك

اللہ کی بقا کی قسم میں تمہیں بتاتا ہوں۔

اتبعها من اهلها فاذا وضعت كبرت وحمداء الله وصليت
 على نبيه ثم اقول اللهم عبدك وابن عبدك وابن امتك
 قال يشهد ان لا اله الا انت وان محمدا عبدك ورسولك
 وانت اعلم به اللهم ان كان محسناً فزدني احسانه وان
 كان سيئاً فتجاوز عن سيئاته اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتننا
 بعده

میں جنازہ کے گھر سے اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس جب وہ رکھا جاتا ہے میں تکبیر
 کرتا ہوں اور اللہ کی حمد کرتا ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہوں۔ پھر یہ دُعا
 پڑھتا ہوں اللهم عبدك الخ

علامہ زرقانی شرح مؤطا میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :
 فيه انه لم يكن يرى القراءة في صلاتها
 اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو ہریرہ نماز جنازہ میں قرأت لازم نہیں
 جانتے تھے۔

یہی حدیث مؤطا محمد میں امام محمد نے روایت کی اور فرمایا
 وقال محمد وبهذا اناخذ لا قراءة على الجنازة وهو قول
 ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔
 امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں کہ جنازہ کی نماز میں قرأت نہیں
 اور یہی امام حنیفہ کا قول ہے۔
 آثار امام محمد میں روایت ہے۔

اخبرنا ابو حنیفہ عن حماد عن ابراهيم قال لا قراءة على الجنازة
 ولا ركوع ولا سجود الخ

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ نہ قرأت ہے اور نہ ہی رکوع و سجود۔
 پھر اسی آثار میں امام محمد ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں۔

ليس في الصلوة على الميت شيء موقت ولكن ابتداء وتحمدا
الله وتصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم وتدعوا الله
لنفسك وللميت بما اجبت -

نماز جنازہ میں کوئی موقت شئی نہیں لیکن ابتداء کر کے، اللہ کی حمد کر کے، نبی
صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر کے، اپنے لیے اور میت کے لیے جو پسند کرے
دعا کرے۔

پھر ابراہیم نخعی سے تصریح ہے کہ

الاولی علی الثناء علی الله والثانية صلوة علی النبی صلی الله علیه
وسلم والثالثة دعاء للمیت والرابعة سلمو تسلمو قال محمد
وبہ نأخذ وهو قول ابی حنیفة رحمہ الله

پہلی تکبیر کے بعد ثناء، دوسری کے بعد درود شریف، تیسری کے بعد میت
کے لیے دعا، چوتھی کے بعد سلام۔ امام محمد کہتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی
قول ہے حضرت امام ابو حنیفہ کا۔

موطا امام مالک میں روایت کرتے ہیں :

ان عبد الله بن عمر كان لا يقرأ في الصلوة على الجنازة
عبد الله بن عمر رضي الله عنهما جنازة کی نماز میں قرأت نہیں پڑھتے تھے
محمد بن علیہم الرحمة حضرت عبد اللہ بن عمر کو شدید اتباع ملکتے ہیں۔ رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں وہ بہت سخت تھے۔ ایک ایسا صحابی جو اتباع رسول
میں سزا کی حیثیت رکھتا ہو، وہ جنازہ میں قرأت نہیں کرتا جس سے معلوم ہوا کہ
اگر جنازہ میں قرأت لازم ہوتی تو عبد اللہ بن عمر ہرگز ترک نہ فرماتے۔
مدونہ ص ۱۵۸ میں امام مالک سے لکھا ہے کہ جنازہ میں قرأت نہیں۔ ابن
ومہب کہتے ہیں :

عن رجال من اهل العلم عن عمر بن خطاب وعلی بن ابی طالب

وعبد الله بن عمرو وفضالة بن عبيد وابي هريرة وجابر بن
عبد الله واثله بن الاسقع والقاسم بن محمد وسالم بن
عبد الله وابن المسيب وعطاء بن ابي رباح ويحيى بن سعيد النعم
لم يكونوا يقرؤن في الصلوة على الميت قال ابن وهب وقال
مالك ليس ذلك بمعمول به ببلدنا انما هو الدعاء اذ راكع
اهل بلدنا على ذلك -

حضرت عمر، علی، عبد اللہ بن عمر، فضالہ بن عبید، ابو ہریرہ، جابر بن عبد اللہ اور
واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم اور قاسم بن محمد، سالم بن عبد اللہ، ابن المسيب، ربیعہ،
عطاء بن ابی رباح اور یحییٰ بن سعید، یہ سب کے سب نماز جنازہ میں قرأت نہیں پڑھتے
تھے امام مالک کہتے ہیں کہ ہمارے شہر (مدینہ) میں جنازہ میں قرأت پڑھنا معمول نہیں۔
جنازہ صرف دعا ہے۔ اسی پر ہم نے اپنے شہر والوں کو پایا۔
معلوم ہوا کہ امام مالک کے مذہب میں نماز جنازہ میں قرأت نہیں۔ اور امام
مالک وہ ہیں جن کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں
اعلم من عالم المدینۃ فرمایا ہے۔ اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ جنازہ میں قرأت
نہیں۔ یہ قول امام اعظم کا ہے بلکہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔ مدینہ شریف
میں اس کا معمول نہیں۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح جنازہ میں قرأت
ثابت نہیں۔

علامہ ابن الہمام فتح القدر میں فرماتے ہیں۔

ولم تثبت القراءة عن النبي صلى الله عليه وسلم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (جنازہ میں) قرأت ثابت نہیں

جواز قرأت کے دلائل اور انکے جوابات

غیر مقلدین، نماز جنازہ میں قرأت کے دو دلائل پیش کرتے ہیں، وہ حسب

ذیل میں :

پہلی حدیث

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے ۔
 ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبر علی المیت اربعاً و قرأ
 بآمر القرآن بعد التکبیر الاولی ۔
 بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر چار تکبیریں کہیں اور تکبیر
 اولیٰ کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی ۔

جواب

یہ حدیث ضعیف ہے۔ محدثین کرام نے اس کے ضعف کا اقرار کیا ہے۔
 امام شافعی کتاب الام نیز مسند شافعی میں اس کی سند لکھتے ہیں :
 اخبرنا ابراہیم بن محمد عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل
 عن جابر بن عبد اللہ ۔

اس حدیث کی نسبت شوکانی، نیل الاوطار میں لکھتے ہیں :-
 فی اسنادہ ابراہیم بن محمد وضعیف جداً وقد صرح العراقی
 فی شرح الترمذی بان اسناد حدیث جابر ضعیف ؛
 اس کی سند میں ابراہیم بن محمد ہے جو کہ ضعیف ہے۔ عراقی نے شرح ترمذی
 میں لکھا ہے کہ جابر کی حدیث کی سند ضعیف ہے ۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج ۵ ص ۶۹ میں اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔
 علامہ زرقانی شرح مؤطا جلد ۲ ص ۱۳ میں فرماتے ہیں :-

وفی البیہقی عن جابر باسناد ضعیف وقرء بآمر القرآن بعد
 التکبیر الاولی ۔

صاحب جوہر النقی ص ۲۷۵ میں حدیث جابر لکھ کر فرماتے ہیں :
 ”اس کی سند میں دو راوی متکلم فیہ ہیں ابراہیم اور ابن عقیل“
 میزان الاعتدال میں ابراہیم بن محمد کے متعلق لکھا ہے : کہ
 ”یحییٰ بن سعید نے امام مالک سے پوچھا کیا یہ ابراہیم ثقہ ہے ؟ فرمایا ”نہیں“
 یحییٰ بن معین کہتے ہیں میں نے قحطان کو یہ کہتے ہوئے سنا :
 ”ابراہیم کذاب ہے“

احمد بن حنبل کہتے ہیں :
 ”محدثین نے اس کی حدیث کو ترک کیا“
 امام بخاری کہتے ہیں :
 ”اس کو ابن مبارک نے ترک کیا ۔ قدریہ جہیمہ تھا“
 ابن معین نے کہا :

”کذاب رافضی“
 نسائی اور دارقطنی نے اسے متروک کہا ۔
 تقریب میں اسے متروک لکھا ہے ۔

دوسری حدیث

عن طلحة بن عبد الله بن عوف قال صليت خلف ابن
 عباس على جنازة فقرأ عليها بفتح الكتابة فلما سلموا سألته
 عن ذلك فقال سنة وحق ۔

طلحہ کہتے ہیں میں نے ابن عباس کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی ۔ آپ نے اس میں
 سورہ فاتحہ پڑھی ۔ جب سلام پھیرا تو میں نے ان سے پوچھا ۔ آپ نے فرمایا
 سنت اور حق ہے ۔

جواب

اس حدیث کی سند کتاب الام میں اس طرح ہے:
 اخبرنا ابراہیم بن محمد عن سعد عن ابیہ عن طلحة الخ
 اس میں پہلا راوی وہی ابراہیم بن محمد ہے جس کا ذکر پہلی حدیث کے بیان میں
 گزر چکا ہے۔ اس راوی پر محدثین کرام کی اکثریت کی رائے پہلی حدیث میں دوبارہ
 پڑھ لیجئے اور خود فیصلہ فرمائیے کہ آیا ایسے شخص کی روایت کو صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے؟
 اس کے علاوہ حضرت ابن عباس نے جو سنت فرمایا ہے اس کا جواب
 تیسری حدیث کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

تیسری حدیث

سعید بن سعید کہتے ہیں

سمعت ابن عباس یجہر بفاتحة الكتاب على الجنائز وقال
 انما فعلت لتعلموا انها سنة۔

میں نے ابن عباس کو جنازہ پر سورہ فاتحہ بالجہر پڑھتے دیکھا اور کہا کہ میں نے ایسا
 ۱۔ ایسے کیا ہے کہ جان لو قرأت فاتحہ سنت ہے۔

جواب

اس میں بھی ابن عباس کا فاتحہ پڑھنا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فاتحہ
 پڑھنے کا ذکر نہیں۔ یہی یہ بات کہ ابن عباس نے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا سنت فرمایا
 ہے تو اس سلسلہ میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔
 شرح نہجۃ ص ۹ میں ہے

وفي نقل الاتفاق نظر نفع الشافعي في اصل المسألة قولان

اس کے حاشیہ پر ہے۔

فعی القدام ان ذالک مرفوع اذا صدر من الصحابی والتابعی
 ثم راجع عنه وقال فی الجدید لیس بمرفوع ۱۲ ش
 امام شافعی قول قدیم میں صحابی یا تابعی کے سند السنۃ کہنے کو مرفوع کہتے تھے
 پھر آپ نے اس قول سے رجوع کیا اور کہا کہ مرفوع نہیں۔
 حافظ ابن حجر شرح منہج ص ۹۷ میں فرماتے ہیں :-

وذهب الی انه غیر مرفوع ابو بکر الصیرفی من الشافعیہ
 وابو بکر الرازی من الحنفیہ وابن حزم من اهل الظاہر
 ابو بکر صیرفی شافعیہ میں سے، ابو بکر رازی حنفیہ میں سے اور ابن حزم اہل ظاہر
 میں سے اس بات کے قائل ہیں کہ صحابی کا سنت کہنا مرفوع نہیں ہے۔
 اسی طرح ابن حجر فتح الباری ص ۶۹ میں فرماتے ہیں :-
 کذا نقل الاجماع مع ان الخلاف عند اهل الحديث و

عند الاصولیین شہیر

(حاکم نے)، اجماع نقل کیا حالانکہ اہل حدیث اور اصولیوں کے نزدیک اس
 قول میں اختلاف مشہور ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت علی فرماتے ہیں :-

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین وابو بکر اربعین و
 ثمانین وکل سنۃ

(شراب نوش کو) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس، حضرت ابو بکر نے چالیس
 اور حضرت عمر نے انسی درے لگائے اور یہ سب سنت ہے۔
 معلوم ہوا کہ صحابی کے فعل کو بھی سنت کہتے ہیں۔ تو یہ کہنا کہ صحابی کا سنت
 کہنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے، کلیتاً صحیح نہیں۔
 شرح مسلم الثبوت میں بکر العلوم فرماتے ہیں۔

فَعِنْدَنَا الْمَتَابُ مِنْهُ طَرِيقَةٌ مَسْلُوكَةٌ فِي الدِّينِ سِوَا
كَانَ طَرِيقَةٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ طَرِيقَةٌ
الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ ۔

علی قاری مرقاة ج ۲ ص ۳۵۶ میں فرماتے ہیں:
وَلَيْسَ هَذَا مِنْ قَبِيلِ قَوْلِ الصَّحَابِيِّ مِنَ السَّنَةِ كَذَا فَيَكُونُ فِي
حُكْمِ الْمَرْفُوعِ كَمَا تَوْهَمُ ابْنُ حَجَرٍ ۔ قَدْ بَدَرَ
اس حدیث میں تصریح ہے کہ جبر اس لیے کیا کہ تم جان لو کہ فاتحہ پڑھنا سنت
ہے تو اب ان نئے اہل حدیثوں کا بالجبر پڑھنا بلا دلیل ہوا۔ کیونکہ ابن عباس کا
بالجبر پڑھنا تعلیم کے لیے تھا۔

چوتھی حدیث

عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ
أَنخَضَتْ كَعْبَةَ أَبِي صُهَيْبٍ مِنْ رِوَايَةٍ هِيَ كَهَيْئَةِ سُنَّةٍ يَدْعُو بِهَا
إِمَامُ التَّجْمِيرِ كَعْبَةُ بْنُ جَعْفَرٍ تَجْمِيرُ السُّورَةِ فَاتِحَةُ آيَاتِهِ فِي آيَاتِهِ تَجْمِيرُ
الْأَمَامِ تَجْمِيرُ كَعْبَةُ بْنُ جَعْفَرٍ تَجْمِيرُ السُّورَةِ فَاتِحَةُ آيَاتِهِ فِي آيَاتِهِ تَجْمِيرُ

جواب

اس حدیث کی سند کتاب الام میں یوں ہے:-
اخبرنا مطوف بن مازن عن معمر عن الزهري قال اخبرني
ابو امامه بن سهل انه اخبره راجل من اصحاب النبي
صلى الله عليه وسلم الخ ۔
اس میں پہلا راوی مطرف بن مازن ہے۔ جسے یحییٰ بن معین نے جھوٹا کہا
اور نسائی نے کہا ثقہ نہیں اور دوسرے نے اسے واہی فرمایا۔
علاوہ ازیں اس میں بھی حضور کا نقل نہیں اور سنت کتنا اسے مرفوع نہیں

ثابت کر سکتا۔ نیز اس حدیث میں جی میں پڑھنے کی تصریح ہے۔ نیز سورت کا بھی ذکر نہیں۔

پانچویں حدیث

ابو امامہ سے روایت ہے کہ سنت یہ ہے کہ نماز جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھے۔

جواب

اس حدیث کی سند کتاب الام میں اس طرح ہے :-

اخبرنا بعض اصحابنا عن لیث بن سعد عن الزہری عن
ابی امامۃ الخ

اس میں پہلا راوی مجہول ہے۔ جس کے نام کا پتہ نہیں۔ ایسی حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ سنت سے مراد طریقہ حسنہ ہے اور بس۔

چھٹی حدیث

ابن ماجہ میں ام شریک انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے :
امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرأ اُعلی الجنانۃ
بفاتحۃ الكتاب۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جنازہ میں سورہ الحمد پڑھنے کا حکم فرمایا۔

جواب

یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔

اس لیے کہ ام شریک رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم جنازہ کے اتباع سے منع کی گئی ہیں۔ طبرانی میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جنازہ میں

نکلنے سے منع فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جنازہ میں شامل ہونے سے منع فرمایا۔

پھر ام شریک کو جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کا حکم کس طرح فرمایا؟ جبکہ انہوں نے جنازہ میں شامل ہی نہیں ہوتا تھا معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر ملخص ص ۱۶ میں اس حدیث کی سند میں ضعف یسیر فرماتے ہیں۔ اس حدیث کی سند میں شہر بن حوشب ہے جسے ابو عاتمہ لایحجج بہ ابن عون 'ترکوه' اور نسائی وابن عدی و لیس بالقوی فرماتے ہیں۔

تہذیب التہذیب میں موسیٰ بن ہارون اسے 'ضعیف' کہتے ہیں۔ اسی طرح ساجی اور سیقی بھی 'ضعیف' کہتے ہیں۔

دوسرا راوی حماد بن جعفر ہے۔ جسے ابن عدی نے 'منکر الحدیث' کہا۔ ازوی نے ضعف کی نسبت کی۔ اگرچہ ان دونوں کی تعدیل بھی ہے مگر محدثین کا اصول ہے: الجرح علی التعدیل کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔

فاتحۃ الكتاب

بیشنیں کی حدیث میں فاتحہ کو جو سنت کہا گیا ہے وہ بہ نیت دعا ہے۔

حجۃ اللہ الباقعہ ج ۲ ص ۲۸ میں شاہ ولی اللہ محدث فرماتے ہیں:

وعن السنة فاتحة الكتاب لانها خير الادعية واجمعها

اللہ تعالیٰ عبادہ فی محکم کتابہ۔

جنازہ میں فاتحہ پڑھنا سنت ہے (بدعت نہیں) کیونکہ سورہ فاتحہ سب

دعاؤں سے بہتر اور جامع دعا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی کتاب میں سکھائی۔

حاصل یہ کہ جنازہ دعا ہے اور سورہ فاتحہ سب دعاؤں سے بہتر دعا ہے۔ اس

لیے بہ نیت دعا اسے پڑھ لینا چاہیے۔ نیز جن حدیثوں میں فاتحہ پڑھنا آیا ہے۔ ان میں

عمل قرأت پہلی تکبیر کے بعد ہے اور یہ محل ثناء ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ثناء کی جگہ اگر الحمد پڑھا جائے تو درست ہے۔

علی قاری مرقاة میں فرماتے ہیں:

ان الفاتحة لو قرأت مكان الثناء لقامت مقام السنة فاتحة اگر بجائے ثناء پڑھی جائے تو سنت کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ یعنی ثناء ادا ہو جاتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ من السنة کہنے کا مطلب یہی ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ

صحابہ کرام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ پڑھا۔ کسی صحابی سے اس میں الحمد پڑھنا منقول نہیں۔ اگر جنازہ میں الحمد ہوتی تو حضور کے جنازہ پر کوئی صحابی تو پڑھتا۔ اس کے علاوہ اگر جنازہ پر الحمد پڑھنا مروج ہوتا تو ابن عباس جہر پڑھ کر کیوں فرماتے کہ میں نے اس لیے جہر پڑھا ہے تاکہ تم معلوم کرو کہ الحمد پڑھنا سنت ہے معلوم ہوا کہ جہر تعلیم کے لیے تھا اور جنازہ میں فاتحہ فرض نہیں۔

ابن تیمیہ

عون المعبود ج ۳ ص ۱۹ میں ہے۔

قال ابن القيم قال شيخنا ابن تيمية لا يجب قراءة الفاتحة في صلاة الجنازة بل هي سنة انتهى قلت الحق مع الشيخ ابن تيمية والله اعلم۔

ابن قیم کہتے ہیں۔ ابن تیمیہ نے فرمایا کہ جنازہ میں فاتحہ پڑھنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ صاحب عون المعبود فرماتے ہیں کہ حق ابن تیمیہ کے ساتھ ہے۔ ابن قیم کا یہ قول زاد المعاد ج ۱ ص ۲ مطبوعہ مصر میں ہے۔

امام نووی

کتاب الاذکار ص ۲۴ میں لکھتے ہیں۔

والسنة في قراءتها الاسرار دون الجهر
جنازہ کی قراوت میں سنت یہ ہے کہ جی میں پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے۔

شوکانی

نیل الاوطار میں لکھتے ہیں:-

ذهب الجمهور الى انه لا يستحب الجهر في صلوة الجنائز
جمہور (محدثین) اس طرف ہیں کہ جنازہ میں جہر مستحب نہیں۔
اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ جو لوگ جنازہ میں اونچی آواز سے پڑھتے ہیں وہ حدیث
کے علاوہ جمہور محدثین کا بھی خلاف کرتے ہیں۔

ربنا لا تنزع قلوبنا بعد از هدایتنا

ختم پایا فاتحہ مروجہ

کے جوازمیں دلائل

ختم متعارف کی تصویر

- ہمارے ہاں ختم کے چند طریقے مروج ہیں
- (۱) صاحب خانہ اگر خواندہ ہو تو کھانے پر ایصالِ ثواب کی خود ہی دعا مانگ کر کسی مستحق کو دے دیتا ہے۔
- (۲) اگر ناخواندہ ہو تو جس کو دیتا ہے وہ کھانے پر دعا مانگ لیتا ہے۔
- (۳) بسا اوقات صرف کھانا مستحقین کو دے دیتے ہیں کوئی دعا نہیں مانگتا چنانچہ جمعرات و عیدین پر ایسا ہی کرتے ہیں۔
- (۴) صاحب خانہ چند علما و فقہار کی دعوت کرتا ہے۔ ان کے سامنے کھانا رکھا جاتا ہے تو امام مسجد یا کوئی حافظِ قرآن سورہ نکل یا رکوع لایستوی یا آمن الرسول یا کوئی رکوع و سورہ اخلاص و معوذتین و سورہ فاتحہ پڑھتا ہے۔ پھر تمام حاضرین ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ بعد ازاں کھانا کھاتے ہیں یا ساتھ لے جاتے ہیں پڑھنے والا ایک ہوتا ہے لیکن کھانا سب کو دیا جاتا ہے۔
- (۵) بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی بزرگ کو صرف برکت کے لیے بلاتے ہیں وہ کھانے پر دعا مانگتا ہے یا کچھ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتا ہے اور چلا جاتا ہے نہ کچھ کھاتا ہے اور نہ ہی لیتا ہے۔ کھانا غریب و مساکین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے یا کسی دینی مدرسہ میں طالب علموں کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔

طعام سامنے رکھنا

ختم متعارف میں پہلی بات یہ ہے کہ طعام سامنے رکھا جاتا ہے۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ طعام سامنے رکھنا صدقہ کی تملیک کی نیت سے ہوتا ہے اور صدقہ یا ہبہ اس وقت صحیح اور مفید ملک ہوتا ہے جبکہ دوسرے کا، جس کو صدقہ یا ہبہ دیا جاتا ہے قبضہ یا قبضہ پر قدرت ہو چنانچہ در مختار میں لکھا ہے۔

الصدقة كهيئة لجامع التبرع وحیندا لا تصح غیر مقبوضة
اور اسی میں بحوالہ نکتہ لکھا ہے کہ تیرہ عقد میں جو بلا قبض صحیح نہیں
علامہ شامی فرماتے ہیں :

احدها الهبة والثاني الصداقة

نیز در مختار میں ہے :

والتمكن من القبض كالقبض

قبض پر قادر ہونا قبض کی مانند ہے۔

معلوم ہوا کہ ہبہ یا صدقہ میں قبض یا قدرت پر قبضہ ضروری ہے۔ تو جو طعام مستحق
کے سامنے رکھا جاتا ہے وہ قدرت علی القبض بلکہ قبض میں داخل ہے جب کہ وہاں
کوئی مانع نہ ہو۔ لہذا صدقہ یا ہبہ کا فقیر مستحق کے سامنے رکھنا جائز ہوا کہ سامنے رکھنے
سے صدقہ یا ہبہ صحیح ہو جاتا ہے، صدقہ دینے والے کا کہنا کہ میں نے دیا اور لینے والے
کا کہنا کہ میں نے لیا۔ یہ ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن علی التملیک موجود ہیں صدقہ دہندہ
کا دینا اور گیرندہ کا لینا اور قبض کرنا تملیک کا قرینہ ہے اس لیے لفظ کی ضرورت نہیں۔
علامہ شامی ص ۵۸۹ میں لکھتے ہیں :-

افادان التلفظ بالایجاب والقبول لا يشترط بل تكفي القرائن

الدالة على التملیک کم دفع لفقیر شیئاً وقبضه ولو تلفظ

واحد منهما بشئ وكذا يقع في هداية

عالمگیری میں ہے :-

الهبة لا تصح الا بقبول بالقول واستحسن في الصداقة من

غير قبول بالقول الجريان العادة في كافة الاعصار بالتصدق

على الفقراء من غير اظهار هو القبول كذا في القينه -

فقہاء، علیم الرحمہ کے اقوال سے معلوم ہوا کہ صدقہ اور ہبہ میں تملیک اور تملیک
کے لیے قبض یا قدرت علی القبض ضروری ہے۔ ختم مروجہ میں طعام کا بہ نیت تملیک

سامنے رکھنا لینے والے کو قادر علی القبض کرنا جو جائز اور مشروع ہے۔

طعام پر دعائیں گنا

مشکوٰۃ شریف کے باب المعجزات میں حدیث ام سلیم رضی اللہ عنہا موجود ہے۔
قال ابو طلحة لام سليم لقد سمعت صوت رسول الله صلى الله عليه وسلم ضعيفا عرف فيه الجوع فهل عندك من شيء فقالت نعم فاخرجت اقراصا من شعير ثم اخرجت خبازا بها فلفنت الخبز ببعضه۔

ابو طلحہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرسنگی کا حال معلوم کر کے ام سلیم سے کہا: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ انہوں نے جو کی چند روٹیاں پکا کر دوپٹے کے پلے میں باندھیں۔

یہ ایک طویل حدیث ہے۔ آخر یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روٹیوں کو توڑا اور طیدہ کی طرح باریک کر کے برتن کا گھی اس میں ٹپکا دیا۔ پھر آپ نے اس کھانے پر دعا فرمائی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه ما شاء الله ان يقول۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے:

ثم دعا فيه بالبركة

دیکھئے مشکوٰۃ ص ۵۲۹

اب دیکھئے کہ کھانا سامنے ہے اس پر دعا کرنا یا رسول پاک نے جو چاہا اس کا پڑھنا بھی اس حدیث سے ثابت ہے۔

دوسری حدیث

حدیث انس رضی اللہ عنہ میں بروایت بخاری و مسلم آیا ہے:-

انس فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے گھی، کھجور اور اقط کا بادیا بنایا ہوا تھا حضور
 علیہ السلام نے اس پر کچھ پڑھا۔ جو کچھ اللہ نے چاہا۔ پھر آپ دس دس آدمیوں کو بلاتے
 گئے اور کھلاتے گئے۔ یہاں تک کہ سب نے کھا لیا۔ پھر مجھے فرمایا انس اپنا بادیہ اٹھا
 لو۔ میں نے اٹھا لیا۔

فما ادرای حین وضعت کان اکثر ام حین رفعت
 تو میں نہیں جانتا کہ جب میں لایا تھا اس وقت کھانا زیادہ تھا یا اب زیادہ ہے
 جب کہ میں نے اٹھا لیا (متفق علیہ)
 اس روایت سے معلوم ہوا :
 کہ آپ نے طعام پر کچھ پڑھا جو کچھ اللہ نے چاہا۔
 بعد ازاں آپ نے دس دس آدمیوں کی ٹولیوں میں کھانا تقسیم فرمایا۔ اس کے
 باوجود کھانا میں کمی نہ ہوئی۔

تیسری حدیث

عن ابی ہریرۃ قال لما کان غزوۃ تبوک اصاب الناس مجاعة
 فقال عمر یا رسول اللہ ادعہم لفضل انہم ثمر ادع
 اللہ لہو علیہا بالبرکۃ فقال نعوذ عا بنطع فبسط ثم
 دعا بفضل انہم فجعل الرجل یحیی بکف دناءۃ ویحیی
 الاخرۃ بکف تمر ویحیی الاخر بکسرۃ حتی اجتمع
 علی النطع شیی یسیر فدا عا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم بالبرکۃ قال خذوا منی اوہتکم والحدیث رواہ مسلم
 ابوسریرہ کہتے ہیں کہ غزوۃ تبوک میں لوگ جب گرسہ ہو گئے تو حضرت عمر نے عرض
 کیا کہ یا رسول اللہ لوگوں کا بچا کچھا کھانا منگو ایسے اور اس کھانے پر اللہ سے برکت کی
 دعا کیجئے۔ حضور نے فرمایا ہاں۔ آپ نے دسترخوان بچھوایا اور فرمایا کسی کے پاس جو کچھ

بچا ہے، لے آؤ۔ کوئی مٹھی بھر حواریا کوئی مٹھی بھر کھجور لایا کوئی روٹی کا ٹکڑا لے آیا یہاں تک کہ دسترخوان پر پھوڑا بہت ذخیرہ ہو گیا۔ پھر آپ نے اس پر برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا کہ اپنے اپنے برتن بھر لو۔ آخر حدیث تک۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ سامنے رکھے ہوئے طعام پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دعا مانگی جس کی آپ کو ضرورت تھی۔ صاحبِ فاتحہ وہ دعا مانگتا ہے جس کی اس کو ضرورت ہوتی ہے۔ دعا مانگنے میں دونوں برابر ہیں۔ معلوم ہوا کہ کھانے پر دعا مانگنا جائز ہے، منع نہیں۔

چوتھی حدیث

مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۳ میں ہے۔

جو شخص تم پر احسان کرے اگر تم اس کے احسان کا بدلہ نہ دے سکے تو اس کے لیے یہاں تک دعا کرو کہ تم گمان کرو کہ اس کے احسان کا بدلہ ہو گیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

من صنع اليكم معروفا فتموه فان لم تجدوا ما تكافئوه فادعوه حتى تدوا ان قد كافتموه۔

صاحبِ خانہ جو طعام بطورِ صدقہ دیتا ہے، لینے والے پر احسان کرتا ہے اس لیے لینے والے کو چاہیے کہ اس احسان کا بدلہ وہ بھی احسان کرے اگر نہ ہو سکے تو اس کے لیے دعا تو کرے۔ ختمِ مروجہ میں طعام لینے والے کا دعا مانگنا بموجب اس حدیث کے احسان کا مکافات ادا کرنا ہے۔

پانچویں حدیث

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں ایک باب باندھا ہے:

باب الصلوٰۃ الامام ودعاہ لصاحب الصدقة۔

اس پر آیت :

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَيُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلْ عَلَيْهِمْ ۔

دلیل لائے ہیں ۔

اور عبداللہ بن اویخ سے اس کی تائید میں ایک ذکر کرتے ہیں ۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آتَاهُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِهِمْ قَالَ
اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ فُلَانٍ فَآتَاهُ أَبِي بِصَدَقَةٍ فَقَالَ اللَّهُمَّ
صَلِّ عَلَى أَبِي أَوْفَى ۔

حضور علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی قوم صدقہ لے کر آتی تو آپ
ن کے لیے دعا فرماتے۔ چنانچہ ابو اوفی آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے اس
لیے بھی دعا فرمائی ۔
معلوم ہوا کہ لینے والے کو، صدقہ دینے والے کے حق میں دعا کرنا چاہیے ۔

چھٹی حدیث

امام نووی کتاب الاذکار ص ۱۸۱ میں بروایت ابن السنی، عبداللہ بن عمرو بن
عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں :

رَسُولُ كَرِيمٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَسَانِي حَبَّ طَعَامٍ آتَانِي وَأَنَا فِيهِ دَعَا يُرْطِئُهُ
اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مَا رَزَقْتَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ بِسْمِ اللَّهِ

اے اللہ تو نے ہمیں جو رزق دیا ہے، اس میں برکت فرما اور ہمیں عذاب
دوزخ سے بچا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔

حدیث میں ایسی صاف تصریح کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی اعتراض کرتا
ہے تو یہ انصاف سے بعید ہے۔ فاتحہ اور دعا پر اعتراض کرنے سے پہلے اس
روایت پر غور کیا جائے ۔

ساتویں حدیث

علامہ قسطلانی موابہب لدنیہ میں فرماتے ہیں،
 روی البخاری فی تاریخہ عن عبد اللہ بن مسعود من قال
 حین یوضع الطعام بسم اللہ خیر الاسماء فی الارض و فی
 السماء لا یضر مع اسمہ داء اجعل فیہ راحة و شفاء، لم
 یضرہ ما کان -

امام بخاری نے تاریخ میں روایت کیا ہے، عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جب
 کھانا سامنے رکھا جائے تو جو شخص یہ دعا پڑھے:
 بسم اللہ خیر الاسماء الی الخوة،
 تو جو کچھ بھی ہو وہ کھانا اس کو ضرر نہیں دیتا۔
 معلوم ہوا کہ کھانا سامنے رکھے جانے کے بعد کلام پاک کی تلاوت یا دعا کرنا
 حدیث کے عین مطابق ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی کا ارشاد

شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں۔
 مما یدہب داء الطعام المغیر مزاج القلب ان یدعو فی
 اول الطعام ویسأل اللہ تعالیٰ ان یجعلہ عوناً علی الطاعة انتہی
 مزاج قلب کے مخالف کھانے کے ضرر کو دور کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی
 ہے کہ کھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اس کھانے کو اطاعت
 الہی پر مددگار بنائے۔

ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

مذکورۃ الصدر احادیث سے ثابت ہو گیا کہ کھاتے سے پہلے کچھ پڑھنا اور دعا مانگنا سنت کے عین مطابق ہے نہ کہ مخالف۔ یہی بات ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی تو حضور علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ جب دعا فرماتے، ہاتھ اٹھا کر مانگتے تھے۔

پہلی حدیث

جامع الصغیر میں امام سیوطی فرماتے ہیں :
کان اذا دعا جعل بطن كفہ الی وجہہ
آپ دعا فرماتے تو ہتھیلی مبارک منہ کی جانب فرمالیتے۔

دوسری حدیث

سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :-
ان را بکوحی کریو لیست حی من عبدہ اذا رفع یدہ
الیہ ان یردہا صفرا (رواہ الترمذی والبوداؤد)
تمہارا پروردگار زندہ کریم ہے، اسے اپنے بندہ سے شرم آتی ہے کہ جب
بندہ خدا کی طرف ہاتھ اٹھائے تو وہ خالی لوٹائے۔
معلوم ہوا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، قبولیت کی ضمانت ہے۔

تیسری حدیث

مالک بن یسار سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
اذا سالتم اللہ فاسئلواہ ببطون الکفکم ولا تسألواہ بظہورہا۔

جب تم اللہ سے دعا مانگو تو سہیلیاں اٹھا کر دعا مانگو ہاتھ کی پشت اٹھا کر نہ مانگو۔

پونکھی حدیث

ابن عباس کی روایت میں ہے۔
 سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسألواہ بنظہورہا فاذا فرغتم
 فامسحوا بہا وجوہکم (مشکوۃ)
 اللہ سے سہیلیوں سے دعا مانگو اور ہاتھ کی پشت سے نہ مانگو۔ جب دعا سے
 فارغ ہو جاؤ تو سہیلیاں اپنے چہروں پر ملو۔
 حدیث نمبر ۴ اور ۴ سے صاف ظاہر ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگو۔

پانچویں حدیث

ابوداؤد میں قیس بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز
 گھر تشریف لائے اور تین بار سلام فرمایا۔ سعد نے سلام کا جواب آہستہ دیا جو رسول
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا۔ حضور واپس ہو گئے۔ سعد آپ کے پیچھے نکلا
 اور عرض کی :-

انی کنت اسمع تسلمک واراد علیک تحفیا لتکثر علینا من
 السلام قال فانصرف معہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 فامرہ سعد بغسل فاغتسل ثم اولہ ملحفة مصبوغة
 بزعفران اوورث فاشتمل بہا ثم رفع رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم یدایہ وهو یقول اللہم اجعل صلواتک و
 رحمتک علی ال سعد بن عبادۃ قال ثم اصاب رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الطعام۔

میں آپ کا سلام سنتا تھا اور چپکے سے جواب دیتا تھا تاکہ آپ ہم پر کثرت سے سلام کہیں۔ حضور علیہ السلام سعد کے ساتھ واپس آگئے اور غسل کیا تو سعد نے ایک کپڑا زعفران کا رنگا ہوا دیا جو آپ نے اوپر لپیٹ لیا۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے خدا تو سعد بن عبادہ کی آل پر اپنی رحمت نازل فرما۔ (دعا کے بعد) آپ نے کھانا تناول فرمایا۔

اس حدیث میں احسان کرنے والوں کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہے۔ اور وہ بھی کھانا کھانے سے پہلے یہ تو کسی محدث یا مجتہد کے قول سے ثابت نہیں ہوتا کہ اس وقت آپ کے سامنے کھانا حاضر تھا یا نہیں تھا؛ میں کہتا ہوں کہ اگر کھانا حاضر تھا تو فہو المراد۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کھانا سامنے حاضر نہ تھا تو بھی احسان کرنے والوں کے لیے دعا کرنا اور بھی کھانے سے پہلے تو صاف ثابت ہے اور ختم مروجہ میں یہی معمول ہے۔

چھٹی حدیث

نسائی نے قیس بن مخزوم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک رات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باری میرے یہاں تھی۔ آپ دروازہ کھول کر باہر تشریف لے گئے۔ میں آپ کے پیچھے نکلی۔ آپ بقیع میں آئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اموات کے لیے دعا فرمائی۔ حدیث یہ ہے۔

حتى جاء البقيع فرفع يديه

اس حدیث کے اخیر میں آتا ہے، آپ نے فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے اور درخواست کی کہ میں بقیع میں جاؤں اور اموات کے لیے طلب مغفرت کروں۔

فامرني ان اتى البقيع فاستغفر لهم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے مردوں کی بخشش کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی چونکہ ختم مروجہ میں بھی مردوں کی مغفرت کے لیے دعا ہوتی ہے اس لیے

اس میں بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ثابت ہوا۔

ساتویں حدیث

بخاری شریف میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبید ابی عامر کی موت کے بعد ان کی مغفرت کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

عن ابی موسیٰ قال دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعبید بن قیس
ثور فید یہ فقال اللہم اغفر لعیبید ابی عامر۔

ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگو کر وضو فرمایا پھر ہاتھ بلند فرمائے اور دعا فرمائی اے اللہ! عبید ابی عامر کو بخش دے۔
اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مردہ کی بخشش کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مسنون ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی یہ دعا نماز جنازہ کے بعد کھتی پہلے نہ کھتی ختم مروجہ میں بھی تو یہی ہوتا ہے۔

ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں:

یسفاد منہ استحباب التطہیر لاسرادة الدعاء ورافع
الیدین فی الدعاء

اس حدیث سے دعا کے لیے وضو کرنے اور ہاتھ اٹھانے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

فقہائے کرام کی تصریح

فقہا علیہم الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے کہ دعائے رغبت میں دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اموات کے لیے طلب رحمت و مغفرت دعائے رغبت ہے
شامی میں ہے:

دعاء رغبة نحو طلب الجنة

در مختار میں ہے :

دعاء رغبة يفعل كما هو

شامی میں اس کی تفسیر یہ ہے :

ان يبسط يديه نحو السماء

یعنی شرح ہدایہ میں محمد بن الحنفیہ سے روایت ہے :

في دعاء الرغبة يجعل بطون كفيه نحو السماء

دعاے رغبت میں دونوں ہتھیلیاں آسمان کی طرف اٹھائی جائیں۔

دُعَاء کے وقت الحمد اور قل شریف پڑھنا

الحمد شریف اور قل شریف اللہ کی حمد اور توحید و تنزیہ ہے۔ اور ہر حمد و تنزیہ

ثناء و دعا ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے :

کہ کسی نے ابن عیینہ سے پوچھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لا الہ الا

اللہ وحده لا شریک له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير

کو دعا کیوں فرمایا؟ حالانکہ دعائیں طلب ہوتی ہے۔ ان الفاظ میں تو کوئی طلب

نہیں ہے تو ابن عیینہ نے فرمایا :

الثناء على الكريم دعاء

خداوند کریم کی ہر ثناء دعا ہے

معلوم ہوا کہ الحمد شریف اور قل شریف چوں کہ ثناء ہے اور ہر ثناء دعا ہے پس

الحمد شریف اور قل شریف بھی دعائیں داخل ہوئی۔ تو دعائیں ان کا پڑھنا بھی جائز ہوا۔

فتح القدیر کی اصل عبارت یہ ہے :

انه عليه السلام قال خير الدعاء دعاء ما يقال يوم عرفه

وخير ما قلت انا والنبیون من قبل لا اله الا الله وحده لا شریک

لہ، لہ الملك ولہ الحمد وهو على كل شيء قدير وقيل لابن
عینیہ هذا اثناء ندو سماہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
دعاء فقال الثناء على ابيك ربي دعاء لانه يعرف حاجته،
(فتح القدير نو لکثوری ج ۱ ص ۲۷۱، شامی ج ۱ ص ۱۹)

دوسری دلیل

بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا سے
پہلے قرآن کی آیتیں پڑھیں، چنانچہ نسائی میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے
وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا
من المشرکین ان صلاقی ونسلی ومحیای ومماتی لله رب العالمین
لا شریک لہ، وبذا الذ امرت وانا من المسلمین۔ پڑھی۔
پھر یہ دعا پڑھی:

اللھم انت الملك لا اله الا انت انا عبدک ظلمت نفسی
واعترفت بذنبی فاغفر لی ذنوبی جميعا الخ
معلوم ہوا کہ دعا سے پہلے کلام اللہ کی آیات پڑھنا جائز ہے۔ منع نہیں۔
نماز میں بھی اور غیر نماز میں بھی۔
ایصال ثواب کی دعا سے پہلے قرأت قرآن ہونا چاہیے۔ حنیفہ اور متاخرین
شافعیہ دونوں اس امر پر متفق ہیں اور یہی کچھ ختم مروجہ میں ہوتا ہے۔

تیسری دلیل

علامہ شامی ص ۶۶۵ میں شرح لباب سے نقل کرتے ہیں:
ویقرء من القرآن ما تیسر لہ، من الفاتحة واول البقرة الى
المفلحون وایة الكرسي وامن الرسول وسورہ یس و

تبارک الملك وسورة التكاثر والاخلاص اثني عشر مرة او
احد عشر او سبعا او ثلاثا ثلثون ليقول الله واصل ثواب

ما قرأنا الى فلان الخ

قاری سے جو ہو کے قرآن پڑھے اور سورہ بقرہ کا اوّل مفلحون تک، آیت الکرسی
آمن الرسول، سورہ یس، تبارک الذی، سورہ تکوین اور قل شریف بارہ بار یا گیارہ
یا سات یا تین بار پڑھے، پھر کہے اے اللہ جو کچھ میں نے پڑھا ہے اس کا ثواب
فلاں میت کو پہنچا۔

جب کتب فقہ حنفیہ میں الحمد اور قل شریف کا ایصال ثواب کے لیے پڑھنا
ثابت ہے اس لیے ختم پڑھنے والا کبھی ان سورتوں کو پڑھتا ہے کبھی سورہ ملک
کبھی آمن الرسول اور کبھی قرآن کی دیگر سورتیں پڑھتا ہے اور اس کا ثواب میت
کو بخش دیتا ہے۔

چوتھی دلیل

اس میں شک نہیں ان آیات اور سورتوں کی فضیلت اور ان کا موجب
نجات ہونا احادیث صحاح سے ثابت ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔
آپ نے فرمایا جو شخص قرآن کریم کا ایک حرف پڑھے گا اس کو دس
نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ فرمایا اللہ ایک حرف نہیں بلکہ الف حرف
ہے، لام حرف ہے اور میم حرف ہے گویا اللہ پڑھنے سے تیس نیکیوں
کا ثواب ملے گا۔

سورہ فاتحہ کو اعظم سورہ، سبع مثانی اور قرآن عظیم فرمایا گیا۔
قل شریف کو قرآن کے ثلث کے برابر فرمایا۔ تین بار پڑھنے سے پورے قرآن
کا ثواب ہے۔

سورہ ملک کو عذابِ قبر سے نجات دینے والی فرمایا۔
 بیس ایک بار پڑھنے سے دس قرآن کا ثواب ترمذی کی حدیث میں آیا ہے۔
 "امن الرسول کی فضیلت بھی احادیث میں آئی ہے۔
 معلوم ہوا کہ قرآن شریف کی آیات کو خواہ بہ نیتِ قراوت پڑھے یا بہ نیتِ دعا
 ہر طرح عبادت ہے اور بندہ کو اختیار ہے کہ اپنی عبادت کا ثواب اگرچہ دعا ہو غیر
 کو پہنچا دے۔

شامی میں مسطور ہے:

للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوة او صوما او صدقة
 او غيرها۔

فتح القدیر میں ہے:

كتلاوة القرآن والاذکار

عالمگیری کی عبارت ہے:

ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوة كان
 او صوما او صدقة او غيرها كالالحج وقرأة القرآن والاذکار
 وزيارة قبور الانبياء عليهم السلام والشهداء والاولياء
 والصالحين وتكفين الموتي وجميع انواع البر۔

ما سبق عبارات کا خلاصہ ترجمہ ہے:

انسان کو اختیار ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو پہنچائے۔ نماز روزہ ہو یا صدقہ
 ہو، ذکر ہو یا قراوت قرآن، زیارت قبور انبیاء ہو یا تکفین موتی ہو۔ الغرض جمیع اقسام
 حسنات کا ثواب غیر کو بخش سکتا ہے۔

پانچویں دلیل

حدیث بیرام سعدی:

ہذہ لائم سعد سے ثابت ہوتا ہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے نیت کے علاوہ اگر زبان سے بھی کہیں تو مستحب اور موافق حدیث ہے اور ختمِ مردجہ میں یہی ہوتا ہے۔

چھٹی دلیل

حدیث ابو ہریرہ میں آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کون میرے لیے ذمہ کرے کہ مسجدِ اعشار میں دو یا چار رکعت نماز پڑھے اور کہے :

هذه لابی هريرة

اس کا ثواب ابو ہریرہ کے لیے ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ عباداتِ بدنیہ کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے اور ایصالِ ثواب کے لیے زبان سے کہنا جائز ہے۔ ہم پیچھے شرحِ باب سے نقل کر چکے ہیں کہ قرآن شریف کی مختلف سورتیں پڑھ کر یہ کہے۔

اللهم اوصل ثواب ما قرأناه الى فلان

اے اللہ! ہم نے جو کچھ پڑھا ہے اس کا ثواب فلاں شخص کو پہنچا۔

ساتویں دلیل

حدیث شریف میں آیا ہے :

كل ذي بال لا يبدئ به بالحمد لله اقطع وفي رواية

محمد الله وفي رواية بالحمد فهو اقطع وفي رواية كل كلام

لا يبدئ به بالحمد لله فهو اجزم۔ (ادکار نو دی ص ۵۲)

یعنی جو امیر ذی شان الحمد کے ساتھ شروع نہ کیا جائے، وہ اقطع اور

بے برکت ہے۔

مردوں کے لیے دعا اور صدقہ ایک امر ذی بال ہے، اس لیے صدقات

پر الحمد شریف پڑھنا موجب خیر و برکت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ختم مروجہ میں الحمد شریف کی تلاوت بھی کی جاتی ہے۔

شاہ ولی اللہ سے طعام پر فاتحہ کا ثبوت

زبدۃ النصاب کے ص ۱۳۲ میں شاہ صاحب لکھتے ہیں :-
اگر ملیدہ و شیر بریج بنا پر فاتحہ بزرگے بقصد ایصالِ ثواب بروح الیساں
پڑندہ بخوراند مضائقہ نیست جائز است و طعام نذر اللہ اغنیاء را خوردن
حلال نیست و اگر فاتحہ بنام بزرگے داوہ شود پس اغنیاء را ہم خوردن
دراں جائز است۔

انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں شاہ صاحب فرماتے ہیں :-
پس وہ مرتبہ درود خواند ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام
خواجگان چشت عموماً بخوانند و حاجت از خداے تعالیٰ سوال نمایند۔ ہمیں
طور ہر روز می خواندہ باشند۔

اس عبارت میں کھوڑی شیرینی پر فاتحہ کا لفظ پھر ہر روز کا ارشاد قابل غور ہے۔
ہمعات میں شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

ازیں جاست حفظِ اعراسِ مشائخ و مواظبتِ قبور الیساں و التزامِ فاتحہ
خواندن و صدقہ دادن برائے الیساں۔

لفظ التزامِ فاتحہ خواندن قابل غور ہے۔

انفاس العارفین میں شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

حضرت الیساں (یعنی شاہ عبدالرحیم والد ماجد شاہ ولی اللہ در قصبہ ڈالہ
بزیارت مخدوم اللہ دیار فتنہ لودند و شب ہنگام در آں فرمودند کہ مخدوم
صیانت مامیکنند و می گویند کہ چیزے خوردہ روید۔ توقف کروند تا آنکہ
اثر مرسوم منقطع شد و ملال بر بیاراں غالب آمد آنگاہ ز نے بیامد طبق برنج

دشیرنی بر سر و گفت کہ نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہماں ساعت
 ایں طعام پختہ بہ نشیندگان در گاہ مخدوم اللہ دیار سانم۔ در ایں وقت
 آمد۔ ایفاے نذر کردم و آرزو کردم کہ کسے آنجا باشد تا تناول کند۔

شاہ عبدالعزیز سے طعام پر فاتحہ کا ثبوت

شاہ عبدالعزیز تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں:

چنانچہ فاتحہ و قل و درود خواندن طریق متعین است برائے رسانیدن
 ماکولات و مشروبات بارواح۔

اہل اسلام میں فاتحہ، قل اور درود پڑھ کر ماکولات و مشروبات کا ثواب اموات
 کو پہنچانے کا طریق متعین ہے۔

سوالات عشرہ محرم کے سوال نہم کے جواب میں فرماتے ہیں۔

طعام کے ثواب آں نیاز حضرت امین نماند و برآں فاتحہ و قل و درود
 خواند تبرک می شود۔ خوردن آں بسیار خوب است۔

وہ کھانا کہ جس نیاز کا ثواب امین کو پہنچاتے ہیں اور اس پر فاتحہ، قل اور درود
 شریف پڑھتے ہیں، تبرک ہو جاتا ہے جس کا کھانا بہت خوب ہے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ شاہ صاحب نے ایصالِ ثواب کی خاطر کھانے پر الحمد، قل،
 اور درود شریف کے پڑھنے کو باعثِ برکت لکھا ہے اور یہی ختمِ مروجہ میں ہوتا ہے۔
 آپ کا وہ مکتوب جو آپ نے علی محمد خاں رئیس مراد آباد کو لکھا تھا اس میں یہ

عبارت موجود ہے۔

پس بر ما حضر از طعام یا شیرینی فاتحہ خواندہ تقسیم آں بجاظرین مجلس می شود۔

پس ما حضر کھانے یا شیرینی پر فاتحہ پڑھ کر حاضرین مجلس میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

اس میں طعام پر فاتحہ پڑھنے کی صراحت و جود ہے۔

زبدۃ النصارح کے مسئلہ ۴۲ میں فرماتے ہیں۔

آرے زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشاں بامداد ثواب و تلاوت
قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و ثواب است باجماع
علماء (فتاویٰ عزیزی ص ۵۷)

صالحین کی قبروں کی زیارت اور ان سے تبرک حاصل کرنا، تلاوت قرآن،
دعائے خیر اور کھانے و شیرینی کی تقسیم مستحسن امر ہے جو کہ اجماع علماء سے ثابت ہے۔
فتاویٰ عزیزی کے ص ۲۷ میں ہے :-

آنکہ بہیت اجتماعیہ مردماں کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ کنند و فاتحہ بر شیرینی
و طعام نموده تقسیم در میان حاضران نمایند این قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا
خلفائے راشدین نبود۔ اگر کسے اس طور مکبند باک نیست زیرا کہ دریں قسم
قبضہ نیست بلکہ فائدہ احیاء و اموات را حاصل می شود۔

وہ جو اجتماعی صورت میں بہت سے لوگ جمع ہوتے ہیں اور ختم قرآن کرتے ہیں۔
اور کھانے و شیرینی پر فاتحہ پڑھ کر حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں، یہ قسم پیغمبر خدا اور خلفائے
راشدین کے زمانہ میں معمول نہ تھی۔ اگر کوئی شخص اس طرح کرے تو کوئی حرج نہیں
اس لیے کہ اس قسم میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ زندہ اور مردوں کو اس سے
فائدہ پہنچتا ہے۔

تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں :

حضرت امیر و ذریہ طاہرہ اور اتمام امت بر مثال پیران و مرشدان می
پرستند و امور تکوینیہ را وابستہ بالایشاں می دانند و درود و صدقات و نذرنام
ایشان رائج و معمول گردید چنانچہ باجماع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است۔
حضرت امیر اور ذریہ طاہرہ کو تمام اہل امت پیروں اور مرشدوں کی طرح پیار
کرتے ہیں اور امور تکوینیہ کو ان سے وابستہ جانتے ہیں۔ فاتحہ، درود، صدقات اور
ان کے نام کی نذریں (امت) میں رائج اور معمول ہو گئیں چنانچہ تمام اولیاء اللہ سے
یہی معاملہ ہے۔

تفسیر عزیزی میں زیر آیت والقمر اذا اتسق فرماتے ہیں!
 وارد است کہ مردہ در ایں حالت مانند غریقے است کہ انتظار فریاد
 سے می برد و صدقات و اوعیہ و فاتحہ در ایں وقت بسیار بکار اومی آید۔
 وارد ہے کہ مردہ اس حالت میں اس ڈوبنے والے کی مانند ہوتا ہے جو کسی
 فریاد رس کے انتظار میں ہو۔ صدقات دعائیں اور فاتحہ اس وقت مردہ کے بہت
 کام آتی ہیں۔

شاہ صاحب کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ آپ طعام یا شیرینی پر آیات کا پڑھنا
 جائز و مستحسن جانتے تھے اور ختم مردجہ کو حرام یا بدعت نہیں گردانتے تھے۔

مولوی اسماعیل دہلوی سے طعام پر فاتحہ کا ثبوت

مولوی اسماعیل صاحب دہلوی سب سے زیادہ ختم فاتحہ کے منع کرنے میں
 مشہور ہیں لیکن وہ بھی تاریخ اور دن کی پابندی کو منع کہتے ہیں۔ اگرچہ ان کا یہ منع
 بھی بے دلیل ہے۔ لیکن کھانے کے ساتھ فاتحہ پڑھنے کو وہ بھی منع نہیں کہتے۔
 چنانچہ صراطِ مستقیم میں لکھتے ہیں:

نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام و فاتحہ خوانی خوب نیست
 ہر گاہ ایصالِ نفع بمیت منظور وارد و موقوف بر طعام نگذارو اگر میسر باشد
 بہتر است والا صرف ثواب سورہ فاتحہ و اخلاص بہترین ثواب است۔
 یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ مردوں کو کھانے اور فاتحہ خوانی کے ساتھ نفع پہنچانا اچھا

نہیں ہے (یعنی اچھا ہے)۔
 جب میت کو نفع پہنچانا مقصود ہو تو کھانے ہی پر موقوف نہ کرنا چاہیے۔ اگر
 میسر ہو تو بہتر ہے سورہ فاتحہ اور مؤخر اخلاص کا ثواب بہترین ثواب ہے۔
 تقریر ذبیحہ میں لکھتے ہیں:
 اگر شخصے بڑے راقانہ پر در کند تا گوشت او خوب شود اور اذبح کردہ و

پختہ فاتحہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ خواندہ بخوانندہ خلیفہ نیست
اگر کوئی شخص گھر میں بکرا پالے تاکہ اس کا گوشت اچھا ہو اس کو ذبح کر کے
پکائے، حضرت غوث الاعظم کے لیے فاتحہ پڑھ کر کھلائے تو کوئی غلط نہیں۔
جماعت اسماعیلیہ کو لفظ غوث الاعظم پر غور کرنا چاہیے۔

حاجی امداد اللہ صاحب کا فیصلہ

حاجی امداد اللہ صاحب چونکہ شیخ الطائفہ تھے، مولوی رشید احمد صاحب
گنگوہی کے پیرو مرشد تھے۔ امید ہے کہ ان کا فیصلہ ناظرین کے لیے قول مفید
ہوگا۔ ذیل میں ہم ایک طویل عبارت حاجی صاحب کے الفاظ میں نقل کر رہے ہیں امید ہے کہ
انصاف پسند اس کو تسلیم کریں گے۔

حاجی صاحب فیصلہ مفت مسئلہ میں فرماتے ہیں :
اس میں بھی وہی گفتگو ہے جو مسئلہ مولد میں مذکور ہوئی جس کا خلاصہ
یہ ہے کہ نفس ایصالِ ثواب بار و اح اموات میں کسی کو کلام نہیں اس
میں بھی تخصیص و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے با واجب فرض
اعتقاد کرے تو ممنوع ہے۔ اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث
تقیید میت کذا یہ ہے تو کچھ حرج نہیں جب مصلحت نماز میں سورہ
خاص معین کرنے کو فقہائے محققین نے جائز رکھا ہے اور تہجد میں اکثر
مشائخ کا معمول ہے اور تامل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں تو
یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مساکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصالِ ثواب
کی نیت کر لی۔ متاخرین میں سے کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت
ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقت قلب و لسان کے لیے عوام کو
زبان سے کہنا ہی مستحسن ہے۔ اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا
جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر

ہے، پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ "اس کا" مشاۃً الیہ اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو، کھانا روبرو لانے لگے۔ کسی کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کلام الہی بھی پڑھا جائے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جائے گا۔ کہ جمع

بین العبادین ہے۔ ع

چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دوکار

قرآن شریف کی بعض سورتوں میں جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں، پڑھی جانے لگیں۔ کسی نے خیال کیا کہ دعا کے لیے رفع یدین سنت ہے تو ہاتھ بھی اٹھانے لگے۔ کسی نے خیال کیا کہ کھانا جو مساکین کو دیا جائے گا اس کے ساتھ پانی دینا بھی مستحسن ہے، پانی پلانا بھی بڑا ثواب ہے تو پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا۔ پس یہ ہنیت کذابیہ حاصل ہو گئی۔

رہا تعین تاریخ۔ یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو، اس وقت وہ یاد آجاتا ہے اور ضرور ہو کر رہتا ہے۔ نہیں تو سالہا سال گزر جاتے ہیں کبھی بھی نہیں ہوتا۔ اس قسم کی مصلحتیں ہر امر میں ہیں جن کی تفصیل طویل ہے۔ محض بطور نمونہ مخطوط اس بیان کیا گیا ہے۔ ذہین آدمی غور کر کے سمجھ سکتا ہے اور قطع نظر مصالح مذکورہ کے ان میں بعض اسرار بھی ہیں پس اگر یہی مصالح بنائے تخصیص ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ رہا عوام کا غلو تو اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔ اس عمل سے کیوں منع کیا جائے؟ ثانیاً ان کا غلو اہل فہم کے فعل میں موثر نہیں ہو سکتا۔ لہذا اعمالنا ملکہ اعمالکو۔

رہا شبہ تشبہ کا اس میں بحث از بس طویل ہے مختصر اتنا سمجھ

لینا کافی ہے کہ تشبہ اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ
 عادت اس قوم کے ساتھ ایسی مخصوص ہے کہ ہر شخص وہ فعل
 کرے اسی قوم سے سمجھا جائے یا اس پر حیرت ہو اور جب
 دوسری قوموں میں پھیل کر عام ہو جائے تو وہ تشبہ جاتا رہتا ہے
 ورنہ اکثر امور متعلقہ عادات و ریاضات جن غیر قوموں سے ماخوذ
 ہیں مسلمانوں میں اس کثرت سے پھیل گئے عالم درویش کا گھر
 بھی اس سے خالی نہیں۔ یہ امور مذموم نہیں ہو سکتے قصہ تطہیر الہی قبا
 کا اس میں کافی حجت ہے۔ البتہ جو ہیئت عام نہیں ہوئی وہ موجب تشبہ
 ہے اور ممنوع۔ پس یہ ہیئت مروجہ ایصال کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں
 اور گیارہویں حضرت غوث پاک قدس سرہ کی، دسواں، بیسواں، چالیسواں
 ششماہی اور سالیانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ احمد عبدالحق دہلوی رحمۃ
 اللہ علیہ اور حلوائے شبِ برات اور دیگر طریقے ایصال ثواب کے اسی
 قاعدے پر مبنی ہیں اور مشرب فقیر کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ فقیر پابند اس
 ہیئت کا نہیں مگر کرنے والوں پر انکار بھی نہیں کرتا اور جو عمل درآمد اس
 مسئلہ میں رکھنا چاہیے یعنی دو فرقوں کا حل کر رہنا اور مباحثہ اور قیل و
 قال نہ کرنا اور ایک دوسرے کو بدعتی نہ کہنا اور عوام کو غلو اور جھگڑوں
 سے منع کرنا یہ سب بحث مولد میں گزر چکا۔ انتہی
 ناظرین سے درخواست ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب کی تحریر کو بار بار پڑھا
 جائے تاکہ حقیقت حال روشن ہو جائے۔
 واللہ اعلم بالصواب

کَشَفُ الْغِظَاءِ

عَنْ

مَسْئَلَةِ الْيُّدَاءِ

نِدَائِ يَارَسُولَ اللَّهِ

کے جوازی میں دلائل

فقیر البویوسف محمد شریف عرض کرتا ہے کہ درود شریف صَلَّی اللہُ
 عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ یَا اَصْلٰوۃُ وَاٰسَاطِیْمُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ
 اللہِ کی نسبت کئی دفعہ احباب نے پوچھا اور میں نے عرض کیا کہ
 ان الفاظ میں درود شریف پڑھنا جائز ہے۔ بعض احباب نے
 اصرار کیا کہ یہ دلائل معروض تحریر میں لائے جائیں تاکہ عامۃ المسلمین
 کو فائدہ ہو۔

لہذا متوکلاً علی اللہ اس مضمون کو شروع کرتا ہوں۔

آغاز

قرآن حکیم میں مطلق درود شریف پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔ احادیث شریفہ میں بھی مطلق درود پڑھنے کی فضیلت آئی ہے اس لیے درود شریف کا کوئی بھی صیغہ ہو، سب کے پڑھنے سے، پڑھنے والا فضیلت کا مستحق ہو جاتا ہے اگرچہ بعض صیغے بسبب ماثور ہونے یا بسبب احسن ہونے کے ایک دوسرے سے افضل ہوں جس طرح قرآن حکیم کی بعض آیات بہ نسبت بعض دیگر کے ثواب میں افضل ہیں۔ لیکن مطلق فضیلت میں سب یکساں ہیں۔

اگر یہ بات ہوتی کہ جو درود شریف جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے اس کے سوا کسی دوسرے درود شریف کے پڑھنے میں کچھ فضیلت نہیں تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین علیہم الرحمۃ ہرگز درود نئے الفاظ اور نئی عبارت میں نہ پڑھتے اور نہ ہی لکھتے۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے درود شریف کے کئی الفاظ صحیح مروی ہیں جو حضور علیہ السلام کے الفاظ نہیں ہیں۔ اسی طرح تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے کئی ایسے درود ہیں جن کے الفاظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ درود شریف کوئی بھی پڑھا جائے، فضیلت ضرور ہے۔

قَالَ الْحَافِظُ سَخَاوِي تَقْلَاعُنَ الْحَافِظُ ابْنُ سَدِي تَدْرُوِي فِي كَيْفِيَّةِ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَادِيثُ كَثِيرَةٌ وَ زَهَبَ جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ فَمِنْ بَعْدَهُمْ إِلَى أَنَّ هَذَا الْبَابَ لَا يُوقَفُ فِيهِ مَعَ النَّصُوصِ وَأَنَّ مِنْ رِثْقَةِ اللَّهِ بَيَانًا تَابَانِ عَنِ الْمَعَانِي بِالْفَافِ الْفَصِيحَةِ الْمُبَآئِنِ الْقَرِيحَةِ الْمَعَانِي مِمَّا يَعْزُبُ عَنْ كَمَالِ شَرَفِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَظِيمِ حُرْمَتِهِ كَانَ ذَلِكَ وَاسِعًا وَاحْتَجُّوا بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ

اللَّهُ عَنْهُ أَحْسِنُوا الصَّلَاةَ عَلَى نَبِيِّكُمْ فَانْكَرُوا لَا تَدْرُونَ
تَعَلَّ ذَلِكَ يُعْرَضُ عَلَيْهِ - انتهى -

حافظ سخاوی قول بدیع میں حافظ ابن سدری سے نقل کرتے ہیں کہ رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کی کیفیت میں بہت حدیثیں آئی
ہیں اور صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ باب منصوص
پر موقوف نہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ قوت بیانیہ عطا فرماوے اور وہ الفاظ
قصیحہ کے ساتھ درود شریف کو ادا کرے اور ایسے الفاظ کہے جس سے حضور علیہ
السلام کا کمال شرف اور آپ کی عظمت و حرمت ظاہر ہو تو یہ جائز ہے اور
مخوڑین کی دلیل قول ابن مسعود ہے رضی اللہ عنہ کہ انہوں نے فرمایا کہ تم اپنے
بنی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حسین درود پڑھا کرو تم نہیں جانتے شاید یہی درود
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جائے۔ (تو تمہارے حسین الفاظ اور پیارے
پیارے تعریفی جملے آپ دیکھ کر خوش ہوں) دیکھو سعادت الدارین ص ۳۲
محدثین و فقہاء علیہم الرحمة کو دیکھئے کہ وہ اپنی کتابوں میں حضور علیہ السلام کے
نام پاک کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم یا علیہ الصلوٰۃ والسلام یا اور کوئی مختصر لفظ درود
شریف لکھتے ہیں حالانکہ یہ لفظ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور نہیں
جس سے معلوم ہوا کہ علمائے امت کا اجماع ہے کہ درود شریف کے
بارہ میں وسعت ہے جو لفظ بھی ہو فضیلت سے خالی نہیں اور ہر لفظ میں قرآن
شریف کے ارشاد کی تعمیل ہے قرآن کریم میں کسی خاص درود پڑھنے کی بابت حکم نہیں
مطلق حکم ہے کہ درود پڑھو اب درود پڑھنے والا جس صیغے کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کرے
گا جائز ہوگا۔

بلکہ قرآن شریف میں درود اور سلام کا ذکر ہے اس لیے صلی
درود اور سلام | اللہ علیک یا رسول اللہ وسلم علیک یا حبیب اللہ پڑھنے سے یا
الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنے سے دونوں امروں کی تعمیل ہو جاتی ہے۔

درو بھی اور سلام بھی۔ لیکن نماز والا درود شریف پڑھنے میں درود کی تعمیل تو ہو گئی
لیکن سلام رہ گیا۔ سلام کے حکم کی تعمیل نہ ہوئی۔ اس لیے نماز والا درود شریف نماز
میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ نماز میں پہلے سلام پڑھ لیا جاتا ہے یعنی السّلام علیک
ایہا النبی۔ پھر یہ درود شریف پڑھا جاتا ہے تو دونوں حکموں کی تعمیل نماز میں
ہو جاتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز میں درود شریف پڑھنے کی بابت
نماز کا درود حضور علیہ السلام سے سوال کیا تو حضور علیہ السلام نے نماز والا درود

شریف سکھایا چنانچہ ابی مسعود بدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔
قَالَ أَقْبَلَ رَجُلٌ حَتَّى جَلَسَ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَتَحَنُّنٌ عِنْدَهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَقَامَ السَّلَامُ عَلَيْكَ
فَقَدْ عَرَفْنَاكَ فَكَيْفَ نَصَلِّيْكَ عَلَيْهِ إِذَا احْنُ صَلَّيْنَا فِي مَلَائِنَا
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ قَالَ نَصَمْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حَتَّى أَحْبَبْنَا أَنَّ الرَّجُلَ لَوْ يَأْتِيهِ نَقَالُ إِذَا أَنْتُمْ صَلَّيْتُمْ
فَقُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ الْخ

مسند احمد ابن خزمیہ حاکم ابن حبان وارقطنی بہیقی میں یہ حدیث موجود ہے ابن
تیمیہ نے منتقے ص ۶۵ میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے امام نووی شرح صحیح مسلم ص ۵۷
میں اس حدیث کو صحیح فرماتے ہیں۔ ترمذی وابن خزمیہ و حاکم نے اس کو صحیح کہا
وارقطنی نے اس کی سند کو حسن متصل اور بہیقی نے صحیح کہا (سعادة الدارين ص ۵۹)
ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس تھے کہ ایک آدمی آیا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور عرض کی یا رسول اللہ
آپ پر سلام بھیجا تو ہم معلوم کر چکے جب ہم نماز میں آپ پر درود پڑھیں تو کس طرح
پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت نازل فرمائے، راوی کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام
خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ ہم چاہتے تھے کہ یہ آدمی نہ پوچھتا (تو اچھا تھا) آپ نے

فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو (اس طرح) کہو اللہم صل علی محمد الخ
اسی حدیث کی تصریح کے واسطے قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے اسی کو اظہر فرمایا
کہ صحابہ رضی اللہ عنہ نے نماز میں درود شریف پڑھنے کے متعلق پوچھا اور حضور علیہ
السلام نے نماز میں پڑھنے کے لیے یہ درود سکھایا۔

علامہ نووی نے بھی شرح صحیح مسلم میں یہی پسند فرمایا اور کہا۔
هَذَا أَظَاهِرُ اخْتِيَارِ مُسْلِمٍ وَلِهَذَا أَذْكَرُ هَذَا الْحَدِيثَ فِي
هَذَا الْمَوْضِعِ۔

یہی ظاہر ہے کہ مسلم نے بھی اسی کو پسند فرمایا اسی واسطے اس حدیث کو
اس موقع پر بیان کیا یعنی نماز میں تشہد کے موقع پر۔
تحقیق خطاب | رہی یہ بات کہ اس درود شریف میں خطاب ہے اور حضور
علیہ السلام کو مسافت بعیدہ سے خطاب کرنا درست نہیں
اس لیے یہ درود بھی درست نہیں۔

میں سے کہتا ہوں بے بیشک اس میں خطاب ہے لیکن یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام
کو خطاب درست نہیں صحیح نہیں کیونکہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ میں صحابہ کرام اپنے اپنے گاؤں میں شہروں میں گھروں میں نگہیں پڑھتے
تھے اور سب کے سب التحیات میں بصیغہ خطاب السلام علیک ایہا النبی
ہی پڑھتے تھے حالانکہ سب کے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہوتے
تھے اور یہ خطاب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سکھایا

اور اس تاکید سے سکھایا جس طرح کہ آپ قرآن شریف سکھاتے تھے لیکن کسی
صحابی نے حضور علیہ السلام کے سامنے یہ عذر پیش نہیں کیا کہ حضور جب ہم آپ کے
ساتھ جماعت میں شامل ہوتے ہیں تو آپ ہمارے سامنے ہوتے ہیں لیکن جب
ہم سنن یا نوافل گھروں میں پڑھتے ہیں یا سفر میں نماز کا وقت آجاتا ہے یا کسی دوسرے
شہر یا گاؤں میں نماز پڑھتے ہیں تو اس وقت آپ ہمارے سامنے موجود نہیں

ہوتے پھر ہم آپ کو بصیغہ خطاب السلام علیک ایہا النبی کس طرح پڑھیں
کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو ہمارا سلام
پہنچتا ہے بذریعہ فرشتوں کے یا خدا تعالیٰ کے سنا دینے سے۔ اور یہ خطاب نہ
صرف آپ کے زمانہ میں تھا بلکہ بعد وصال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی امت
میں اسی طرح مروج رہا اور سب اسی التحیات کو پڑھتے رہے اور پڑھتے ہیں۔

صدیق اکبر و عمر فاروق و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم برسر منبر علی روس الاشہاد
اپنی اپنی خلافتوں میں اسی تشہد خطاب ولے کی تعلیم دیا کرتے تھے صحابہ میں سے
اگر کسی صحابی کو ندایں کلام ہوتا تو ضرور انکار کرتے معلوم ہوا کہ جواز ندایہ صحابہ کا اجماع تھا
خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے علقمہ کو اسی خطاب کے صیغہ کے
ساتھ التحیات سکھایا اور انہی سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ کو بصیغہ خطاب پہنچا
رفیع القدیر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس تشہد کے ایک ایک حرف کی
بابت گرفت کرتے تھے اور کمی بیشی منع سمجھتے تھے۔

البتہ جو صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعود سے آیا ہے۔
ایک اعتراض کا جواب | فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا السَّلَامَ بِعَنِّي عَلَى النَّبِيِّ اس کا

جواب یہ ہے کہ التحیات کی روایت عبداللہ بن عباس و عمرو ابن عمرو و جابر و ابو موسیٰ
اشعری و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے منقول ہے سب میں لفظ السلام علیک
ایہا النبی ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے شقیق اور علقمہ و اسود و ابوالاحوص
و ابو عبیدہ و عبداللہ بن سجرہ روایت کرتے ہیں لیکن کسی نے بحر عبداللہ بن سجرہ
خطاب چھوڑنے کا ذکر نہیں کیا۔ عبداللہ بن سجرہ سے اعمش اور سیف بن سلیمان
روایت کرتے ہیں۔ اعمش کی روایت میں بھی یہ فقرہ نہیں صرف سیف کی روایت
میں ہے اور سیف اگرچہ ثقہ ہے لیکن یحییٰ بن معین اس کو قدری فرماتے ہیں جب
جمع صحابہ سے طبقہ بعد طبقہ اس وقت تک وہی تعلیم بصیغہ خطاب چلی آتی ہے۔

حتیٰ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی بجز اس روایت کے جو سیف سے ہے۔
 بلفظ خطاب ہی مروی ہے تو روایت سیف معمول بہا نہیں ہوگی کیونکہ رسول
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف ہے اور صحابی کا قول جب کہ سنت کے
 برخلاف ہو حجت نہیں ہوتا۔ پس روایات مرفوعہ کے خلاف قول ابن مسعود حجت
 نہیں ہو سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حدیث میں نہیں فرمایا کہ میری
 وفات کے بعد مجھے السلام علیک کے السلام علی النبی پڑھنا بلکہ حضور علیہ السلام
 جانتے تھے کہ صحابہ کرام و دیگر مسلمان شرق و غرب میرے انتقال کے بعد نمازیں
 پڑھیں گے اور اسی طرح پڑھیں گے جس طرح کہ میں نے سکھایا ہے اور اس خطاب
 کو اپنی حیات ظاہری کے ساتھ مقید نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام
 اس خطاب کو پسند فرماتے تھے۔

ملا علی قاری مرقاة شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

أَمَّا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ كُنَّا نَقُولُ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ فَلَمَّا قُبِضَ عَلَيْهِ السَّلَامُ
 قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ فَهُوَ رَوَايَةُ أَبِي عَوَانَةَ وَرَوَايَةُ الْبُخَارِيِّ
 الْأَصَحُّ مِنْهَا بَيِّنَتْ أَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ بَلْ
 مِنْ فَهُوَ الرَّاَوِيُّ عَنْهُ وَنَفْظُهَا فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا سَلَامٌ لِعَبْدِ اللَّهِ
 النَّبِيِّ فَقَوْلُهُ قُلْنَا سَلَامٌ يُحْتَمِلُ أَنَّهُ أَرَادَ بِهِ اسْتِمْرَارَ تَابِهِ عَلَى
 مَا كُنَّا عَلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ وَيَحْتَمِلُ أَنَّهُ عَرَضْنَا عَنْ الْخَطَابِ
 وَإِذَا احْتَمَلَ اللَّفْظُ لَعَرِيقٍ فِيهِ دَلَالَةٌ كَذَا ذَكَرَهُ ابْنُ حَجَرٍ انْتَهَى

یعنی ابو عوانہ کی روایت میں آیا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کا انتقال ہوا تو
 ہم نے السلام علی النبی کہنا شروع کیا اور بخاری کی روایت نے جو اس سے
 اصح ہے بیان کر دیا ہے کہ السلام علی النبی کہنا ابن مسعود کا قول نہیں بلکہ راوی
 کا فہم ہے (یعنی بخاری لا قالہ ابن حجر بخاری کا لفظ یہ ہے کہ جب آپ قبض کیے

گئے کہا ہم سلام یعنی علی بنی - تو یہ قول کہ کہا ہم نے سلام دو احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس قول سے یہ ارادہ ہو کہ ہم اسی سلام پر رہے جس پر حضور علیہ السلام کی زندگی میں تھے یعنی السلام علیک پر دوسرا احتمال یہ ہے کہ ہم نے خطاب چھوڑ دیا تو جب احتمال آگیا - دلالت باقی نہ رہی اسی طرح ابن حجر نے ذکر کیا ہے الخ -

بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ تشہد نماز میں پڑھتے تھے -

التحيات لله والصلوة لله الزاکیات لله السلام على النبي الخ
تو معلوم ہوا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی خطاب چھوڑ دیا تھا اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں آپ کی زندگی میں خطاب چھوڑنے کا کوئی ذکر نہیں اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس حدیث میں نافع اپنے زمانہ کی خبر دیتا ہے کہ ابن عمر یہ تشہد پڑھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نافع کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا زمانہ نہیں علاوہ اس کے اس روایت میں چند امور ایسے ہیں جو تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں اور تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ اصح مانا گیا ہے اسی واسطے زر قانی لکھتا ہے -

فَمَالِكٌ لَا يَقُولُ بِمَا فِي خَيْرِ ابْنِ عَمْرٍ هَذَا هِيَ السُّمْلَةُ فِي أَوَّلِهِ
وَأَبَدًا اللَّهُ أَشْهَدُ بِشَهْدَتِي وَالدُّعَاءُ فِي الشَّهَادَةِ الْأَوَّلِ وَاعَادَةِ
السَّلَامِ عَلَى النَّبِيِّ وَالصَّالِحِينَ بَعْدَ الدُّعَاءِ وَقَبْلَ السَّلَامِ وَأَبَدًا
عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ بِالسَّلَامِ عَلَى النَّبِيِّ (زر قانی)

امام مالک رحمۃ اللہ اس تشہد کا قائل نہیں جو ابن عمر کی حدیث میں ہے یعنی پہلے بسم اللہ اور اشہد کے بدلہ میں شہادت اور تشہد اول میں دُعا اور نبی اور صالحین پر سلام کا اعادہ دُعا کے بعد سلام سے پہلے اور عینک ایسا نبی کو السلام علی بنی سے بدل کرنا یعنی اس تشہد میں اس قدر کمی بیشی ہے۔ امام مالک اس کا قائل نہیں (زر قانی شرح موطا)

علاوہ ازیں موطا امام محمد میں یہی نافع ابن عمر سے بصیغہ خطاب روایت کرتے ہیں عبدالحی لکھنوی حاشیہ موطا میں فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کے نسخوں میں ایسا ہی بصیغہ خطاب دیکھا ہے البتہ زرقانی نے بغیر خطاب نقل کیا ہے۔ اور یہ سمجھنا کہ بعض صحابہؓ نے لفظ خطاب کو مشوب باثائبہ شرک سمجھ کر چھوڑ دیا۔ رحم بالغیب ہے اور بالکل غلط کیوں کہ اس میں اگر کچھ بھی شرک کا ثائبہ ہوتا تو سب صحابہ رضی اللہ عنہم اس لفظ کو بدل دیتے کوئی صحابی بھی بصیغہ خطاب نہ پڑھتا بلکہ خود ابن مسعود و ابن عمر رضی اللہ عنہما و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی حیات ظاہری میں ہی آپ سے غائب و بعید ہونے کی صورت میں اس لفظ کو چھوڑ دیتے۔ لیکن آپ کی دنیوی زندگی میں کسی صحابی کا لفظ خطاب چھوڑنا ثابت نہیں نیز اگر اس میں کوئی ثائبہ شرک ہوتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیوں اس کی تعلیم فرماتے یا اگر تعلیم بھی فرمایا تھا تو تصریح فرما دیتے کہ یہ صیغہ اس وقت پڑھا کر وجب میں تمہارے سامنے حاضر ہوں یا میری وفات کے بعد اس کو چھوڑ دینا نہیں بلکہ حضور علیہ السلام نے عام فرما دیا تھا۔

إِنَّ إِلَهَ مَلَائِكَةٍ يُبَلِّغُونَ عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں جو میری امت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی اس حدیث کا علم ہوگا۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان جواز کے لیے خطاب چھوڑا ہو تاکہ کوئی دہم نہ کرے کہ بجز خطاب التحیات درست ہی نہیں۔

قَالَ السُّبُّكِيُّ فِي شَرْحِ الْمُنَهَاجِ بَعْدَ أَنْ ذَكَرَ هَذِهِ الرَّوَايَةَ مِنْ عِنْدِ أَبِي عَوَانَةَ وَحَدَّثَهُ أَنَّ هَذَا عَنْ الْقَحَابَةِ ذَلِكَ عَلَى أَنَّ الْخُطَابَ فِي السَّلَامِ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُ وَاجِبٍ

(تعلیق المجد)

علامہ سبکی شرح منہاج میں ابو عوانہ کی حدیث بیان کر کے لکھتے ہیں کہ اگر

صحابہ سے یہ (ترک خطاب) صحیح ہو جائے تو اس بات پر دلالت کرے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریعت کے بعد سلام میں خطاب واجب نہیں (بلکہ خطاب بھی جائز ہے) (تعلیق المجد عاشیہ موطا محمد)

خطاب حکایت کی تحقیق کہتے ہیں کہ التحیات میں جو خطاب ہے حکایت ہے یعنی السلام علیک ایہا البنی شب معراج میں خدا تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو کہا ہم اس واقعہ کی حکایت کرتے ہیں خطاب مقصود نہیں ہم یہ شبہ ایسے لوگوں سے سنتے ہیں جو مدعی عمل بالحدیث ہیں جن کا یہ قول ہے ”کسی کا ہو رہے کوئی نبی کہہ ہو رہے ہیں ہم“ لیکن انفس کہ وہ التحیات کے متعلق کوئی ایسی حدیث بسند صحیح نہیں دکھاسکتے جس میں یہ ذکر ہو کہ شب معراج میں خدا تعالیٰ نے ایسا کہا اور حضور نے یہ کہا جبریل نے یہ کہا میں نے بعض سیر کی کتابوں میں ایسا لکھا دیکھا ہے۔ لیکن باوجود تلاش مجھے اس کی تخریج نہیں ملی۔ عرصہ ہوا کہ مولوی حکیم ابوتراب عبدالحق صاحب ایڈیٹر اخبار اہل سنت نے اپنے اخبار میں یہی مضمون لکھا۔ میں نے ان سے بذریعہ کارڈ دریافت کیا کہ یہ حدیث کس کتاب کی ہے جواب آیا کہ میں اس کی تلاش میں ہوں۔ اگر مل گئی تو لکھوں گا جتنک انہوں نے بھی کوئی پتہ نہیں لکھا۔

بہر حال اگر شب معراج میں ایسا واقعہ گذرا ہو تو کچھ بعید نہیں لیکن اس پر کیا دلیل ہے کہ ہم جو التحیات پڑھتے ہیں اس میں حکایت مقصود ہے الشارح نہیں۔ اگر حکایت ہی مقصود ہے تو پھر نازی کی طرف سے نہ التحیات ہو نہ سلام نہ حضور علیہ السلام پر نہ صالحین پر نہ اشدان لا الہ الا اللہ پڑھنے سے توحید کی شہادت ہوئی بلکہ معراج کی حکایت ہوئی حالانکہ حکایت سمجھنا کئی وجوہ سے باطل ہے۔

- ۱۔ محکی عنہ بسند صحیح ثابت نہیں یعنی معراج کی رات میں ایسا ہونا۔
- ۲۔ تشہد کی تعلیم والی کسی حدیث میں نہیں آیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہو کہ یہ مخاطبہ شب معراج ہوا تھا اس کو بطور حکایت پڑھنا۔
- ۳۔ منکرین مانتے ہیں کہ بعض صحابہ نے خطاب چھوڑ دیا تھا پس اگر خطاب حکائی

تھا تو کیا ان صحابہ کو اس کا حکانی ہونا معلوم نہ تھا پھر کیوں خطاب کو ترک کیا؟
 ۴۔ اگر یہ خطاب حکانی ہوتا تو محدثین اس خطاب کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کے خصائص میں کیوں لکھتے حکایت میں کوئی خصوصیت نہیں قرآن کریم میں
 یا عیسیٰ یا آدم یا موسیٰ بلکہ یا ہامان بھی آتا ہے جو حکائتا نمازیں پڑھا
 جاتا ہے۔ اگر حضور علیہ السلام کا خطاب بھی حکائتا ہے تو پھر خصوصیت نہ رہی
 معلوم ہوا کہ یہ خطاب بطور انشاء ہے۔ اسی واسطے حضور علیہ السلام کے خصائص
 سے ہے کہ نمازیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کو خطاب بطور
 انشاء درست نہیں۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں۔

فَإِنْ قِيلَ كَيْفَ شَرَعَ هَذَا اللَّفْظَ وَهُوَ خِطَابٌ بِشَرِّهِمْ أَنَّهُ
 مِنْهُمْ عَنَّا فِي الصَّلَاةِ فَالْجَوَابُ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ خِصَائِهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. مَلَّا عَلَى قَارِي مِرْقَاتٍ فِي فُرَاتٍ هِيَ
 وَجَوَازُ الْخِطَابِ مِنْ خُصُوصِيَّاتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذْ لَوْ قِيلَ
 بغيرِهِ حَاضِرًا أَوْ غَائِبًا السَّلَامُ عَلَيْكَ بَطَلَتْ صَلَوَتُهُ.

دونوں سورتوں کا حاصل ترجمہ یہ ہے کہ نمازیں خطاب رسول کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے اگر حضور علیہ السلام کے سوا کسی اور کو خواہ
 وہ حاضر ہو یا غائب السلام علیک کہے تو کہنے والے کی باطل ہو جائے گی۔
 اسی طرح ابن حجر نے فتح الباری اور سیوطی نے خصائص میں اور قسطلانی نے
 مواہب میں ذکر کیا ہے۔

۵۔ حدیث تشہد میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

فَإِنَّهُ إِذَا قَالَ ذَلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.

یعنی جب بندہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہتا ہے تو ہر بندہ صالح
 جو زمین و آسمان میں ہے سب کو یہ پہنچتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے اس جملہ تشریف کے فرمانے سے حکایت کے خیال کو بالکل تلع قمع فرمادیا۔ اگر تشہد میں الشانہ ہوتا تو زمین آسمان کے صالحین بندوں پر سلام کیسے پہنچتا سلام تو مقصود ہی نہ تھا۔ وہ تو حکایت تھی پھر پہنچتا کیا اسی واسطے علامہ سبکی نے فرمایا ہے۔

إِنَّ فِي الصَّلَاةِ حَقًّا لِعِبَادٍ مَعَ حَقِّ اللَّهِ وَإِنَّ مَنْ تَرَكَهَا أَخْلَعَ بِحَقِّ جَمِيعِ الْمُؤْمِنِينَ مَنْ مَضَى وَمَنْ يَجِيئُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ يُوجِبُ قَوْلُهُ نِيَهَا السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ (فتح الباری) اور کہا قتال نے۔ تَرَكَ الصَّلَاةَ يَضُرُّ لَجَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ لِأَنَّ الْمُصَلِّيَّ أَنْ يَقُولَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا بُدَّ أَنْ يَقُولَ فِي التَّشَهُدِ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ فَيَكُونُ مُقْصِرًا بِخِدْمَةِ اللَّهِ وَفِي حَقِّ رَسُولِهِ وَفِي حَقِّ نَفْسِهِ وَفِي حَقِّ كَافَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَلِذَا أَيْدَكَ عَظَمَتِ الْمُعْصِيَّةُ بِتَرْكِهَا۔ (فتح الباری)

یعنی نماز میں خدا کے حق کے ساتھ بندوں کا بھی حق ہے کیونکہ تشہد میں السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کا پڑھنا واجب ہے۔ پس جس شخص نے نماز ترک کی اس نے تمام مسلمانوں کے حقوق کو پس انداز کر دیا اور وہ نہ صرف خدا کی خدمت سے قاصر رہا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کرنے میں اور اپنے نفس کا حق اور تمام مسلمانوں کا حق ادا کرنے میں قاصر رہا۔ اس لیے ترک نماز بڑا کبیرہ گناہ ہے۔ ۴۔ محققین نے تصریح فرمائی ہے کہ تشہد میں حکایت کا قصد نہ کرے، علامہ

شامی فرماتے ہیں۔ ورنہ مختار میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ بحر الرائق میں ہے۔ لَا يَقْصِدُ الْأَخْبَارُ وَالْحِكَايَةَ عَمَّا وَقَعَ فِي الْمَجْرَجِ إِنَّمَا ذَكَرْنَا بَعْضَ مَعَانِي التَّشَهُدِ لِمَا أَنَّ الْمُصَلِّيَّ يَقْصِدُ بِهِ هَذِهِ الْأَلْفَاظَ مَعَانِيهَا مُرَادَةً لَهُ عَلَى وَجْهِ الْأَنْشَاءِ مِنْهُ كَمَا صَرَّحَ بِهِ

فِي الْمُجْتَبِ بِقَوْلِهِ وَلَا بُدَّ مِنْ يَقْصِدَ بِالْفَظِ التَّشْهَدِ مَعْنَاهَا
الَّتِي وَضَعَتْ لَهَا مِنْ عِنْدِهِ كَأَنَّهُ يُحْيِي اللَّهَ وَيُسَلِّمُ عَلَى
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى نَفْسِهِ وَأَوْلِيَائِهِ أَنْتَهَى
وَعَلَى هَذَا إِذَا ضَمِيرُ فِي قَوْلِهِ السَّلَامُ عَلَيْنَا عَائِدٌ إِلَى الْحَاضِرِينَ
مِنَ الْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ وَالْمَلَكَةِ كَمَا نَقَلْنَا فِي الْغَايَةِ عَنِ النَّوَوِيِّ
وَأَسْتَحْسَنَهُ وَبِهَذَا أَيْضَعْتُ مَا ذَكَرَاهُ فِي السَّرَاجِ الْوَهَّاجِ
أَنَّ قَوْلَهُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ حِكَايَةُ سَلَامٍ مِنَ
الْمُصَلِّي عَلَيْهِ (بحر الرائق ص ۳۲۵ ج اول)

ہم نے بعض معانی تشدد اس لیے ذکر کیے ہیں تاکہ نمازی ان الفاظ سے اُن
کے معانی کا قصد کرے جو بوجہ الشارح اس کی مراد میں ہوں جیسا کہ مجتبیٰ میں تصریح
ہے کہ ضرور ہی نمازی الفاظ تشدد میں اُن کے معانی کا جن کے لیے وہ الفاظ وضع
کیے گئے ہیں اپنی طرف سے قصد کرے گا گو یا وہ نمازی اللہ تعالیٰ کو تحیت کہتا
ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے اور اپنے نفس پر اور خدا کے
دوستوں پر تو اس بنا پر السلام علینا میں جو ضمیر ہے اس کا مرجع حاضرین کی طرف
پھرتا ہے جو امام و مقتدی اور ملائکہ ہیں جیسے غایہ میں نووی سے منقول ہے اور
اسے مستحسن سمجھا اس تقریر سے سراج الوہاج کے اس قول کا ضعف ثابت ہو گیا اس
نے لکھا ہے کہ السلام علیک ایہا النبی میں اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت ہے
نمازی کی طرف سے ابتدا سلام نہیں۔ انتہی مافی البحر الرائق۔

۷۔ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب آیت ان اللہ وملتکے نازل ہوئی
تو صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ سلام کا طریقہ تو ہم نے جان لیا صلاۃ کا ارشاد
فرمائیے۔

چنانچہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے۔

قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ قَدْ عَلِمْنَاهُ فَكَيْفَ

الصَّلَاةُ قَالَ تَوَكَّلُوا اللَّهَ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ الْخ
 کہا اُس نے ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ہم نے سلام کہنا تو معلوم کر لیا ہے
 درود کس طرح بھیجیں تو آپ نے فرمایا پڑھو اللھو صل علی محمد الخ
 اور سلام کا طریقہ جس کی نسبت صحابہؓ نے عرض کی کہ ہم نے جان لیا ہے
 وہ تشہد کا سلام ہے امام نووی فرماتے ہیں۔

أَمَّا السَّلَامُ فَكَمَا عَلِمْتُمْ فِي الشَّهَادَةِ وَهُوَ تَوَلَّاهُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا
 النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ (نودی شرح مسلم)
 سلام جیسے تم نے تشہد میں جان لیا اور وہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ
 وبرکاتہ ہے۔

امام سخاوی نے قول البیہق میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔
 معلوم ہوا کہ صحابہ علیہم الرحمۃ کے نزدیک یہ سلام حکایتانہ تھا بلکہ انشائی تھا۔
 کیونکہ آیت صلوا علیہ وسلموا کے امر کے امثال میں صحابہؓ نے اس کو قرار
 دیا اور ظاہر ہے کہ امثال امر کے لیے انشائی ہی ضرورت ہے حکایت مفید نہیں
 معلوم ہوا کہ صحابہ رحمہم اللہ اس خطاب کو حکائی نہیں سمجھتے تھے اور کسی روایت میں
 صحابہ سے یہ تصریح بھی نہیں کہ ہم خطاب حکائی سمجھ کر پڑھتے ہیں پھر معلوم نہیں کہ
 حضرات معترضین کس بنا پر اس خطاب کو حکائی سمجھتے ہیں۔

۸۔ علامہ زرقانی نے طیبی سے نقل کیا ہے کہ نمازیوں نے جب التحیات کے
 ساتھ عالم ملکوت کا دروازہ کھولا تو ان کو اندر آنے کی اجازت مل گئی۔ پھر
 مناجات کے ساتھ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں تو ان کو تنبیہ کی گئی کہ تمہیں
 یہ اجازت اور باریابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ اور انکی متابعت
 کی برکت سے حاصل ہوئی۔ نمازیوں نے التفات کیا تو دیکھا کہ حضور علیہ السلام
 بارگاہ الہی میں حاضر ہیں تو السلام علیک ایہا النبی کہتے ہوئے حضور علیہ السلام
 کی طرف متوجہ ہوئے۔ حافظ ابن حجر نے اہل عرفان کے اس طریقہ پر طیبی

نے نقل کیا ہے کچھ اعتراض کیا ہے۔ علامہ زرقانی اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

لَكِنَّ الْمَقَرَّ رَافِي الْفُرُوعِ اِنَّمَا يُقَالُ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ
وَلَوْ بَعْدَ وَفَاتِهِ اِتِّبَاعًا لِأَمْرِهِ وَتَعْلِيمِهِ فَنَمَتِ النُّكْتَةُ اَتَمًى۔

یعنی فروع میں مقرر ہو چکا ہے کہ السلام علیک ایہا النبی ہی پڑھا جاوے اگرچہ آپ کی وفات کے بعد ہی ہو اس لیے کہ آپ کے اسرار تعلیم کا اتباع ہے تو طبیہ کا نکتہ پورا ہوا۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ یہ خطاب حکامی نہیں اور یہ نکتہ نہایت عجیب ہے۔ امام شعرانی نے میزان میں لکھا ہے کہ شارح نے اس لیے درود اور سلام کا التمیات میں نمازی کو امر فرمایا ہے تاکہ غافلوں کو آگاہی ہو کہ جس پر درودگار کے حضور میں بیٹھے ہو اس دربار میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود ہیں۔

فَانَّهُ لَا يُفَارِقُ حَضْرَةَ اللَّهِ أَبَدًا اِنْفِخَاطِيُونَهُ بِالسَّلَامِ مُشَافَهَةً۔

کیونکہ حضور علیہ السلام بارگاہ الہی سے کبھی الگ نہیں ہوتے پس نمازی آپ کو سلام کے ساتھ سامنے خطاب کرتے ہیں۔

صدیق حسن بہو پالوی مسک الختام شرح بلوغ المرام جلد اول میں لکھتے ہیں۔
”وجہ خطاب بہ آنحضرت بحجت البقائے اس کلام است برآنچه در اصل بودیکہ
شب معراج از جانب پروردگار تعالیٰ و تقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطابت سلام
آمد پس آنحضرت در حین تعلیم امت نیز برہاں لفظ اصل گذاشت تا ایشان را مذکر آن
حال گردود۔ و نیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومنان و قرۃ العین عابدان است در
جميع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادات و نورانیت و انکشاف دریں محل بیشتر
و قوی تر است و بعضی از عرفا قدس سر ہم گفتہ اند کہ ایں خطاب بحجت ہر یان حقیقت
محمدیہ است علیہ الصلوٰۃ والسلام و در ذرات موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم در ذوات مصلیان موجود و حاضر است پس مصلی باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد

وازیں شہود غافل بنو و تا با نوار قرب اسرار معرفت منور و فائض گردور

در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست

مے بنیت عیان و دعائے فرست

یعنی اس خطاب کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح یہ کلام معراج کی رات میں ہوئی اسی اصل پر باقی رکھی شب معراج میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام کا خطاب ہوا تو حضور علیہ السلام نے امت کی تعلیم کے وقت اسی لفظ سے تعلیم فرمایا تاکہ امت کو حالت معراج کا واقعہ یاد رہے۔ نیز خطاب کی یہ وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مومنوں کے نصب العین اور عابدوں کے قرۃ العین ہیں ہر حالت اور ہر وقت میں خصوصاً عبادات میں (تو حضور علیہ السلام عابدوں کے نصب العین ضرور رہتے ہیں) اور اس وقت نورانیت اور کشف زیادہ قوی ہوتا ہے (گویا یہ خطاب حضور علیہ السلام کو بالمشافہ ہے) اور بعض عارفین نے کہا ہے کہ یہ خطاب اس لیے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرہ ذرہ ممکنات کے تمام افراد میں موجود ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر میں تو نمازی کو چاہیے کہ ان معنوں سے آگاہ ہو اور اس شہود سے غافل نہ ہو تاکہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار سے منور و فائز ہو ہاں عشق کے راہ میں قرب و بعد نہیں ہم تجھے دیار سول الشاہد دیکھتے ہیں اور دعا بھیجتے ہیں۔ اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خطاب حکامی نہیں بلکہ یہ خطاب حاضر کو ہے یہ شہود جو صدیق حسن اور شیخ دہلوی نے لکھا ہے۔ عجب نہیں کہ زمانہ حال کے مدعیان عمل بالحدیث اس کو شرک کہیں۔

۹۔ حضرت امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔

وَ احْفَظْنِي قَلْبَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ شَخْصَهُ
الْكِرِّيَّ وَ قُلْ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَاحِمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ

تو اپنے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کو حاضر کر اور
کہہ السلام علیک ایہا النبی ۔

دیکھئے اگر خطاب حکائی ہوتا تو غزالی اس تصور کی ہدایت نہ کرتے۔ اس تحقیق سے
ثابت ہوا کہ ایہا النبی میں خطاب حکائی نہیں حضور علیہ السلام نے صحابہ کو سکھایا اکثر
صحابہ وتابعین و تبع تابعین و آئمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کا اسی تشہد خطاب والے
پر عمل رہا اور کسی سے اس پر انکار ثابت نہیں ہوا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی انکار
ثابت نہیں البتہ ترک خطاب ہے اور وہ بھی محتمل کما مر عن المرقاۃ اور آپ کا علم
تابعی کو یہی تشہد سکھانا اس بات پر دلیل ہے کہ آپ کا بعد وصال آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اسی تشہد پر عمل ہو گیا تھا گو پہلے بیاننا لہجہ از آپ نے ترک خطاب کیا ہو۔
فتح الباری میں ابن عباس و ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا مکالمہ درج ہے ۔

قال ابن عباس انما کنا نقول السلام علیک ایہا النبی اذ کان
حیا فقال ابن مسعود هکذا اعلما و هکذا الغلو ۔

ابن عباس نے کہا کہ ہم حضور علیہ السلام کی زندگی میں السلام علیک ایہا النبی
کہتے تھے۔ تو ابن مسعود نے فرمایا اسی طرح (بصیغہ خطاب) ہم سکھائے گئے اور اسی
طرح ہم سکھاتے ہیں۔ (فتح الباری ص ۲۵۳)

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسی تشہد خطاب والے
پر قائم رہے اگرچہ حافظ نے اس پر کلام کیا ہے کہ ابو عئیدہ اپنے باپ کی حدیث کا
دوسروں سے زیادہ اعلم ہے اگرچہ حدیث ضعیف بھی ہو تو بھی معمر کی روایت کے
مخالفت نہیں بلکہ اس کی روایت میں جو قلنا السلام یعنی علی النبی ملا ہے اس میں
دو احتمال ہیں کما مر عن المرقاۃ اور یہ مکالمہ ایک احتمال کی تائید کرتا ہے پس کوئی
تعارض نہ ہوا ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بطریق صحیحہ موقوفاً و مرفوعاً یہی ثابت ہے کہ وہ بھی بصیغہ
خطاب پڑھتے پڑھاتے رہے موطا میں جو نافع نے ان سے ترک خطاب روایت کیا

ہے موطا امام میں وہ روایت بھی بصیغہ خطاب ہی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مسلم شافعی ترمذی نے مرفوعاً یہی تشدد روایت کیا ہے توجیب نماز میں جو اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے حضور علیہ السلام کو خطاب درست ہے تو خارج از نماز کیوں درست نہ ہوگا۔ اگر اس خطاب میں تشابہ شرک ہوتا تو خود حضور علیہ السلام منع فرما دیتے۔ یا اگر اس میں تشبہ بالمشرکین ہوتی یا بطریق تنزل اس تشبہ کو حضور علیہ السلام منع خیال فرماتے تو ضرور منع فرماتے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے بعض امور کو بوجہ تشبہ منع فرمایا بلکہ ایسے خطاب کی نماز میں ہرگز اجازت نہ دیتے جس میں بقول منکرین تشبہ بالمشرکین پائی جاتی ہے۔

ایک تشبہ۔ کہتے ہیں کہ التحیات میں ہذا قیاس کے خلاف اور قیاس پر قیاس درست نہیں۔

میں کہتا ہوں یہاں قیاس کہاں ہے وہی سلام بالخطاب نماز میں ہے وہی سلام بالخطاب خارج از نماز ہے۔ اس کی اجازت بعینہ اس کی اجازت ہے۔

دوسری دلیل قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے شفا میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سو گیا کسی نے اذکار احباب سے الیک کہا جو سب لوگوں سے تمہیں زیادہ محبوب ہے۔ اس کو یاد کر تو آپ چلا کر پکار اٹھے یا محمد آؤ پاؤں فی الفور اچھا ہو گیا۔ دیکھئے حالت غیب میں بلفظ حاضر خطاب فرما رہے ہیں کون جھڑت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

تیسری دلیل اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے آیا ہے۔ علامہ خفاجی لکھتے ہیں۔

رَوَى مُثْلُهُ دَايَ مِثْلَ قَوْلِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَذَكَرَهُ النَّوَوِيُّ فِي أَذْكَارِهِ وَرَوَى أَيْضًا مِنْ غَيْرِهِمَا وَهَذَا مِنْ تَعَاهُدِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ أَتَى۔

یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرح پاؤں کے سن ہو جانے کے وقت یا محمد

کنا حضرت ابن عباس سے بھی آیا ہے نووی رحمہ اللہ نے اپنے اذکار میں ذکر کیا ہے اور دونوں کے سوا اور حضرات صحابہؓ سے مروی ہے اور یہ اسرائیل مدینہ کی عادات میں سے ہے۔

ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر روایت کیا ہے۔

چوتھی دلیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو ایک دعا سکھائی جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔ وہ دعا یہ ہے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتُوجَّهُ بِنَبِيِّ إِلَيْكَ مُحَمَّدًا نَبِيَّ الرَّحْمَةِ
يَا مُحَمَّدًا إِنِّي أَتُوجَّهُ إِلَى رَبِّي بِكَ أَنْ يُكْشِفَ لِي عَنْ بَصَرِي اللَّهُمَّ
شَفِّعْهُ لِي وَشَفِّعْنِي فِي نَفْسِي۔ رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح

غریب (ترغیب ص ۱۷۲)

اے خدا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی رحمت کے توسل سے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے رب کی طرف تیرے توسل کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ میری بصارت کھول دے اے اللہ میرے حق میں اس کی سفارش قبول کر اور میرے نفس کے بارہ میں میری سفارش منظور کر۔

حدیث میں آیا ہے کہ اس نابینا نے یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بینائی عطا کی۔

ابن ماجہ کی روایت میں اس دعا کے یہ الفاظ ہیں۔

يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذَا يَتَّقَتْنِي

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تیرے توسل سے اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی اس حاجت کے لیے متوجہ ہوتا ہوں تاکہ اس کو پورا کر دے يَا تَقْتَنِي ہے تاکہ وہ حاجت پوری کی جائے۔

طبرانی کی روایت میں ہے کہ خدا کی قسم ابھی ہم حضور علیہ السلام کی صحبت سے الگ نہیں ہوئے اور نہ کوئی طویل گفتگو ہوئی کہ وہی نابینا آیا گویا اس کو کوئی ضرر نہ تھا حدیث کے الفاظ نہ صحیح اور حتیٰ دَخَلَ عَلَيْنَا سے سمجھا جاتا ہے کہ اور اس انداز سے یہ دعا حضور علیہ السلام سے سیکھ کر حضور کی غیبت میں ہی پڑھی گئی اگر حضور علیہ السلام کے سامنے پڑھتا تو یہ الفاظ نہ ہوتے تو جو لوگ اس حدیث میں جو خطاب ہے اس کو حضور علیہ السلام کی حاضری پر حمل کرتے ہیں وہ علاوہ بے دلیل ہونے کے میاق حدیث کے خلاف کہتے ہیں۔ اس دعا میں یا محمد بصیغہ خطاب آپ کی طرف التفات و تضرع ہے اور التوجہ بک میں بے استعانت ہے۔

بیر حضور علیہ السلام کو معلوم تھا کہ میری تعلیم تمام امت کے لیے ہے اور یہ خطاب جو میں نے سکھایا ہے میرے بعد بھی لوگ اسی طرح پڑھیں گے پھر بھی آپ نے ایسا ہی سکھایا جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے اس خطاب کو جائز رکھا اس خطاب کو صحابہ نے حضور علیہ السلام کے انتقال کے بعد اسی طرح سکھایا لوگوں نے بھی اسی خطاب کے ساتھ عمل کیا جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو غائبانہ خطاب کرنا صحابہ میں معمول تھا اگر اس دعا میں خطاب دکھائی سمجھا جاوے تو پھر اللہ انی التوجہ ایک بھی حکایت ہوگی وہ کما تری۔

لما علی قاری رحمہ اللہ حرر ثمانین میں لکھتے ہیں۔

يَا مُحَمَّدُ الْتِفَاتُ إِلَيْهِ وَتَضَرُّعٌ لَدَيْهِ لِيَتَوَجَّهَ رَوْحُهُ إِلَى اللَّهِ -

یعنی یا محمد آپ کی طرف التفات اور تضرع ہے تاکہ آپ کو روح مبارک اللہ کی طرف متوجہ ہو۔

صاحب حسن حصین نے اس کو عام ہر اہل حاجت کے لیے لکھا ہے۔

عَنْ عُمَانَ بْنِ حَنِيفٍ أَنَّ رَجُلًا يَخْتَلِفُ إِلَى عُثْمَانَ

پانچویں دلیل | بَنِ عَفَّانٍ فِي حَاجَةٍ لَهُ فَكَانَ عُثْمَانُ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِ

وَلَا يَنْظُرُ فِي حَاجَتِهِ فَلَقِيَ عُثْمَانَ بَنِ حَنِيفٍ فَشَكَى ذَلِكَ إِلَيْهِ

نَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ بْنُ حَنْفِيٍّ أَنْتَ الْمِيْصَنَاءُ فَتَوَضَّأْتَ وَارْتَأَتْ
الْمَسْجِدَ فَصَلَّ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قُلَّ اللَّهُمَّ ارِنِي اسْلُوكَ وَاتَّوَجَّهُ
إِلَيْكَ -

عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک آدمی بارہا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جایا کرتا تھا مگر آپ التفات نہ فرماتے پھر وہ شخص عثمان بن حنیف کو ملا اور شکایت کی انہوں نے فرمایا بہترین اے اور وضو کر پھر مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ اور کہو اللہم انی اسلک۔

اس آدمی نے موافق تعلیم عثمان بن حنیف اس دعا کو پڑھا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے در دولت پر حاضر ہوا اس وقت دربان نے اس شخص کا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گیا حضرت عثمان نے اس کو اپنے مسند خاص پر بٹھایا اور پوچھا کیا حاجت ہے اس نے بیان کی آپ نے حاجت پوری کر دی اور فرمایا کہ جب کوئی حاجت ہو اگر بیان کیا کر و پھر وہ آدمی بہت خوشحال حضرت عثمان کے پاس سے نکلا اور عثمان بن حنیف کے پاس شکریہ ادا کرنے کو گیا اور کہا جزاک اللہ آپ نے شاید میری سفارش کی عثمان بن حنیف نے کہا کہ قسم ہے اللہ کی میں نے حضرت عثمان سے کچھ نہیں کہا لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ ایک نابینا آیا تو آپ نے اس کو یہ دعا تعلیم فرمائی۔

اس حدیث کو طبرانی معجم صغیر ص ۱۰۳ میں روایت کیا اور اس کو صحیح کہا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ خطاب یا محمد کا عہد صحابہ میں رواج تھا اور یہ نماز اس وقت سے آج تک تعلیم ہوتی چلی آئی ہے۔ محدثین نے اس کو باب من لاہ الی اللہ حاجۃ ادا الی احدا من خلفہ بین لکھا جس سے معلوم ہوا کہ محدثین نے اس کو قضا حاجت کے لیے تسلیم کیا ہے تو اب یہ کہنا کہ زمانہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے میں جس شخص نے یہ دعا پڑھی تھی اس نے حکاٹا اور تبرکات پڑھی تھی محض تعصب ہے ہاں اگر مانعین کو یہ وقت حکایت ہی کا خیال ہے تو السلام علیک

یا رسول اللہ عموماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور علیہ السلام کی خدمت میں کہا کرتے تھے۔
 صلی اللہ علیک بھی ایک صحابی نے کہا تھا۔ جو حضور علیہ السلام نے سنا اور جائز رکھا۔
 تو پھر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ یا السلام علیک یا رسول اللہ بطور حکایت
 ہی پڑھ لیا کریں آخر حضور علیہ السلام کی موجودگی اور حاضری میں لوگ بصدیقہ خطاب یا رسول
 اللہ کہا کرتے تھے تو کیا اس سے بھی انکار ہے یا صحابہ کے اس زمانہ کی حکایت نہیں
 ہو سکتی۔

طبرانی معجم صغیر کے ص ۶ میں فرماتے ہیں۔

چھٹی دلیل | بَلَّغْنِي اَنْ اَبْتَالَا بِیْ قُرْصَانَةً اَسْرَاةَ الرُّومِ فَكَانَ اَبُو
 قُرْصَانَةَ يَنَادِيهِ مِنْ سُوْدٍ عَسَقْلَانٍ وَذَقَتْ كُلُّ صَلَوةٍ يَانُلَانُ
 اَلصَّلَوةُ كَيْسَمْعَةٌ فَجَبِيَّةٌ وَبَيْنَهُمَا عَرَضُ الْبَحْرِ -

یعنی ابو قرصانہ کا ایک بیٹا تھا جس کو رومیوں نے قید کر لیا اور ابو قرصانہ عسقلان میں
 تھے ہر نماز کے وقت اسے پکارتے کہ اے قرصانہ نماز کا (وقت ہے) وہ سن لیتا اور
 اپنے باپ کو جواب دیتا اور دونوں کے درمیان سمندر کا عرض (فاصلہ) تھا۔
 اسی روایت کو صاحب تہذیب التہذیب نے حضور المصطفیٰ نے شواہد النبوة سے نقل کیا
 ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

ابو قرصانہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویرا گلیے پوشا بندہ بود مردم بے
 مے آمدند ایشان را دعائے خیر مے کرد و برکت مے خواست اثر آنرا و خود مے یافتند
 و عسقلان بود پس رومے قرصانہ در روم بغزاف رفتہ بود ہر گاہ کہ صبح شدے ابو قرصانہ از
 عسقلان آواز دادے آواز بلند کہ یا قرصانہ یا قرصانہ الصلوۃ الصلوۃ قرصانہ از بندہ
 روم جواب دادے کہ لبیک یا اتباہ اصحاب وے گفتندے و یکجہ کہ جواب مے
 دہی قرصانہ گفتے کہ پدر خود را سو گندہ رب الکعبۃ کہ مرا از برائے نماز بیدار مسکنده انتی
 اس سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ میں نہ انانیت نہ کار و اج تھا۔

ساتویں دلیل :- رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضور

علیہ السلام کی وفات شریف کے بعد بہت اشعار غم میں پڑھے منجملہ ان کے ایک یہ شعر ہے۔

أَلَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كُنْتَ رَجَاؤَنَا وَكُنْتَ بِنَا بَدَأَ لَوْتَكُ جَانِيَا
جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلفظ یا مخاطب کیا گیا ہے (مواہب لہم)
حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ کے غم میں
آٹھویں دلیل | یوں عرض کی۔

كُنْتُ السَّوَادُ لَنَا ظِرْعُ فَعَمِيَ عَلَيْكَ النَّا ظِرُّ
مَنْ شَاءَ لَعَدَّكَ فَلَيْمَتْ فَعَلَيْكَ كُنْتُ إِحَاذُ
یا رسول اللہ آپ میری آنکھ کی پتلی تھے۔ اب تو میری آنکھ اندھی ہو گئی ہے آپ کے بعد
جو چاہے مر جائے مجھے تو آپ ہی کا ڈر تھا۔
اسی طرح اور صحابہؓ کے اشعار بھی پائے جاتے ہیں جن میں حضور علیہ السلام
کو خطاب ہے۔

فتوح الشام میں ہے کہ جب ابو عبیدہ بن الجراح نے کعب بن صمرہ کو
بارادہ حلب ایک ہزار سوار، یکروانہ کیا اس کی لڑائی یو قنا سے پڑی اس کی
پانچ ہزار سپہ بھتی یہ لڑائی ہو رہی تھی کہ پانچ ہزار سپاہ اور آگئی مسلمانوں کو دس ہزار
کا مقابلہ ہو گیا۔ اس وقت مسلمان جانبازیاں کر رہے تھے۔ اور کعب بن صمرہ
نہایت بے چینی سے پکارتے تھے۔

يَا مُحَمَّدًا يَا مُحَمَّدًا يَا نَصْرَ اللَّهِ أَنْزِلْ

یہ کعب بن صمرہ صحابی ہیں اور حالت غیب میں یا محمد یا محمد پکارتے ہیں معلوم
ہو کہ صحابہ کے وقت سے یہ خطاب جاری ہے۔

حضرت بلال بن حارث مزی نے قحط عام الرادہ میں جب بکری ذبح کی تو
زری سرخ ہڈی نکلی تو آپ نے فرمایا یا محمد اہ پھر حضور علیہ السلام نے
خواب میں بشارت دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یا ساریۃ الجبل فرمانا اور ساریہ کا نہاوند میں سن لینا
مشکوہ شریف میں موجود ہے۔

اسی طرح ایک سپاہی مظلوم کا واعمرہ واعمرہ اہ پکارنا اور حضرت عمر رضی اللہ
عنہ کا یَبَّيْكَاهُ یا بَتَّيْكَاهُ فرمانا حالانکہ وہ مظلوم لشکر میں مدینہ شریف سے بہت دور تھا
(ازالۃ الخفا)

عبدالرحمان ہنری کوئی حضرت عبداللہ بن مسعود کے پوتے آپ کے سر پر ٹوپی
تھی جس پر لکھا ہوا تھا محمد یا منصور (تہذیب التہذیب) اور ظاہر ہے کہ قلم احد اللسانین ہے۔
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

صَلَّى عَلَيكَ اللَّهُ يَا خَيْرَ خَلْفِهِ يَا خَيْرَ مَأْمُورٍ وَيَخَيْرَ وَاهِبٍ
وَيَا خَيْرَ مَنْ يُرْجَى الْكَشْفُ رَزِيدٍ مِنْ جُودِهِ قَدْ فَاتَ جُودَ الصَّائِبِ

علامہ بو صیری رحمہ اللہ قصیدہ بروہ فرماتے ہیں۔

يَا أَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِي مِنْ أَكْوَذِهِ يَوَافِقُ عِنْدَ حُلُولِ الْحَاوِثِ النَّهَمِ

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

میرہ وصفت کند سعدی نہ تمام علیک الصلوۃ لے نبی والسلام

مولانا جامی فرماتے ہیں۔

زمجوری برآمد جان عالم ترسم یا نبی اللہ ترسم

مولانا نظامی گنجوی عرض کرتے ہیں۔

من از کمترین امتان خاک تو بدیں لاغری صید فتراک تو

مولانا شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں۔

بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کریم فرما بلطف خود سر و سامان جمع بے سرو پا کن

حاجی امداد اللہ صاحب پیر مرشد مولوی رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں۔

پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاجز کو بس اب قید و عالم سے چھڑا دو یا رسول اللہ

جہل امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں بس اب چاہو ڈباؤ یا تراو یا رسول اللہ

نانویں دلیل بخاری شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ہر قل بادشاہ روم کو جو خط لکھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدُعَاةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمُ تَسْلِمًا۔

یعنی میں تجھے اسلام کی طرف بلاتا ہوں مسلمان ہو جاتا کہ تو سلامت رہے۔ اس خط میں حضور علیہ السلام نے اس غائب کو مخاطب فرمایا بات یہ تھی کہ قاصد اس خط کو لے جا کر اس کے ہاتھ میں دیدے گا اسی طرح آج تک یہ رسم جاری ہے۔ کہ لوگ اپنے خطوط میں مکتوب الیہ کو مخاطب کرتے ہیں اور ڈاک کے چھٹی رسالوں پر اعتماد کر کے غائب کو خطاب کر لیتے ہیں تو احادیث میں صریح آتا ہے کہ امت کے اعمال صبح و شام آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ پھر خطاب حاضر کو ہوا پھر یہ خطاب کیوں ناجائز ہو۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ يَبْلَغُونَنِي عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ
جَبَانٍ (ترغیب ص ۳۲۸)

کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں جو سیر کرتے پھرتے ہیں وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچا دیتے ہیں۔

دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا حَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلَغُنِي رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ یعنی جہاں تم ہو مجھ پر درود بھیجا کرو کہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔

تو جب چھٹی رسان کے اعتبار سے خطوں میں غائب کو خطاب جائز ہو تو ملائکہ کے درود شریف پہنچا دینے کے اعتبار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیوں ناجائز ہو۔ سوائے اس کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو کچھ حضور علیہ السلام سے ہی عداوت ہے کہ ان کے لیے خطاب جائز نہیں سمجھتے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب :- کہتے ہیں کہ فرشتوں کی نسبت یہ ثابت نہیں

کہ وہ متکلم کے الفاظ پڑھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے ہیں کہ خط کی حالت پر قیاس ہو سکے وہ تو صرف آنا حضور علیہ السلام کو بتلاتے ہیں کہ قلاں شخص نے اتنی دفعہ آپ پر درود بھیجا ہے ہر ایک کے الفاظ نقل نہیں کرتے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں آیا ہے کہا اس نے۔

اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَحْسِنُوا
الصَّلَاةَ فَإِنَّكُمْ لَا تَدَارُونَ لَعَلَّ ذَٰلِكَ يُعْرَضَ عَلَيْهٖ۔

(الحديث رواه ابن ماجه)

یعنی جب تم درود شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھو تو بہت سوہنا پڑھا کرو۔ تم نہیں جانتے شاید وہ حضور علیہ السلام پر پیش کیا جائے۔
ولیمی نے مسند الفردوس میں اس حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ قال
البنہانی فی سعادة الدارين ص ۵۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درود شریف کے الفاظ پیش ہوتے ہیں اسی واسطے اچھا پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ بعینہ درود پہنچتا ہے نہ یہ کہ خبر درود کی۔

اسی طرح دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔
اَكْثَرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَإِنَّ صَلَاةَ أُمَّتِي تُقْرَأُ
عَلَيَّ فِي كُلِّ يَوْمٍ جُمُعَةٍ فَمَنْ كَانَ أَكْثَرَهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً كَانَ
أَقْرَبَهُمَنِّي مَنْزِلَةً۔ رواه البيهقي. باسناد حسن (ترغیب ص ۳۲۹)

کہ جمعہ کے دن مجھ پر بہت درود پڑھا کرو کیونکہ ہر جمعہ میں میری امت کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے تو جو شخص مجھ پر بکثرت درود پڑھنے والا ہو گا وہ میرے نزدیک مرتبہ میں اقرب ہو گا۔
اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ درود شریف ہی پیش کیا جاتا ہے۔

دسویں دلیل | عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَوْذِيْ امْرَأَةً نَزَجَهَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا قَالَتْ نَزَجْتُهِ مِنْ الْحُورِ الْعِينِ لَا تَوْذِيْهِ قَاتِلُكَ اللَّهُ فَاَنَّمَا هُوَ عِنْدَكَ دَخِيْلٌ يُّوشِكُ اَنْ يُفَارِقَكَ الْيَتَامَا - رواه ابن ماجه
والترمذی - (ترغیب ص ۳۶۶)

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں کوئی عورت اپنے خاوند کو ایذا نہیں دیتی مگر اس کی بی بی حور عین جنت میں اس کو کہتی ہے اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے یہ شخص تو میرے پاس (چند روزہ) رہا ہے۔ بہت جلد ہی چھوڑ کر ہمارے پاس آجائے گا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دنیا میں زوجین کا تنازعہ ہوتا ہے اور جنت میں حور کو اس کا علم ہو جاتا ہے اور وہ وہاں سے اس عورت کو مخاطب کرتی ہے اور مذکورہ بالا الفاظ کہتی ہے تو کیا آپ حور کو بھی اس غائبانہ خطاب کے سبب کوئی فتویٰ لگائیں گے ہاں معلوم ہے کہ حور کون ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی غلام۔ وہ تو دنیا میں عورت کا خاوند کو ایذا دینا معلوم کر لے اور غائبانہ خطاب بھی کرے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو ہمارے درود بھیجنے کا علم ہو اور نہ آپ کو غائبانہ خطاب درست ہو۔ حالانکہ حور کے متعلق یہ کسی روایت میں نہیں آیا۔ کہ عورتوں کا اپنے خاوندوں کو ایذا دینا حوروں تک بذریعہ فرشتگان پہنچایا جاتا ہے۔ اور درود شریف کے متعلق تو صحیح روایتوں میں ایسا آچکا ہے پھر حضور علیہ السلام کے علم میں کیا شبہ ہو سکتا ہے افسوس اور تو سب غائبانہ خطاب جائز ہوں لیکن انکار ہے تو صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کا ہے۔

کہتے ہیں کہ اس درود میں آل کا ذکر نہیں

میں کہتا ہوں کہ یہ ضروری نہیں کہ درود میں آل کا ذکر ہو۔ اگر کسی کے پاس اس کی دلیل ہو تو بیان کرے۔ کتب صحاح کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ

ہر ایک حدیث میں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آتا ہے آل کا ذکر نہیں آتا۔ اگر ہر درود کے ساتھ آل کا ذکر لازمی ہوتا تو محدثین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دلی آل بھی ضرور لکھتے۔ علاوہ اس کے احادیث میں بعض درود شریف ایسے بھی آئے ہیں جن میں آل کا ذکر نہیں چنانچہ زویف بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

مَنْ قَالَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَنْزِلِ الْمُقْعَدَّ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي (رواہ البزار والطبرانی تریب ص ۲۳)
جو شخص کہ اللہم صل علی محمد الی آخرہ اس کو میری شفاعت واجب ہو

جاتی ہے۔
دیکھو یہ درود شریف خود حضور علیہ السلام نے فرمایا لیکن اس میں آل کا ذکر

نہیں ہے۔
سنن نسائی جلد اول کے ص ۱۷۹ میں حدیث قنوت کے اخیر درود شریف

فرمایا اس میں آل کا ذکر نہیں وہ حدیث یہ ہے۔
عَنْ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فِي الْوُتْرِ قَالَ قُلْ اللَّهُمَّ اهْدِنِي رِجْلَيْكَ هَدَيْتَ
وَبَارِكْ لِي نِيْمًا أُعْطِيتَ وَتَنِي شَرًّا مَا تَضَيَّتْ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا
يُقْضَى عَلَيْكَ وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ ذَالَيْتَ تَبَادَكْتَ نَبْنَأُ وَ
تَعَالَيْتَ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ -

امام حسنؑ فرماتے ہیں مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وتروں میں پڑھنے کے لیے یہ کلمات سکھائے اللہم اہدنی الخ دیکھو حضور علیہ السلام نے بغیر ذکر آل کے درود شریف صلی اللہ علیہ وسلم و صلی اللہ علی النبی محمد سکھایا معلوم ہوا کہ آل کا ذکر لازمی نہیں۔

ترغیب ص ۲۲۹ میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

أَيُّمَا رَجُلٍ مُّسْلِمٍ لَّكَ عِنْدَهُ صَدَقَةٌ فَلْيَقُلْ فِي دُعَائِهِ
اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ فَإِنَّهَا زَكَاةٌ وَقَالَ لَا يَشْبَعُ الْمُؤْمِنُ
خَيْرًا حَتَّى يَكُونَ مِنْتَهَا الْجَنَّةُ (رواه ابن حبان)

یعنی جس مسلمان کے پاس صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو وہ اپنی دعائیں یہ
درود پڑھے یہی اس کا صدقہ ہوگا اور فرمایا کہ مومن نیکی سے سیر نہیں ہوتا یہاں تک
کہ اس کی انتہا جنت ہو جائے۔

اس حدیث میں بھی جو درود شریف حضور علیہ السلام نے پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔
اس میں آل کا ذکر نہیں پس اگر صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ میں آل کا ذکر نہیں تو کوئی
حرج نہیں آخر ہم آل پر بھی تو درود پڑھتے ہیں ہم اس کے منکر نہیں اصل بات یہ
ہے کہ ایک درود شریف ہمارا اور فرقہ دہابیہ و شیعہ کا مشترک درود ہے وہ نماز
والا درود ہے اور ایک درود ہمارا اور دہابیہ کا مشترک ہے شیعوں کا نہیں
وہ یہ ہے۔ اللہم صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ
ایک درود شریف صرف گروہ احناف کثریم اللہ کا ہے جس میں نہ دہابی شامل
ہیں نہ شیعہ۔ وہ یہ درود ہے صَلِّ عَلَى اللَّهِ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَلِّمْ عَلَيْكَ يَا
حَبِيبَ اللَّهِ اہل اسلام کو چاہیے کہ اس درود شریف کی کثرت رکھیں اور صبح و
شام جماعت میں مل کر باواز بلند اس درود شریف کو پڑھا کریں، رسول کریم صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ذَيُّوْا حَاجَاتِكُمْ بِالصَّلَاةِ عَلَى نَارٍ مَّلَأَتْكُمْ عَلَى نَوْمٍ لَّكُمْ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ (اخرجه الديلمی فی مسند الفردوس عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔
(سعادة الدارين ص ۶۷)

کہ اپنی مجلسوں کو مجھ پر درود پڑھنے کے ساتھ مزین کرو کہ تمہارا مجھ پر درود

پڑھنا تمہارے لیے قیامت کے دن نور ہوگا اور ظاہر ہے کہ درود شریف بلند
آواز پڑھنے سے مجلسوں کی زینت ہوتی ہے۔

علامہ یوسف بنہانی سعادۃ الدارین ص ۱۲۷ میں فرماتے ہیں کہ حافظ ابو موسیٰ بن
بشکوال و عبد الغنی بن سعید نے باسند روایت کیا ہے ابو بکر بن محمد بن عمر تک کہا اس
نے کہ میں ابو بکر بن مجاہد کے پاس تھا تو شبلی علیہ الرحمۃ آئے تو ابو بکر بن مجاہد تعظیماً
کھڑے ہو گئے اور اُن سے معافۃ کیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ میں
نے عرض کیا یا سیدی آپ شبلی کے ساتھ اس طرح تعظیم کرتے ہیں حالانکہ سب اہل
بعد اس کو محبوں تصور کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایسا کیا جیسے میں نے
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے ساتھ کرتے دیکھا میں نے دیکھا حضور علیہ السلام
کو خواب میں کہ شبلی آیا تو آپ کھڑے ہو گئے اور اس کی آنکھوں کے درمیان بوسہ
دیا میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ اپنی نماز
کے بعد آیا یہ لقد جاءکم رسول من انفسکم پڑھتا ہے اور اس کے بعد مجھ پر
درود پڑھتا ہے ایک روایت میں ہے کہ وہ نماز کے بعد تین بار پڑھتا ہے۔ صلی
اللہ علیک یا سیدنا محمد حب شبلی آئے تو اُن سے دریافت کیا تو انہوں
نے ایسا ہی کہا۔ معلوم ہوا کہ حضرت شبلی یہ درود شریف جس میں صیغہ خدا ہے نماز
کے بعد تین بار پڑھتے رہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رویا میں پسند فرما
کر شبلی کی آنکھوں پر بوسہ دیا۔ واللہ الحمد۔

الاربعین

فی فضائل النبی الامین

مضمون کے فضائل و محامد، اوصاف و کمالات اور

علوم و اختیارات پر مبنی چالیس احادیث

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

أَمَّا بَعْدُ

فقیر الیوسف محمد شریف برادران اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے
کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

مَنْ حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَرْبَعِينَ حَدِيثًا مِنْ أَمْرِ دِينِهَا بَعَثَهُ
اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي زُمْرَةِ الْفُقَهَاءِ وَالْعُلَمَاءِ وَفِي رِوَايَةٍ
بَعَثَهُ اللَّهُ فِيقَهَا عَالِمًا وَفِي رِوَايَةٍ كُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
شَافِعًا وَشَهِيدًا وَفِي رِوَايَةٍ قِيلَ لَهُ ادْخُلْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ
الْجَنَّةِ شِئْتَ

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص میری امت سے چالیس حدیثیں
جو کہ دین کے بارہ میں ہوں یاد کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کو فقہاء اور علماء کے زمرہ میں
اٹھائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ اس کو فقیہ عالم مبعوث کرے گا۔ ایک
روایت میں ہے کہ میں اس کے لیے شافع و شہید ہوں گا۔ ایک روایت میں ہے۔
کہ اس کو حکم ہوگا کہ جنت کے جس دروازہ کے راستہ چاہے داخل ہو۔ (اربعمین نوویہ)
میں نے اسی امید پر اربعمین حنفیہ لکھی جس میں چالیس حدیثیں
دوبارہ نماز لکھی گئیں اور نماز کے متعلق اختلافی مسائل میں نہایت مبسوط بحث کی گئی
ہے اور حنفی مذہب کی تقویت و لائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے بیان کی گئی ہے۔ جو

بفضلہ تعالیٰ علما کے طبقہ میں بہت مقبول ہوئی۔ فَاَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ
اب ارادہ ہے کہ چالیس حدیثیں صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل
میں لکھوں تاکہ فدا یان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے اتنا کی عظمت و شان روشن
ہو جائے اور مخالفین کو انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔
وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَكَّلْتُ وَالِیْہِ اُنِیْبُ۔

حدیث نمبر ۱

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا
سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ
وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفِّعٍ۔ (رواہ مسلم)

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن آدم علیہ السلام
کی اولاد کا سر وار ہوں اور سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا اور سب سے پہلے
میں شفاعت کر اؤں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت منظور ہوگی؟
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل
ہیں۔ المسنت کا مذہب ہے کہ مسلمان آدمی فرشتوں سے افضل ہے اور
حنور علیہ وسلم تمام آدمیوں سے بلکہ تمام مخلوق سے افضل ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا
کہ حنور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ
آپ سب سے پہلے قبر سے اٹھیں گے اور سب سے پہلے شفاعت کریں
گے اور سب سے پہلے آپ کی شفاعت مقبول ہوگی۔ پس اگر کوئی دوسرا محمد
صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پیدا ہو تو ضرور ہے کہ اس میں بھی یہ اولیت پائی جائے۔ ورنہ
وہ مثل محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوگا۔ پھر اگر یہ اولیت اس میں بھی ہو تو لازم آتا ہے۔
کہ حنور علیہ وسلم نے جو اپنے آپ کو اول شافع و اول مشفع کہا ہے۔ (معاذ اللہ)
جھوٹ ہے کیونکہ ایک دوسرا بھی اول شافع ہے۔ فاللازم باہل والملزوم مثله

معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہ پیدا ہوا نہ آئندہ ہو گا نہ ہو سکتا ہے اسی واسطے کسی بزرگ نے کہا ہے۔

مِثْلُ النَّبِيِّ مُحَمَّدًا لَا يُمْكِنُ
مَنْ قَالَ بِإِلَّا مَكَانٍ فَهُوَ كَا فِرُّ

حدیث نمبر ۲

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلِي وَمِثْلُ الْأَنْبِيَاءِ كَمِثْلِ قَصْرِ أَحْسَنِ بَنِيَانِهِ تَرَكَ مِنْهُ مَوْضِعُ لَبْنَةٍ فَطَافَ بِهِ النَّظَارُ يَتَعَبَّوْنَ مِنْ حُسْنِ بَنِيَانِهِ إِلَّا مَوْضِعَ تِلْكَ اللَّبْنَةِ نَكُنْتُ أَنَا سَدَادُ مَوْضِعِ اللَّبْنَةِ خْتَمُ بِي الْبَيَانُ وَخْتَمُ بِي الرَّسُلُ وَفِي مَرَايَةِ فَنَانَا اللَّبْنَةُ وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّينَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اور انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بہت خوبصورت محل بنا ہے اور اس میں سے ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جائے، دیکھنے والے اسے دیکھیں اور اس اینٹ کی جگہ کو دیکھ کر تعجب کریں۔ میں نے اس اینٹ کی جگہ کو بند کیا۔ میرے ساتھ وہ عمارت ختم کی گئی۔ میرے ساتھ رسول بھی ختم کئے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ میں وہ اینٹ ہوں اور میں ہوں۔ نبیوں کے ختم کرنے والا یعنی آخری نبی کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قصر نبوت کی ایک اینٹ باقی تھی جس کی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے تکمیل ہو گئی۔ اب آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہ آیا ہے نہ آئندہ آئے گا۔ اس لیے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے

بعد نبی بننے والا جھوٹا ہے اور اس حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ جب قصر نبوت میں ایک ہی اینٹ کی جگہ تھی جو حضور علیہ السلام نے پر کر دی تو دوسرا نبی کیسے آسکتا ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کوئی پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ خاتم النبیین بھی حضور کی ایک صفت ہے تو اگر کوئی دوسرا بھی حضور علیہ السلام جیسا ہو تو ضروری ہے کہ وہ خاتم النبیین ہو۔ پھر اگر وہی خاتم النبیین ہو تو لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہا ہے اور خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو خاتم النبیین فرمایا ہے جھوٹ ہے اور جھوٹ اللہ تعالیٰ پر محال ہے لہذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل پیدا ہونا بھی محال ہے۔

حدیث نمبر ۳

صحیح مسلم صفحہ ۳۰۴ ج ۱ میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔
 قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ يَبَايِعُكَ عَلَى أَنْ لَا يَشْرِكََنَّ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ قَالَتْ كَانَ مِنْهُ النِّيَاحَةُ
 قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ الْآلُ فَلَانٍ فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَسْعَدًا وَلِيَّ
 فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَا بُدَّ لِي مِنْ أَنْ أَسْعِدَهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْآلُ فَلَانٍ۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی یبا یعنک علیٰ ان لا یشرکَنَّ باللہ الخ کہ اسے نبی جب عورتیں آپ کے پاس بیعت کے لیے آئیں کہ نہ شرک کریں گی اور کسی حکم شرعی کی بے فرمانی نہیں کریں گی۔ کہا اس نے کہ نیاحت یعنی نوحہ کرنا اسی میں تھا یعنی شرعی حکم کی نافرمانی تھی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ مگر آل فلاں (یعنی فلاں آل کو مستثنیٰ فرمائیں، کہ انہوں نے جاہلیت

میں میری موافقت کی تھی تو مجھے ضروری ہے کہ میں بھی ان سے موافقت کروں۔
تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الا ال فلاں۔ مگر فلاں آل اس حکم سے
مستثنیٰ ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار حاصل تھا کہ
جس کو آپ چاہیں عموم حکم سے خاص کر لیں۔ بین کرنا مطلقاً ممنوع ہے لیکن ام
عطیہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے رخصت دی اور وہ بھی آل فلاں کے لیے جس سے
معلوم ہوا کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے سوا باقی سب کو بین کرنا حلال نہیں اور ام
عطیہ رضی اللہ عنہا کو بھی بجز آل فلاں کسی دوسری آل کے لیے جائز نہیں۔
امام نووی شارح مسلم اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وللشارح ان يخص من العموم ما شاء

شارع علیہ السلام جو چاہیں عموم سے خاص کر سکتے ہیں۔ "بما ان اللہ ایسا اختیار
ہے۔ عام حکم سے جس کو چاہیں۔ یا جو چاہیں آپ خاص کر سکتے ہیں۔ کاش جو لوگ جو ہنوا
علیہ السلام کو بے اختیار سمجھتے ہیں۔ تعصب کی عینک اتار کر اس حدیث میں نظر
کرتے۔ تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر وسیع اختیار ہے۔

حدیث نمبر ۲

صحیح بخاری ص ۸۳۲ جلد ۲۳ میں برابر بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ مَا بُدِئَ بِهِ فِي يَوْمِنَا
هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرُ مَنْ فَعَلَهُ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا
وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ فَإِنَّمَا هُوَ لِحْمٍ قَدَّمَ لِدَاهِلِهِ لَيْسَ مِنَ النَّسِكِ
فِي شَيْءٍ نَقَامَ أَبُو بَرْدَةَ وَقَدْ ذَبَحَ فَقَالَ إِنَّ عِنْدِي جَدَاعَةً
قَالَ إِذْ بَخَهَاوَلَنْ تَجْزِي عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ۔

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس دن (عید الضحیٰ کے دن) سب سے

پہلے ہم نماز پڑھیں گے۔ پھر نحر کریں گے جس نے ایسا کیا اس نے ہم ساری سنت پر عمل کیا اور جس نے نماز کے پہلے ذبح کیا وہ گوشت ہے۔ جو اس نے اہل کے لیے آگے بھیجا۔ قربانی میں وہ نہیں ہے۔ تو ابو بردہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ جو نماز سے پہلے ذبح کر چکے تھے۔ عرض کی کہ میرے پاس ایک جذبہ ہے۔ آپ نے فرمایا تو اسے ذبح کر اور تیرے بعد کسی کو جذبہ کا قربانی کرنا کافی نہیں ہوگا۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جذبہ کا قربانی کرنا بجز ابو بردہ کسی کو جائز نہ تھا۔ ابو بردہ کو جائز دینا حضور کے اختیار پر دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۵

صحیح مسلم ۲۴۲۲ جلد ۱ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
تَالِ خَطْبِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْجَجُّ فَجَحُّوا فَقَالَ رَجُلٌ أَكُلْتُ عَامٍ يَارَسُولَ اللَّهِ فَسَكَتَ حَتَّى تَأْتَاهَا ثَلَاثًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ قُلْتُ نَفَرٌ لَوَجِبَتْ وَلَمَّا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكٌ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بكَثْرَةِ سَوَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ فَاذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَعُدُّوهُ۔

کہا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ اے لوگو تحقیق فرض کیا گیا تم پر جج، پس جج کرو، ایک آدمی نے عرض کی کیا ہر سال یا رسول اللہ؟ (جج فرض ہے) آپ خاموش رہے یہاں تک کہ اس نے تین بار کہا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال (جج) واجب ہو جاتا۔ اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔ پھر فرمایا چھوڑ دو مجھ کو جب تک میں تمہیں چھوڑوں۔ یعنی جب تک میں کسی شئی کو جائز یا ناجائز نہ کہوں۔ تم نہ پوچھو۔ کیونکہ تم سے پہلے لوگ کثرت سوال اور انبیاء پر اختلاف کے سبب ہلاک ہو گئے ہیں۔ جب تمہیں کسی شے کا حکم کروں۔ تو بقدر استطاعت اس پر عمل کرو اور

جب میں کسی شے سے منع کروں تو اسے چھوڑ دو۔
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا اختیار تھا۔
 اگر فرمادیتے کہ ہاں ہر سال حج فرض ہے۔ تو ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ مگر آپ
 کی شفقت ہے کہ ایسا نہیں فرمایا ورنہ ہمارے لیے بہت مشکل ہوتا بلکہ ہمیں
 ایک اصول فرمادیا کہ جب تک میں امر یا نہی نہ کروں۔ تم مجھے چھوڑ دو۔ معلوم ہوا
 کہ جس چیز کا حضور علیہ السلام نے نہ حکم دیا ہو۔ نہ منع کیا ہو۔ اس کے متعلق کوئی
 حکم نہ لگانا چاہیے۔ نہ اسے منع سمجھے، نہ فرض۔ واجب۔ سنت۔ مستحب۔ ہاں
 اگر کسی عام حکم کے ماتحت ہو تو اس کے مطابق حکم لگانا چاہیے۔
 حافظ ابن حجر فتح الباری ص ۶۹۳ جز ۲۹، میں فرماتے ہیں۔

استدل به على ان لاحكم قبل ورود الشرع وان الاصل

في الاشياء عدم الوجوب۔

کہ ورود شرع سے پہلے کوئی حکم نہیں۔ یعنی جس امر میں شرع وارد نہیں
 اس پر کوئی حکم نہیں۔

امام نووی شرح صحیح مسلم ص ۲۲۲ جلد ۱ میں فرماتے ہیں۔

قوله صلى الله عليه وسلم ذموني ما تركتكم دليل على ان الاصل

عدم الوجوب وانما لاحكم قبل ورود الشرع۔

پس جن امور کی ممانعت حدیثوں میں نہ ہو۔ ان کو منع سمجھنا وہ کام کرنا ہے
 جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ برادران اہل سنت کو جب کسی
 منکر سے پالا پڑے۔ تو اس اصول کو یاد رکھیں۔ فرقہ باطلہ جس کام کو بدعت کہے
 تو جھٹ ان سے پوچھو کہ اس کی ممانعت دکھاؤ۔ اگر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے منع نہیں کیا۔ تو تم منع کرنے والے کون ہو؟

ایک لطیفہ

سیکڑے کے نواح میں ایک گاؤں میں مجھے لوگوں نے وعظ نصیحت کے لیے بلایا۔ میں جب وہاں پہنچا۔ تو ایک دیہاتی مولوی معہ چند اشخاص کے آگیا اور کہنے لگا کہ میں ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ وعظ کے بعد پوچھ لینا۔ اس نے کہا کہ مجھے پہلے ہی بتا دو تو کیا حرج ہے؟ میں نے کہا اچھا پوچھو کہنے لگا کہ جنازہ کے بعد دعائے مانگنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں۔ میں نے کہا یہ سوال آپ اس وقت کر سکتے ہیں جب ہم جنازہ کے بعد دعائے مانگنا سنت کہیں۔ آپ جائز ناجائز کا سوال کریں۔ کہنے لگے۔ بس یہی پوچھنا چاہتا ہوں میں نے اس وقت گھڑی میں ٹائم دیکھا۔ رات کے دس بجے تھے۔ میں نے کہا۔ دس بجے رات کے کسی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ پوچھا ہے اور آپ نے اس کا جواب دیا۔ اگر اس کا ثبوت ہے تو تم بھی پوچھو ورنہ چپ رہو۔ وہ کام نہ کرو ورنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہنے لگا مسئلہ پوچھنا تو ہر وقت جائز ہے۔ میں نے کہا۔ اسی طرح مردہ کے لیے دعائے مانگنا بھی ہر وقت جائز ہے۔ اس میں کیا ممانعت ہے۔ پھر وہ مہوت ہو گیا۔

حدیث نمبر ۶

مسند امام احمد جلد خامس ص ۲۵ میں ہے۔

عن قتادة عن نضر بن عامر عن رجلٍ منهم أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْأَلَ عَلَى أَنَّهُ لَا يُصَلِّي إِلَّا مَلَأَيْنِ فَقَبِلَ ذَلِكَ مِنْهُ۔

یعنی ایک آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اگر اس شرط پر مسلمان ہوا کہ وہ نہ پڑھے گا۔ مگر دو نمازیں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

کی یہ شرط قبول کر لی اور اُسے مسلمان کیا۔
 دیکھو قرآن کریم میں پانچ نمازیں آئی ہیں۔ حدیثوں میں بھی پانچ ہیں بلکہ جمعہ
 کے دن نماز جمعہ بھی ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے لیے
 صرف دو ہی نمازیں منظور فرماتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ آپ مختار تھے۔ اور
 آپ کا نہایت وسیع اختیار تھا اگرچہ سب لوگوں کے لیے پانچ نمازیں ادا کرنا
 لازم ہیں مگر اس شخص کے لیے دو کا پڑھنا ہی منظور فرمایا (فداہ ابی دمی،

حدیث نمبر ۲۱۳

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ فضالة عَنْ أَبِيهِ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَمَّا عَلَّمَنِي دَحَاظًا عَلَى الصَّلَاةِ
 الْخُمْسِ قَالَ قُلْتُ إِنَّ هَذِهِ سَاعَاتٌ لِي فِيهَا اشْغَالٌ فَمَرَّنِي
 بِأَمْرٍ جَامِعٍ إِذَا أَنَا فَعَلْتُهِ أَجْزَعُ عَنِّي فَقَالَ حَافِظٌ عَلَى الْعَصْرِ يَنْ
 وَمَا كَانَتْ مِنْ نَفْتِنَا فَقُلْتُ وَمَا الْعَصْرُ قَالَ نَقَالَ صَلَاةٌ قَبْلَ
 طُلُوعِ الشَّمْسِ وَصَلَاةٌ قَبْلَ غُرُوبِهَا۔

(ابوداؤد مع عون المعبود جلد اول ص ۲۱۳)

فضالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا
 من جملہ اس کے یہ تھا کہ پانچوں نمازوں کی محافظت کر رہیں نے عرض کی کہ
 میرے لیے ان ساعات میں مشغولی ہے یعنی بسبب مشغولی کاروبار ان اوقات
 میں جو نمازوں کے ہیں میں محافظت نہیں کر سکتا مجھے کوئی ایسا جامع امر فرما دیجئے
 کہ جب میں اسے کروں۔ تو مجھے کفایت کرے۔ تو آپ نے فرمایا کہ عصرین کی محافظت
 کر (یعنی نماز فجر و عصر کی ہی محافظت کر، اور یہ لفظ عصرین میری لغت کا نہ تھا اس
 لیے میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ عصرین سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا ایک

نماز سورج نکلنے سے پہلے کی (یعنی فجر اور ایک سورج غروب ہونے سے پہلے کی (یعنی عصر) اس کو ابو داؤد نے روایت کیا۔

دیکھو قرآن کریم میں سب نمازوں کی حفاظت کا ذکر آیا ہے اور حضور علیہ السلام نے بھی پانچوں نمازوں کی حفاظت کا امر فرمایا مگر فضالہ رضی اللہ عنہ کے عذر کرنے پر صرف فجر و عصر کی محافظت کا حکم دیا۔ نہ باقی نمازوں کا معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختار تھے جو حکم فرماتے وہی شرع بن جاتا اور جس کو چاہتے اس حکم سے مخصوص فرما لیتے۔

حدیث نمبر ۸

عَنْ عَمَارَةَ ابْنِ خُزَيْمَةَ أَنَّ عَمَّهُ حَدَّثَتْهُ وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْتَلَعَ فَرَسًا مِنْ أَعْرَابِي نَاسْتَبَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَقْضِيَهُ ثُمَّ فَرَسَهُ فَأَسْرَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَشْيِ وَابْطَأَ الْأَعْرَابِيُّ نَظْفِقَ رِجَالٌ يَغْتَرِضُونَ الْأَعْرَابِيَّ فَيَسَا رِمُونَهُ بِالْفَرَسِ وَلَا يَشْعُرُونَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْتِغَاءً فَنَادَى الْأَعْرَابِيُّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ كُنْتَ مُبْتَغَا هَذَا الْفَرَسِ وَالْأَبْعَثُهُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ سَمِعَ نِدَاءَ الْأَعْرَابِيِّ فَقَالَ أَوَلَيْسَ قَدْ ابْتِغَيْتُهُ مِنْكَ قَالَ الْأَعْرَابِيُّ لَا وَاللَّهِ مَا بَعْتُكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلَى قَدْ ابْتِغَيْتُهُ مِنْكَ نَظْفِقَ الْأَعْرَابِيُّ يَقُولُ هَلْ قَرَشْتَهُ قَالَ خُزَيْمَةُ بْنُ ثَابِتٍ أَنَا شَهِدْتُ أَنَّكَ تَدَايَعْتَهُ فَأَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خُزَيْمَةَ

نَقَالَ لِمَ تَشْهَدَانَقَالَ بِتَضَائِقِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَجَعَلَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَةً خَزِيمَةً بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ-

(ابوداؤد مع عون المعبود ج ۳ ص ۳۲)

عمارہ بن خزیمہ سے روایت ہے کہ اس کے چچا نے جو صحابی تھا۔ حدیث
بیان کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا اور فرمایا
کہ میرے ساتھ چلو تاکہ میں قیمت ادا کروں حضور علیہ السلام نے رفتار میں جلدی کی
اور اعرابی نے دیر کی۔ تو کچھ آدمی اس اعرابی کے ساتھ گھوڑے کا سودا کرنے لگے۔
انہیں مظلوم نہ تھا کہ گھوڑا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خریدا ہوا ہے یہاں
تک کہ بعض نے تو حضور علیہ السلام کی قیمت سے زیادہ قیمت لگا دی
تو اعرابی نے رسول

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی کہ اگر آپ اس گھوڑے کو خریدنا چاہیں تو خسر
کر لیں ورنہ میں اسے بیچتا ہوں حضور علیہ السلام یہ آواز سن کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا
کہ کیا میں تجھ سے یہ گھوڑا خرید نہیں چکا؟ اس نے کہا کہ نہیں خدا کی قسم میں نے تو بیچا
ہی نہیں۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میں نے تجھ سے خریدا کیا ہے۔
اعرابی نے کہا کہ کوئی گواہ پیش کرو۔ کہ کس کے سامنے میں نے فروخت کیا ہے۔
اور آپ نے خریدا کیا ہے، پھر جو مسلمان آئے اس اعرابی پر افسوس کرتا کہ رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم بجز حق کے نہیں فرماتے تو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ لائے
اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے اس گھوڑے کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس فروخت کیا حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ تو کس طرح گواہی دیتا ہے۔ حالاں کہ
تو اس وقت موجود نہ تھا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میں آسمان کی خبروں میں
آپ کو سچا مانتا ہوں تو کیا اس بات میں سچا نہ مانوں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو بجائے دو گواہوں کے ٹھہرایا۔

یعنی ہر امر کے ثبوت کے لیے دو گواہوں کی ضرورت ہے اور یہی قرآن

شریف کا حکم ہے۔ مگر حضور علیہ السلام نے خزیمہ اکیلے کی شہادت کو دو کے برابر کیا۔ جہاں خزیمہ گواہ ہوں۔ وہاں دوسرے گواہ کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ ابن ابی شیبہ نے بیث بن سعد، سے روایت کیا کہ سب سے پہلے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قرآن شریف کو جمع کیا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے لکھا۔ لوگ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آیت لے کر آتے جب تک دو عادل گواہ اس آیت کی گواہی نہ دیتے۔ وہ نہ لکھتے۔ اور سورہ براءۃ کی آخری آیت حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس ملی۔ تو زید نے فرمایا۔ اس کو لکھ لو۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہ اکیلے کی شہادت کو دو گواہوں کے برابر رکھا۔ پھر وہ آیت لکھ لی۔ (عنون المعبود ص ۳۷۱)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا وسیع اختیار تھا۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وبارک وسلم۔

حدیث نمبر ۹

مشکوٰۃ شریف کے ص ۲۴۳ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

تَرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتُؤَدِّي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ۔

کہ وہ جیل دے تو جس کو چاہے تو میں نے کہا۔

مَا أَرَايَ رَبِّكَ إِلَّا يُسَارِعُ فِي هَوَاكَ۔

میں نہیں دیکھتی تیرے رب کو (یا رسول اللہ) مگر وہ جلدی کرتا ہے تیری خواہش کے پورا کرنے میں۔

اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی ایسی تعریف کی کہ اگر آج

ہم ایسا کہیں تو کفر و شرک کے فتوے لگ جائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یا رسول اللہ تیری خواہش کے پورا کرنے میں اللہ تعالیٰ جلدی کرتا ہے۔ اسی طرح دوسری حدیث میں آیا ہے جب جنور علیہ السلام نے اپنے چچا کے لیے دعا و صحت فرمائی اور وہ اچھا ہو گیا تو اس نے کہا اِنَّ رَبَّكَ لَيَطْلِعُكَ کہ یا رسول اللہ تیرا رب تیرے کہنے پر چلتا ہے۔ تیری اطاعت کرتا ہے جنور علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ ایسا نہ کہو۔ بلکہ فرمایا کہ چچا اگر تو مسلمان ہو جائے۔ تو خدا تیرے کہنے پر بھی چلے۔ سبحان اللہ کیا ہی شان ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوان کا سچا فرمانبردار ہو جائے۔ خدا تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے اور جو مانگتا ہے اسے ملتا ہے۔

اسی طرح مسلم کی حدیث میں آیا ہے۔
 رَبِّ اشْعَثْ مَذْفُوحَ الْاَبْوَابِ لَوْ اَنْسَخَ عَلَى الْمَلِئِ لَا بَرَّةَ۔
 بہت پر آئندہ بابوں والے جن کو دروازوں سے دھکیل دیا جاتا ہے اگر اللہ کسی بات کی قسم کھالیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرے گا، تو اللہ تعالیٰ ویسا ہی کرتا ہے۔

بخاری شریف میں قرب نوافل کی حدیث میں آیا ہے۔
 وَاِنْ سَاَلْنِي لَأُعْطِيَنَّكَ۔
 اگر وہ بندہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں۔
 پس ایسے لوگوں کے پاس اپنی حاجتیں لے جانا چاہیے تاکہ وہ تمہاری حاجت کے لیے خدا سے دعا مانگیں اور خدا اپنے وعدہ کے مطابق اُن کے سوال کو ہرگز نہ نہ کرے گا اور تمہاری حاجت پوری ہو جائے گی۔

حدیث نمبر ۱

مشکوٰۃ شریف کے ص ۵۳۳ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ :-

ایک بھیڑیا ایک بکریاں چرانے والے کے ریوڑ میں آیا اور ایک بکری لے گیا۔ چرواہے نے اس کا تعاقب کیا اور بکری چھڑالی تو بھیڑیا ایک ٹیلے پر چڑھ کر کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رزق دیا ہے اور میں نے لیا اور تو نے مجھ سے چھڑا لیا۔ وہ راعی بولا کہ میں نے بھیڑیا کلام کرتے نہیں دیکھا جیسے آج دیکھا ہے۔ تو بھیڑیا کہنے لگا۔

أَعْجَبُ مِنْ هَذَا رَجُلٌ فِي النَّخْلَاتِ بَيْنَ الْحَرَّتَيْنِ يُخْبِرُكُمْ
بِمَا مَضَىٰ وَمَا هُوَ كَأَنَّ بَعْدَكُمْ قَالُوكَ كَانَ الرَّجُلُ يَهُودِيًّا نَجَاءً
إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ وَأَسْلَمَ فَصَدَّقَهُ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رداہ فی الشرح السنۃ)

کہ اس سے زیادہ تعجب تو یہ ہے کہ ایک آدمی مدینہ شریف میں تمہیں خبر دیتا ہے جو کچھ گزر چکا ہے اور جو کچھ تمہارے بعد ہونے والا ہے اور تم اس پر ایمان نہیں لاتے، ابو ہریرہ کہتے ہیں وہ شخص یہودی تھا، اس نے اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی اور مسلمان ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تصدیق کی۔ اس حدیث کو امام احمد اور ابو نعیم نے بسند صحیح روایت کیا۔
(حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۶۳)

پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیوانات بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ماکان و مایکون جانتے تھے لیکن آج کل کے انسانوں کو اس کے ماننے میں تاثر ہے۔ واللہ الہادی۔

حدیث نمبر ۱۱

بخاری شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

وَاللّٰهُ مَا يَخْفَىٰ عَلَيَّ رَكُوعُكُمْ وَلَا خُشُوعُكُمْ وَإِنِّي لَا أَرَاكُمْ دَرَاءَ ظَهْرِي
خدا کی قسم مجھ پر تمہارا رکوع اور خشوع پوشیدہ نہیں ہیں پیٹھ کے پیچھے
سے بھی تم کو دیکھتا ہوں۔

یہ معجزہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ آپ آگے پیچھے یکساں دیکھتے
تھے اور ظاہر ہے کہ خشوع فعل قلب ہے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سے
لوگوں کے دلوں کی حالت بھی پوشیدہ نہ تھی (اللہم صل علی سیدنا محمد)
ہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حکم مقتدیوں کو فرمایا۔ نہ صرف پہلی صف والوں کو
جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے اقتداء میں جتنی صفیں ہوں سب کے
رکوع و خشوع کو آپ دیکھتے تھے۔ فللہ الحمد۔

حدیث نمبر ۱۲

بخاری مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔
ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول
اللہ! میں ہلاک ہو گیا کہ میں نے ماہ رمضان میں اپنی زوجہ سے جماع کیا۔ فرمایا
علام آزاد کر سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا کہ دو مہینے کے روزے رکھ سکتا
ہے؟ اس نے عرض کی نہیں۔ فرمایا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ اس
نے عرض کی کہ نہیں۔ اتنے میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خڑے
لاسے گئے۔ فرمایا انہیں خیرات کر دے۔ اس نے عرض کی کہ مدینہ بھر میں مجھ سے

زیادہ کوئی محتاج نہیں۔ تو حضور علیہ السلام یہ سن کر ہنسے یہاں تک کہ دندان مبارک
ظاہر ہو گئے اور فرمایا۔

اِذْهَبْ نَاطِعُهُ اَهْلَكَ۔

جا اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔

بحان الشہداء یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ہے کہ سزا کو انعام سے
بدل دیا۔ اس نے تو قصور کیا اور بجائے سزا کے فرما لے کر آیا اور کفارہ بھی ادا ہو گیا
بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ اسی کے لیے رحمت تھی۔ اگر آج کوئی ایسا کرے تو
کفارہ سے چارہ نہیں۔ (ابو داؤد عن الزہری)

حدیث نمبر ۱۳

بخاری شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَكَّلَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْفَظُ زَكَاةَ رَمَضَانَ
فَاتَانِي أَنْتِ فَجَعَلَ يَحْمِشُونِي الطَّعَامُ نَاخِذَتُهُ وَقُلْتُ لَأَذْنَعَنَّكَ
إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّي مُحْتَاجٌ وَعَلَى عِيَالٍ
وَلِي حَاجَةٌ شَدِيدَةٌ فَخَلَيْتُ عَنْهُ وَاصْبَحْتُ فَقَالَ لِي النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اسِيرُكَ الْبَارِحَةَ
قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ شَكَاهَا حَاجَةٌ شَدِيدَةٌ وَعِيَالٌ فَرَحِمْتُهُ وَ
خَلَيْتُ سَبِيلَهُ قَالَ أَمَا إِنَّهُ تَذَاكَذَبُكَ وَسَيَعُودُ نَعْرَانُ
أَنْتَ سَيَعُودُ فَرَضَاتُهَا فَجَاءَ يَحْتَوِي مِنَ الطَّعَامِ نَاخِذَتُهُ
فَقُلْتُ لَأَذْنَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
دَعْنِي فَإِنِّي مُحْتَاجٌ وَعَلَى عِيَالٍ لَا أَعُودُ فَرَحِمْتُهُ وَخَلَيْتُ سَبِيلَهُ
فَاصْبَحْتُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فَعَلَ

أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ شَكَاهَا جَهَّ وَعِيَالًا
فَرَحِمْتُهُ وَخَلَيْتُ سَبِيلَهُ قَالَ أَمَا إِنَّكَ قَدْ كَذَبْتَنِي
وَسَيَعُودُ فَرَصَدُكَ الثَّالِثَةَ فَجَارِجُوا مِنْ الطَّعَامِ نَلْخُدُ
فَقُلْتُ لَا دُنَعْنَكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَذَا
آخِرُ ثَلَاثٍ مِمَّا تَزْعُمُ أَنَّكَ لَا تَعُودُ ثُمَّ تَعُودُ فَقَالَ دَعْنِي
أَعْلَمُكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللَّهُ بِهَا إِذَا أُوتِيَ إِلَى فِرَاشِكَ
فَأَقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ حَتَّى تَخْتِمَهَا فَإِنَّهُ لَنْ يُزَالَ عَلَيْكَ مِنْ
اللَّهِ حَافِظٌ وَلَا يَقْرُبُكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ نَاخِبَرْتُ
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَمَا إِنَّكَ قَدْ صَدَّقْتَ
وَهُوَ كَذُوبٌ تَعْلَمُ مَنْ تَخَاطَبُ مِنْذُ ثَلَاثِ يَابَا هَرِيرَةٍ
قُلْتُ لَا قَالَ ذَلِكَ شَيْطَانٌ - (بخاری شریف)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
صدقہ فطر کی محافظت کے لیے مقرر فرمایا۔ ایک آنے والا آیا۔ اس نے صدقہ
لینا شروع کیا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کی خدمت میں لے جاؤں گا۔ وہ کہنے لگا کہ میں محتاج صاحب عیال ہوں اور
مجھے سخت حاجت ہے (اس لیے لیتا ہوں) تو میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ صبح کو رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابو ہریرہ آج رات کے آنے والے تیرے
قتیدی نے کیا کیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اس نے سخت حاجت اور
عیال داری بیان کی مجھے رحم آیا تو میں نے اُسے چھوڑ دیا، آپ نے فرمایا اس نے
تجھے چھوٹ کہا وہ پھر آئے گا۔ مجھے یقین ہوا کہ وہ ضرور آئے گا۔ تو میں اس کے
انتظار میں رہا۔ آخر آیا اور اسی طرح صدقہ (طعام) سے مٹھی بھراٹھانے لگا۔ میں
نے پکڑ لیا اور کہا کہ تجھے حضور علیہ السلام کے پاس ضرور لے جاؤں گا تو اس نے کہا
مجھے چھوڑ دے۔ میں محتاج عیال دار ہوں۔ اب پھر نہیں آؤں گا۔ پھر مجھے رحم آیا اور

چھوڑ دیا۔ صبح کے وقت، پھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ رات کے آنے والے نے کیا کیا۔ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ اس نے سخت حاجت عیال داری کی شکایت کی۔ تو میں نے اس پر رحم کیا۔ اور چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے جھوٹ بولا۔ وہ پھر آئے گا۔ میں پھر اس کے انتظار میں رہا۔ تو وہ آیا اور صدقہ اٹھانے لگا۔ میں نے پھر پکڑ لیا اور کہا کہ اب ضرور تمہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا۔ یہ تیسری بار ہے تو کتنا ہے کہ پھر نہ آؤں گا اور پھر آ جاتا ہے اس نے کہا مجھے چھوڑ دے۔ میں تجھے ایسے کلمات سکھاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان کلمات کے سبب نفع دے گا۔ جب تو اپنے فرش پر سونے کے لیے آرام کرے تو آیتہ الکرسی پڑھ کر سو جا۔ اللہ کی طرف سے ہمیشہ محافظ رہے گا اور شیطان تیرے نزدیک نہ پھٹکے گا۔ یہاں تک کہ تو صبح کرے گا میں نے یہ واقعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اس نے سچ کہا ہے حالانکہ وہ بڑا جھوٹا ہے۔ کیا تو جانتا ہے اے اباہریرہ کہ تو تین دن سے کس شخص کے ساتھ مخاطب رہا ہے۔ میں نے عرض کی کہ نہیں جانتا۔ فرمایا وہ شیطان تھا۔ (بخاری شریف) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات بھی جانتے تھے۔ ابوہریرہ نے رات کے آنے والے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہلے ہی پوچھا کہ رات کے آنے والے نے کیا کیا۔ پھر فرمایا۔ کہ وہ پھر آئے گا۔ پھر تیسری بار بھی فرمایا کہ پھر آئے گا اور اسی طرح ہی ہوا۔ پھر یہ بھی فرما دیا۔ کہ وہ شیطان تھا۔ یہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔

محدثین نے اسی سے استدلال کیا ہے۔

ان الکذاب قد ایصداق۔

معلوم ہوا کہ حدیث ضعیف میں احتمال ہے کہ ضعیف راوی نے سچ بولا ہو اس لیے وہ مطلقاً متروک نہیں ہوتی تاوقتیکہ کہ کوئی صحیح حدیث اس کے معارض

نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف مقبول ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۲

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اعْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ قَالَ يَا رَبِّ اسْأَلْكَ
بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِي فَقَالَ اللَّهُ يَا آدَمُ وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا
وَلَمْ أَخْلُقْهُ قَالَ لِأَنَّكَ يَا رَبِّ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَتَفَخَّتَ
فِي هَيْئَتِي رَفَعْتَنِي إِلَى فِرَاسِ عَرْشِكَ عَلَى تَوَالِيهِ الْعَرْشِ
مَكْتُوبًا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَوْ تَضِيفُ
إِلَى اسْمِكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى صَدَقْتَ يَا آدَمُ
إِنَّمَا لَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ وَإِذَا سَأَلْتَنِي بِحَقِّهِ تَدْعُ غَفْرَتِي لَكَ
وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ لَمَّا خَلَقْتُكَ - (ردوہ البیہقی فی الدلائل والحاکم وصحیحہ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی۔ تو آپ نے دعا کی کہ
یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں مجھے
بخش دے۔ (یعنی وہ خطا جس کے سبب سے میں جنت سے نکالا گیا معاف فرما)
تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم علیہ السلام، تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا
حالانکہ میں نے اسے پیدا نہیں کیا۔ آدم علیہ السلام نے کہا کہ اے رب! جب تو نے
مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور اپنا روح مجھ میں پھونکا میں نے سراٹھایا تو دیکھا
عرش کے پالویں پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ لکھا ہوا تھا۔ میں نے معلوم
کیا کہ جس شخص کے نام کو تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے۔ یہ کوئی تیرے نزدیک
سب خلقت سے زیادہ عزیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم تو نے سچ کہا۔

وہ مجھے سب خلقت سے زیادہ پیارا ہے۔ اب تو نے اس کے صدقہ میں دعا کی ہے۔ میں نے تجھے بخش دیا ہے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

اس کو بہتی نے دلائل میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور حاکم نے اس کو صحیح کہا اور طبرانی نے معجم صغیر میں بھی اس کو روایت کیا ہے۔
اس حدیث سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ دعائیں وسیلہ پیش کرنا بالخصوص سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ صرف جائز ہے بلکہ باعث قبولیت دعا ہے۔

حدیث نمبر ۱۵

عَنْ مَا لِكِ الدَّامِرِ وَكَانَ خَازِنُ عُمَرَ قَالَ أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْتَسْقِ لِقَمَتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا فَاتَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ فَقَالَ أَيُّتِ عُمَرَ فَأَقْرَهُ السَّلَامَ وَاخْبِرْهُ أَنَّهُمْ يُسْقَوْنَ وَقُلْ لَهُ عَلَيْكَ الْكَيْسُ فَأَتَى الرَّجُلُ عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ قَالَ يَا رَبِّ مَا الْوَالِدُ إِلَّا مَا بَعَثَتْ عَنْهُ۔

مالک وارجو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خازن تھے کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قحط پڑا۔ تو ایک آدمی یعنی بلال بن عارث صحابی رضی اللہ عنہ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آئے اور عرض کی یا رسول اللہ اپنی امت کے لیے پانی مانگیے۔ وہ ہلاک ہوئی جاتی ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خواب میں فرمایا کہ عمر کے پاس جاؤ اور اسے سلام کہو اور اس کو خبر دو۔ کہ مینہ

برسے گا اور اُسے کہو کہ زیر کی کا التزام کرو۔ وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بروئے اور کہا۔ اسے پروردگار میں کوتاہی نہیں کرتا مگر اس چیز میں کہ میں اس سے عاجز ہوں۔
اس حدیث کو سہیقی نے طریق اعمش عن ابی صلح عن مالک الدار سے روایت کیا ہے۔

علامہ نہمانی نے ثواب الحق ص ۱ میں فرمایا کہ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے اور تصریح کی کہ قبر شریف پر آکر عرض کرنے والا بلال بن حارث صحابی تھا رضی اللہ عنہ۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری ج ۲ ص ۵۲۳ میں اس حدیث کی سند کو بروایت ابن ابی شیبہ صحیح فرماتے ہیں اور یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ وہ قبر پر آنیوالا اور خواب میں حضور علیہ السلام کو دیکھنے والا بلال بن حارث صحابی تھا۔
پس ایک صحابی کا حضور علیہ السلام کی قبر پر حاضر ہو کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کر کے عرض کرنا یا رسول اللہ اُمّت کے لیے پانی مانگیے دلیل ہے اس امر کے جواز پر اور دلیل ہے حضور علیہ السلام کے سن لینے پر اور دلیل ہے حضور علیہ السلام کے توسل سے حاجت کے پورا ہونے پر۔ صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ۔

حدیث نمبر ۱۶

حَدَّثَنِي أَبُو زَيْدٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَجْرَ وَمَعِيَ الْمُنْبَرُ فَنَظَبْنَا حَتَّى حَضَرَتِ الظُّهُمُ فَنَزَلَ صَلَّى ثُمَّ مَعِيَ الْمُنْبَرُ فَنَظَبْنَا حَتَّى حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى ثُمَّ مَعِيَ الْمُنْبَرُ فَنَظَبْنَا حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَأَخْبَرَنَا

بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ فَأَعْلَمْنَا أَحْفَظْنَا -

ابوزید کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی۔ آپ منبر پر چڑھے اور ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا تو آپ اترے اور نماز ظہر پڑھی۔ پھر منبر پر چڑھ گئے اور خطبہ پڑھا یہاں تک کہ عصر ہو گئی۔ پھر اتر کر نماز پڑھی پھر منبر پر چڑھے اور خطبہ پڑھا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ پس خبر دی ہم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ اس خبر کے جو ہو چکی ہے اور جو آئندہ ہوگی پس ہم میں سے زیادہ علم والا وہ شخص ہے جو ہم میں سے زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔ اس کو مسلم نے روایت کیا۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ماکان وما یكون کے عالم تھے۔

حدیث نمبر ۱۷۱

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ خَرَجَ مَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْصِيهِ وَمَعَاذُ رَأَيْكَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَشِيرُ تَحْتِ رَأْسِهِ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ يَا مَعَاذُ إِنَّكَ عَسَى أَنْ لَا تَلْقَانِي بَعْدَ عَارِي هَذَا أَوْ لَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ بِسُجْدِي هَذَا أَوْ قَبْرِي فَبَكَى مَعَاذٌ جَشَعًا لِفِرَاقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ انْفَتَحَ فَأَقْبَلَ بِوَجْهِهِ نَحْوَ الْمَدِينَةِ فَقَالَ إِنَّ أَوَّلِي النَّاسِ بِالتَّقْوَى مَنْ كَانُوا وَحَيْثُ كَانُوا (رواه أحمد)۔

(مشکوٰۃ ص ۷۲ مسند احمد جلد ۵ ص ۲۳۵)

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کی طرف بھیجا تو حضور علیہ السلام ان کے ساتھ وصیت فرماتے ہوئے

نکلے معاذ رضی اللہ عنہ سوار تھے اور حضور علیہ السلام ان کی سواری کے نیچے پیادہ چلتے تھے جب آپ فارغ ہوئے تو (یعنی وصیت سے) فرمایا اے معاذ قریب ہے کہ تو نہ ملے گا مجھے میرے اس سال کے بعد اور شاید تو میری مسجد اور میری قبر پر گزرتے یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے فراق کے غم سے رولے لگے تو آپ نے ادھر سے التفات کر کے مدینہ طیبہ کی طرف منہ کیا اور فرمایا کہ میرے بہت قریب اور متصل وہ لوگ ہیں جو متقی ہیں کوئی بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا۔

اس حدیث سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکسار اور تواضع معلوم ہوا کہ آپ معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیادہ چل رہے تھے اور معاذ سوار تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو اپنے وصال شریف کا علم تھا اسی واسطے معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ شاید تو مجھے نہ ملے اور میری قبر پر آئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا بھی علم تھا کہ فرمایا کہ شاید تو میری مسجد اور قبر پر گزرے۔ یعنی میرے وصال کے بعد تو زندہ ہے گا اور میری قبر پر آئے گا چنانچہ آپ نے جو فرمایا ویسا ہی ہوا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور کے فراق میں رونے لگے۔ اس لیے کہ ان کو حضور علیہ السلام کی جدائی کا یقین ہو گیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ متقی لوگ حضور علیہ السلام کے پاس ہی ہیں۔ اگرچہ صورثا پاس نہ ہوں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی بھی ہوا اور کہیں بھی ہو شام میں ہو یا روم میں یا پنجاب میں ہو یا ہندوستان میں، جہاں بھی ہو حضور علیہ السلام اس کے پاس ہی ہے۔ بشرطیکہ وہ متقی ہو۔ حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ کو تسلی دی کہ رونے کی ضرورت نہیں۔ تقویٰ اختیار کرو۔ پھر جہاں رہو میرے پاس ہی ہو۔

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ۔

حدیث نمبر ۱۸

علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حجة اللہ علی العالمین کے ص ۱۳۱ میں لکھتے ہیں۔

ردی الطبرانی عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوات علی یوم الجمعة فانه یوم مشہود تشهدہ الملائکۃ لیس من عبد یصل علی الا بلغنی صوته حیث کان قلنا وبعدا وفاتک قال وبعدا وفاتی ان اللہ عز وجل حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء۔

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ دن جمعہ کے کیونکہ جمعہ کا دن مشہود ہے یعنی اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور کوئی بندہ نہیں جو مجھ پر درود بھیجے مگر مجھے اس کی آواز نہ پہنچتی ہے جہاں بھی وہ ہو ہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ کی وفات کے بعد بھی فرمایا۔ میری وفات کے بعد بھی بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسم کو کھائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درود شریف پڑھنے والا جہاں درود پڑھے حضور علیہ السلام کی خدمت میں اس کی آواز پہنچ جاتی ہے۔ وللہ الحمد۔

حدیث نمبر ۱۹

عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی اراى ما لاترون واسمع ما لاتسمعون (الحديث م)

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ مشکوٰۃ ص ۴۴۹)

ابو ذر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں جو

تم نہیں دیکھتے اور سنتا ہوں جو کہ تم نہیں سنتے آخر حدیث تک اس کو احمد ترمذی ابن ماجہ نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا سننا، ہماری طرح نہ تھا۔ بلکہ آپ وہ سب کچھ دیکھتے ہیں جسے ہم نہیں دیکھتے اور وہ سنتے ہیں جسے ہم نہیں سنتے ہم دور کی آواز نہیں سنتے، حضور سنتے ہیں، ہم پردہ میں کوئی چیز نہیں دیکھتے، حضور دیکھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی بشریت ہماری بشریت کی طرح نہیں ہے۔ اب جو لوگ حضور علیہ السلام کو اپنے جیسا سمجھ کر حضور علیہ السلام کی سمع و بصر کا انکار کرتے ہیں وہ اس حدیث میں غور کریں۔

حدیث نمبر ۲۰

مواہب لدنیہ جلد اول ص ۹ اور حجة التذلل علی العالمین ص ۲۸ میں بحوالہ عبد الرزاق جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بِأَيِّ أَنتَ وَأُمِّي أَخْبَرَنِي عَنْ أَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ تَعَالَى قَبْلَ الْأَشْيَاءِ قَالَ يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورًا نَبِيَّكَ مِنْ نُورِهِ فَجَعَلَ ذَلِكَ النُّورَ يَدًا وَمَا بِالْقُدَامَةِ حَبِيبُ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَمْ يَكُنْ فِي ذَلِكَ الْوَقْتُ نَوْحٌ وَلَا قَلَمٌ وَلَا نَارٌ وَلَا مَلَكٌ وَلَا سَمَاءٌ وَلَا أَرْضٌ وَلَا شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ وَلَا جَنٌّ وَلَا إِنْسٌ (المحدث -)

کہا جابر نے میں نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ مجھے اس کی خبر دیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے جابر۔ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور جہاں اللہ تعالیٰ

نے چاہا۔ قدرت سے پھرتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم نہ جنت نہ دوزخ
 نہ فرشتہ تھا۔ نہ آسمان نہ زمین نہ سورج نہ چاند۔ نہ جن نہ انسان۔ آخر حدیث تک۔
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور
 پیدا ہوا۔ پھر سارا جہاں۔ اور یہ جو فرمایا ہے اپنے نور سے، یہ اضافت تشریفی ہے۔
 اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معاذ اللہ اپنے ایک ٹکڑا کاٹ کر رسول
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے، اس کا نور بھی قدیم رسول
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم حادث ہیں آپ کا نور بھی حادث ہے۔

حدیث نمبر ۲۱

مشکوٰۃ شریف ص ۶۲ میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
 ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں دیر کی رہاں تک کہ قریب
 تھے ہم کہ سورج نکل آیا۔ تو آپ جلدی ٹکے اور آپ نے نماز میں تخفیف کی نماز
 کے بعد آپ نے سب کو فرمایا کہ اپنی صفوں پر بیٹھ رہو۔ پھر ہماری طرف متوجہ
 ہوئے اور فرمایا۔

أَمَّا إِنِّي سَاحِدٌ تُكُونُ مَا حَسَنِي عَنْكُمْ الْعُدَايَةُ إِنِّي قُتِلْتُ مِنَ
 اللَّيْلِ فَتَوَضَّأْتُ وَصَلَّيْتُ مَا قَدَّرَ عَلَيَّ فَتَعَسَّيْتُ فِي صَلَاتِي حَتَّى
 اسْتَشَقَلْتُ فَإِذَا أَنَا بِرَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ فَقَالَ
 يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ فَيَمَّا يَخْتَصِمُ الْمَلَائِكَةُ الْعُلَى
 قُلْتُ لَا أَدْرِي قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ فَرَأَيْتَهُ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفِي
 حَتَّى رَجَدَتْ بَرْدًا أَنَا مِلْهُ بَيْنَ شِدَائِي فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَ
 عَرَفْتُ وَأَمَّا رَأَيْتُ فِي رَأْيِي مَا فِي السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ فَيَوْمَ يَخْتَصِمُ

الْمَلَأَ الْأَعْلَى قُلْتُ فِي الْكُفَّارَاتِ الْحَدِيثُ -

کہ تم کو صبح کی نماز میں دیر کی وجہ بیان کرتا ہوں۔ میں نے رات کو قیام کیا وضو کر کے جو مقدر تھا نماز پڑھی پھر مجھے نماز میں اونگھ آگئی۔ یہاں تک کہ میں بو جھل ہو گیا ناگاہ مجھے پروردگار جل شانہ بہت اچھی صورت (بلا کیف) میں نظر آئے اور فرمایا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے عرض کی حاضر ہوں۔ اے میرے رب۔ فرمایا جماعت اعلیٰ کس امر میں جھگڑتی ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالیٰ نے تین بار اسی طرح فرمایا۔ پھر حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنا (بلا کیف) ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان رکھا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے سینے میں اس مبارک ہاتھ کی ٹھنڈک محسوس کی۔ پھر میرے لیے ہر چیز ظاہر ہو گئی اور میں نے پہچان لیا (ایک روایت میں ہے کہ جو کچھ زمینوں آسمانوں میں تھا۔ میں نے معلوم کر لیا) پھر فرمایا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے عرض کی کہ حاضر ہوں یا رب، فرمایا کس چیز میں جھگڑتی ہے جماعت اعلیٰ۔ میں نے عرض کی کہ کفارات میں۔ آخر حدیث تک۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم عطا ہوا۔ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ!

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

”پس دانستم ہر چیز در آسمانها و ہر چیز در زمین بود عبارتست از حصول کاملہ علوم جزوی و کلی و احاطہ آں“

پس جان لیا میں نے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ عبارت ہے تمام علوم جزوی و کلی کو حاصل کرنے اور اس کے احاطہ سے۔

حدیث نمبر ۲۲

مواہب ص ۱۹۲ میں بحوالہ طبرانی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت

ہے۔ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدَرَفَعَ لِي الدُّنْيَا فَإِنَّا أَنْظَرُ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا هُوَ
كَابِتٌ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَأَنَّمَا أَنْظَرُ إِلَى كَفْيٍ هَذِهِ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے لیے دنیا کو ظاہر فرمایا۔ پس میں دنیا کی طرف اور
جو کچھ اس میں ہونے والا ہے۔ قیامت تک اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی
اس ہتھیلی کی طرف۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کائنات کے
ذرہ ذرہ پر نظر ہے۔

حدیث نمبر ۲۳

نذر قانی شرح مؤطا کے ص ۶۱ میں بحوالہ بزاز روایت ہے کہ رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَمَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ تَعَرَّضْتُ عَلَى أَعْمَالِكُمْ فَمَا
كَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمِدْتُ اللَّهَ عَلَيْهِ وَمَا كَانَ

مِنْ سَيِّئٍ اسْتَغْفَرْتُ اللَّهَ لَكُمْ (راواہ البزار باسناد جید)

کہ میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری وفات بھی، تمہارے لیے
بہتر ہے، تمہارے اعمال میرے اوپر پیش کیے جاتے ہیں۔ پس جو اچھے ہوتے
ہیں میں اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو بُرے ہوتے ہیں تو تمہارے لیے استغفار
کرتا ہوں۔

علامہ نہبانی نے حجتہ اللہ علی العالمین ص ۱۳۷ میں اس حدیث میں زیادہ کیا
ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر
قربان یہ کیسے ہے تو آپ نے فرمایا میری زندگی تمہارے لیے اس لیے بہتر ہے

کہ مجھ پر وحی آتی ہے تو میں تمہیں حلال حرام کی خبر دیتا ہوں اور میری موت اسی لیے بہتر ہے کہ ہر جمعرات کو تمہارے اعمال میرے اوپر پیش کیے جاتے ہیں پس جو اچھے ہوتے ہیں میں اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو بُرے ہوتے ہیں میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام اس وقت بھی ہمارے حال سے بے خبر نہیں ہمارے اچھے کام دیکھ کر آپ خوش ہوتے ہیں اور بُرے دیکھ کر ہمارے لیے بخشش مانگتے ہیں۔ اس حدیث کو ہزار نے سند جید کے ساتھ روایت کیا۔

حدیث نمبر ۲۴

عَنْ جَابِرِ بْنِ سُرَّةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَيْلَةٍ أَصْحَابَانِ فَجَعَلَتْ أَنْظُرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حُمْرَاءُ فَإِذَا هُوَ أَحْسَنُ عِنْدِي مِنَ الْقَمَرِ -

(رواہ الترمذی والدارمی مشکوٰۃ ص ۵۱)

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاندنی رات میں دیکھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سرخ رنگ کا حلہ تھا۔ ناگاہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک چاند سے بہت خوبصورت تھے۔ اس کو ترمذی و دارمی نے روایت کیا۔

حدیث نمبر ۲۵

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَدَيْهِ كِتَابَانِ فَقَالَ أَتَدْرُونَ مَا هَذَانِ الْكِتَابَانِ

قُلْنَا لَا يَأْسُؤَلُ اللَّهُ إِلَّا أَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِي فِي يَدِهِ
الْيُسْنَى هَذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ فِيهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ
الْجَنَّةِ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَتَبَائِلِهِمْ ثُمَّ أُجِيلَ عَلَى آخِرِهِمْ
فَلَا يَزَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِي فِي شِمَالِهِ
هَذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ فِيهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ النَّارِ وَأَسْمَاءُ
آبَائِهِمْ وَتَبَائِلِهِمْ ثُمَّ أُجِيلَ عَلَى آخِرِهِمْ فَلَا يَزَادُ فِيهِمْ وَلَا
يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَدًا الْحَدِيث - (ترمذی) (مشکوٰۃ ص ۱۳)

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور آپ کے ہاتھوں
میں دو کتابیں تھیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو۔ یہ دو کتابیں کتابیں کیا ہیں؟
ہم نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ہم نہیں جانتے بجز اس کے کہ آپ ہمیں خبر دیں۔
تو آپ نے اس کتاب کے متعلق فرمایا جو آپ کے داہنے ہاتھ میں تھی کہ یہ کتاب
ہے رب العالمین کی طرف سے اس میں اہل جنت کے اور ان کے بالوں کے
نام اور ان کے قبائل کے نام مذکور ہیں۔ پھر اس کے آخر میں کل جمع کی میزان
لکھی گئی۔ اس میں سے نہ کم ہو گا نہ زیادہ کیا جائے گا۔ پھر فرمایا بائیں ہاتھ والی کتاب کو
یہ کتاب ہے رب العالمین کی طرف سے اس میں دوزخیوں کے نام اور ان کے
بالوں کے نام اور قبیلوں کے نام درج ہیں۔ پھر آخر میں کل جمع ہے۔ اس میں نہ
زیادہ ہو گا نہ کم۔ آخر حدیث تک اس کو ترمذی نے روایت کیا۔ (مشکوٰۃ ص ۱۳)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک جنتی اور
دوزخی کا علم دیا گیا تھا۔ حضور علیہ السلام ہر ایک جنتی اور دوزخی کو اور اس کے باپ
اور قبیلہ کو جانتے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اسی لیے آپ کو دی گئیں کہ جنتی اور دوزخی
کا علم ہو جائے۔

لطیفہ

کوٹلی لوہاراں میں ایک منکر علم غیب نے حضور علیہ السلام کے علم کے متعلق مجھ سے سوال کیا۔ کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا علم بھی ہے کہ کوٹلی میں ایک فلاں نام کا آدمی ہو گا۔ میں نے کہا ہاں حضور نبیہ السلام کو نہ صرف تیرا بلکہ تیرے باپ اور تیرے قبیلہ کا بھی علم ہے۔ اس نے کہا کہ کس حدیث میں یہ پتہ درج ہے۔ میں نے مشکوٰۃ سے یہی حدیث دکھائی اور کہا کہ دونوں کتابیں جو حضور علیہ السلام کے پاس تھیں۔ ان میں سے اگر وہ اپنے ہاتھ والی میں تمہارا نام نہ ہوا تو بائیں ہاتھ والی میں ضرور ہو گا۔ وہ دونوں کتابیں لاؤ۔ میں نکال دوں گا۔ تو وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ص ۱۸۷ جلد ۳ میں اس حدیث کی سند کو حسن فرمایا اور لکھا کہ یہ دونوں کتابیں صحابہ کو نظر آتی تھیں۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۲۶

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ قَلْبُكَ مُشَارِقُ الْأَرْضِ وَمَغَارِبُهَا نَلُّوْا أَحَدًا مَرَجَلًا أَفْضَلَ مِنْ مُحْتَدَاوَلُوْا أَرَبْنَى أَبِ أَفْضَلَ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجْرٍ لَوَاحُ الْمَصَّةِ ظَاهِرَةٌ أَخْرَجَهُ ابْنُ نَعِيمٍ وَطَبْرَانِي -

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ کہا جبریل نے میں مشرق مغرب پھر کسی شخص کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں پایا۔ اور کوئی قبیلہ بنی ہاشم سے افضل نہیں دیکھا۔ اس کو ابونعیم و طبرانی نے

روایت کیا۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے صحت کے آثار ظاہر ہیں۔
(حجۃ الشہ علی العالمین للبنہانی ص ۲۹)

حدیث نمبر ۲۷

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَسَّ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ حَتَّى دَنَا مِنْهُمْ سَبْعَهُمْ مَا يَتَذَكَّرُونَ
قَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ اللَّهَ اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا وَقَالَ آخَرُ
مُوسَى كَلَّمَهُ تَكْلِيمًا وَقَالَ آخَرُ نَعِيسَى كَلَّمَهُ اللَّهُ وَرُوحَهُ
وَقَالَ آخَرُ آدَمُ اصْطَفَاهُ اللَّهُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ وَعَجَبَكُمْ
إِنَّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلُ اللَّهِ وَهُوَ كَذَلِكَ وَمُوسَى نَجِيُّ اللَّهِ وَ
هُوَ كَذَلِكَ وَعِيسَى رُوحُهُ وَكَلِمَتُهُ وَهُوَ كَذَلِكَ وَآدَمُ
اصْطَفَاهُ اللَّهُ وَهُوَ كَذَلِكَ الْوَإِنَّا جِئِبُ اللَّهِ وَلَا تَخْزَوْنَا
حَامِلِ كِبَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَهُ آدَمُ نَمْنُ دُونَهُ
وَلَا تَخْزَوْنَا أَوَّلُ شَانِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفِّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا تَخْزَوْنَا
أَنَا أَوَّلُ مَنْ يُحَرِّكُ خَلْقَ الْجَنَّةِ يَفْتَحُ اللَّهُ لِي فَيْدُ خَلْقِهَا
وَمَعِيَ نَقَرَاءُ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا تَخْزَوْنَا أَنَا أَكْرَمُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ
عَلَى اللَّهِ وَلَا تَخْزَوْنَا (رواه الترمذی والدارمی)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ
کرام بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلتے۔ ان کے قریب ہو کر
سنا جو کہ مذاکرہ کر رہے تھے، بعض کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام
کو خلیل بنایا۔ دوسرا کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام نے کلام کیا

ایک کہتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام تم کے کلمہ اور روح ہیں۔ دوسرے نے کہا۔ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا۔ حضور علیہ السلام ان پر داخل ہوئے اور فرمایا کہ میں نے تمہارے کلام کو سنا ہے۔ اور تمہارے تعجب کو بھی۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں اور موسیٰ بنی اللہ میں اور عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور روح ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور کوئی فخر نہیں میں لو، الحمد کو قیامت کے دن اٹھانے والوں اور آدم اور اسوا اس کے سب میرے جھنڈے کے ماتحت ہوں گے اور اس میں کوئی فخر نہیں رہیں سب سے پہلے جنت کے دروازہ کو کھٹکٹاؤں گا۔ تو اللہ تعالیٰ میرے لیے کھول دے گا اور مجھے سب سے پہلے جنت میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقرامومنین ہوں گے اور کوئی فخر نہیں (واقعی بات ہے، اور میں سب اولین و آخرین سے اکرم ہوں اور کوئی فخر نہیں) اس کو ترمذی و دارمی نے روایت کیا۔

حدیث نمبر ۲۸

روى ابو داود عن سعد بن سعد رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي وَشَفَعْتُ لَأُمِّي فَأَعْطَانِي ثَلَاثَ أَهْمِي فخررت ساجداً شكراً للرب فرفعت رأسي فسألت ربِّي لَأُمِّي فَأَعْطَانِي ثَلَاثَ أَهْمِي فخررت ساجداً شكراً للرب فرفعت رأسي فسألت ربِّي لَأُمِّي فَأَعْطَانِي الثَّلَاثَ الآخر فخررت ساجداً للرب -

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا اور اپنی اُمّت کی سفارش کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تیسرا حصہ اُمّت کا دیا یعنی

تیسرا حصہ بخش دینے کا فرمایا تو میں اپنے رب کے شکریہ میں سجدہ میں گرا پھر سر اٹھا کر اُمت کے لیے دعا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے تیسرا حصہ اُمت کا اور منظور فرمایا پھر میں سجدے میں گرا اور شکریہ ادا کیا پھر سر اٹھایا اور پھر اُمت کے لیے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اور تیسرا حصہ بھی منظور فرمایا پھر میں اللہ کے لیے سجدہ میں گرا۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی ساری اُمت انشاء اللہ بخشی جائے گی۔ اللھم اجعلنا منہم امین۔
(حجۃ اللہ العالمین ص ۲۳)

حدیث نمبر ۲۹

عَنْ النَّبِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُتَيْتُ بِدَايَةِ فَوْقِ الْجَمَارِ دُونَ الْبَغْلِ خَطْوَهَا عِنْدَ مُنْتَهَى طَرَفِهَا فَرَكِبْتُ وَمَعِيَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسُرْتُ فَقَالَ أَنْزِلْ فَصَلِّ نَفَعْتُ فَقَالَ أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتُ بِطَيْبَةٍ وَإِلَيْهَا الْبَهَاجُ ثُمَّ قَالَ أَنْزِلْ فَصَلِّ نَفَعْتُ فَقَالَ أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتُ صَلَّيْتُ بِطُورِ سَيْنَاءَ حَيْثُ كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ قَالَ أَنْزِلْ فَصَلِّ نَفَعْتُ فَقَالَ أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتُ صَلَّيْتُ بِبَيْتِ الْحَوْحِ حَيْثُ وَلَدَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ دَخَلْتُ إِلَى بَيْتِ الْمُقَدَّاسِ فَجِئْتُ إِلَى الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَقَدَّامَنِي جِبْرِيلُ حَتَّى أَمْتَهُمْ ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَاذْ أَيْهَا آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ فَاذْ أَيْهَا إِبْنُ الْحَالَةِ عِيسَى وَحَيِّي عَلَيْهِمَا السَّلَامَ ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ فَاذْ أ

فِيهَا يُوسُفُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ
 فَإِذَا فِيهَا هَارُونَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ
 فَإِذَا فِيهَا آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ
 فَإِذَا فِيهَا مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ
 فَإِذَا فِيهَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى نَوَاقِ سَبْعِ
 سَمَوَاتٍ فَأَتَيْنَا سِدْرَةَ الْمُنْتَهَى فَنَشِيتُنِي صَبَابَةً فَخَرَّتْ
 سَاجِدًا فَقِيلَ لِي إِنِّي يَوْمَ خَلَقْتُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ
 فَرَضْتُ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمَّتِكَ خَمْسِينَ صَلَاةً فَقُمُ بِهَا أَنْتَ
 وَأُمَّتُكَ فَرَجَعْتُ إِلَى إِبْرَاهِيمَ فَلَمْ يَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ ثُمَّ
 أَتَيْتُ عَلَى مُوسَى فَقَالَ كَمْ فَرَضَ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمَّتِكَ قُلْتُ
 خَمْسِينَ صَلَاةً قَالَ فَإِنَّكَ لَا تَسْتَطِيعُ أَنْ تَقُومَ بِهَا أَنْتَ
 وَلَا أُمَّتُكَ فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ فَرَجَعْتُ
 إِلَى رَبِّي فَخَفَّفَ عَنِّي عَشْرًا ثُمَّ أَتَيْتُ إِلَى مُوسَى فَأَمَرَنِي
 بِالرَّجُوعِ فَرَجَعْتُ فَخَفَّفَ عَنِّي عَشْرًا ثُمَّ أَتَيْتُ مُوسَى
 فَأَمَرَنِي بِالرَّجُوعِ فَرَجَعْتُ فَخَفَّفَ عَنِّي عَشْرًا ثُمَّ رَدَّتْ
 إِلَى خَمْسِ صَلَوَاتٍ قَالَ فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ
 التَّخْفِيفَ فَإِنَّهُ فَرَضَ عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ صَلَوَاتَيْنِ فَمَا
 قَامُوا بِهِمَا فَرَجَعْتُ إِلَى رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فَسَأَلْتُهُ التَّخْفِيفَ
 فَقَالَ إِنِّي يَوْمَ خَلَقْتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فَرَضْتُ عَلَيْكَ
 وَعَلَى أُمَّتِكَ خَمْسِينَ صَلَاةً فَخَمْسُ بِخَمْسِينَ فَقُمُ بِهَا
 أَنْتَ وَأُمَّتُكَ فَعَرَنْتُ أَنَّهَا مِنْ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ مِثْرَى
 فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ ارْجِعْ فَعَرَنْتُ
 أَنَّهَا عَزَّ وَجَلَّ مِثْرَى يَقُولُ حِثُّهُ فَلَمْ ارْجِعْ -

(رواہ النسائی ورواہ البخاری و مسلم مطولاً)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس ایک چوپایہ لایا گیا جو گدھے سے بڑا اور چھر سے کم تھا۔ اس کا قدم نظر کے منتہی تک تھا۔ میں اس پر سوار ہو گیا۔ میرے ساتھ جبریل علیہ السلام تھے چلتے ہوئے ایک جگہ پر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اترو۔ نماز پڑھو۔ میں اترا اور نماز پڑھی۔ جبریل نے کہا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی، آپ نے طیبہ (مدینہ) میں نماز پڑھی۔ جہاں آپ کی ہجرت ہے، پھر چلے اور کہا اترو۔ نماز پڑھو۔ میں اترا اور نماز پڑھی۔ کہا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی آپ نے طور سینا پر نماز پڑھی۔ جہاں موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے ساتھ کلام کی ہے۔ پھر چلے اور کہا اترو نماز پڑھو۔ میں اترا نماز پڑھی۔ کہا کیا آپ جانتے ہیں آپ نے کہاں نماز پڑھی۔ آپ نے بیت لحم میں نماز پڑھی۔ جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا۔ تو سب انبیاء علیہم السلام میرے لیے جمع ہوئے۔ جبریل نے مجھے آگے کیا۔ میں نے ان سب کو نماز پڑھائی۔ پھر مجھے پہلے آسمان پر لے گیا۔ وہاں آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر دوسرے پر عیسیٰ علیہ السلام و یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام اور چوتھے پر ہارون علیہ السلام اور پانچویں پر ادریس علیہ السلام، چھٹے پر موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر جبریل مجھے ساتویں آسمانوں کو اوپر لے گئے۔ تو ہم سدرۃ المنتہی میں پہنچے۔ پھر مجھے بادل نے ڈھانپ لیا پھر میں سجدہ میں گرا۔ تو مجھے کہا گیا کہ میں نے جب سے آسمان اور زمین پیدا کیے ہیں۔ تیرے اور تیری امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ پس تو اور تیری امت اسے ادا کیا کرو۔ پھر میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس آیا۔ انہوں نے مجھ سے کچھ نہ پوچھا۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انہوں نے کہا کہ تجھ پر اور تیری امت پر کیا فرض ہوا۔ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ انہوں

نے کہا کہ تو اسے ادا نہیں کر سکے گا اور نہ تیری اُمت ادا کر سکے گی۔ تو پھر اپنے رب کے پاس جا اور جا کر تخفیف کا سوال کر تو ہیں واپس اپنے رب کے پاس آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ پھر میں نے اگر موسیٰ علیہ السلام سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ پھر جا اور کمی کا سوال کر۔ میں پھر گیا۔ تو اللہ نے دس اور کم کر دیں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ تو انہوں نے پھر کہا کہ پھر جا۔ میں پھر گیا۔ پھر خدا نے دس اور تخفیف کیں۔ پھر بار بار جانے سے پانچ نمازیں رہ گئیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ پھر اپنے رب کے پاس جاؤ اور کمی کا سوال کرو۔ کیونکہ بنی اسرائیل پر صرف دو نمازیں فرض کی گئی تھیں۔ وہ دو بھی نہیں پڑھ سکے۔ پھر میں گیا اور تخفیف کا سوال کیا۔ تو اللہ نے فرمایا۔ میں نے جب سے آسمان و زمین پیدا کیے۔ تجھ پر اور تیری اُمت پر پچاس نمازیں فرض کی تھیں۔ پس اب پانچ نمازیں بجائے پچاس کے ہیں۔ یعنی ثواب پچاس ہی کا ملے گا۔ پس آپ اور آپ کی اُمت پانچ نمازیں قائم کرو۔ تو میں نے معلوم کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم عزیمت ہے۔ یعنی حتیٰ ہے۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ انہوں نے پھر کہا کہ جاؤ اور تخفیف کراؤ۔ تو میں نے معلوم کر لیا کہ یہ حکم اللہ کی طرف سے لازمی ہے۔ پھر میں نہ گیا۔ اس حدیث کو نسائی نے روایت کیا۔ بخاری و مسلم نے اس روایت کو مطول روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے چند امور مستفاد ہوئے۔

- (۱) یہ کہ حضور علیہ السلام کو معراج اسی جسم شریف کے ساتھ ہوا۔ کیونکہ براق پر سوار ہونا روح کا کام نہیں۔ یہ روح مع الجسم کا کام ہے۔
- (۲) یہ کہ کسی متبرک مقام کی زیارت کے موقع پر اس مقام میں دو رکعت نفل پڑھنا جائز بلکہ مسنون ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طوسینا مدینہ طیبہ بیت اللحم اور بیت المقدس میں نفل پڑھے۔
- (۳) یہ کہ حضور علیہ السلام امام الانبیاء ہوئے اور ظاہر ہے کہ امام مقتدیوں سے

افضل واعلم ہوتا ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی نبی یا رسول ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوتا تو وہی امام ہوتا چونکہ جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کو آگے کیا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہی سب انبیاء سے افضل ہیں۔

(۴) یہ کہ انبیاء علیہم السلام سیر کرتے ہیں۔ چلتے پھرتے ہیں، ایک جگہ محبوس نہیں ہیں۔ بیت المقدس میں پہلے حاضر ہوئے اور حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی پھر آپ آسمانوں پر تشریف لے گئے تو وہاں ملے، کوئی پہلے آسمان پر کوئی دوسرے پر کوئی تیسرے پر۔

(۵) یہ کہ ان کی سیر نہایت سریع ہے۔ بیت المقدس میں نماز پڑھی پھر حضور علیہ السلام کے تشریف لے جانے سے پہلے آسمان پر پہنچ گئے۔

(۶) یہ کہ حضور علیہ السلام سب انبیاء سے اعلم ہیں۔ مخلوقات میں سے کوئی چیز حضور علیہ السلام کے علم سے باہر نہیں۔ اعلم تو اس لیے کہ وہی امام ہوئے۔ اور امامت کا حق اعلم واقعہ کا ہے، جب یہ ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا علم سب انبیاء سے زیادہ تھا۔ تو اب آدم علیہ السلام کا علم بھی ملاحظہ ہو۔ اللہ فرماتا ہے۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کا علم عطا کیا۔ اسماء جمع ہے۔ پھر اس پر الف لام استغراق کا پھر کلّہا اس کی تاکید ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز جس کا کچھ نام ہے۔ آدم علیہ السلام کے علم سے باہر نہیں ہے اور یہ نہیں کہ صرف نام سکھائے اور مسمیات کا علم عطا نہیں کیا۔ کیونکہ جب ان اشیاء کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو انہوں نے اپنی لاعلمی بیان کی اور آدم علیہ السلام نے سب اشیاء کے نام بتا دیئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو تمام مسمیات کا بھی علم تھا تو حضور علیہ السلام حکم آدم علیہ السلام سے بھی زیادہ علم تھا ان سے کوئی چیز کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا علم آیت اِنْدَ ثَكْوِبَا

تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ سَے ظاہر ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو ذخیرہ گھروں میں رکھتے ہو۔ میں تم کو اس کی خبر دیتا ہوں۔ یہ تو عیسیٰ علیہ السلام کا علم ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اعلم ہیں ان کے علم کا کیا کت۔

(۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام جو کہ حضور علیہ السلام سے پہلے دنیا میں تشریف لائے اور وقت مقررہ تک رہ کر ہم سے پوشیدہ ہو گئے۔ انہوں نے سب مسلمانوں کو یہ فائدہ پہنچایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار اللہ تعالیٰ کے پاس بھیج کر چاس نمازوں سے پانچ کرائیں جس سے معلوم ہوا کہ دنیا سے رحلت فرما جانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے مقبولین نفع پہنچا سکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۳۰

حدیث شفاعت ہے کہ سب لوگ آدم علیہ السلام کی خدمت میں عرض شفاعت جائیں گے۔ وہ نوح علیہ السلام کی طرف بھیجیں گے۔ وہ ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بھیجیں گے۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں بھیجیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آئیں گے تو حضور فرمائیں گے۔ اَنَا لَهَا مِنْ شَفَاعَتِ كَلِّیْے ہوں۔ یعنی یہ کام میں کروں گا حضور فرماتے ہیں۔

اَسْتَاذِنُ عَلٰی رَاٰیِیْ فَبِیُوْزُنْ لِّیْ وَیْلَہُمْنِیْ مَجَامِیْدًا اَحْمَدُہٗ بِہَالَا
تَحْضُرْنِیْ الْاَنَ فَاَحْمَدُہٗ بِتِلْکَ الْحَامِیْدِ وَاَخْرَجَ لَہٗ سَاجِدًا اَنْیَقَالَ
یَا مُحَمَّدًا اِرْنَعْ رَاسُکَ وَقُلْ تُسْمَعُ وَوَسَلْ تُعْطٰی وَاشْفَعْ تُشْفَعُ
فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ نِیْقَالَ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ کَانَ فِیْ

قَلْبِهِ مِثْقَالُ شَعِيرَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ۔

(الحديث متفق عليه بم)

میں اپنے پروردگار سے اجازت مانگوں گا۔ پس مجھے اجازت دی جائے گی۔ اور مجھے اللہ تعالیٰ کے محمد (یعنی تعریفیں ایسے الہام ہوں گے جو آج مجھے مستحضر نہیں تو میں اُن محمد سے اللہ کی تعریف کروں گا اور میں سجدہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک اٹھاؤ اور فرماؤ جو فرماؤ گے سنا جائے گا۔ اور مانگو۔ جو مانگو گے دیا جائے گا اور سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی تو میں کہوں گا یا اللہ میری امت، میری امت، حکم ہو گا جاؤ۔ جس کے دل میں برابر جو کے بھی ایمان ہے اسے نکال لو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے روز سب لوگ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے خواہاں ہوں گے اور حضور علیہ السلام کی شفاعت سے جنت میں جائیں گے جس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کے وسیلہ کی بڑی ضرورت ہے جو لوگ وسیلہ کے منکر ہیں انہیں چاہیے کہ اس روز بھی سیدھے خدا کی طرف جائیں۔ انبیاء علیہم السلام کے دروازوں پر امداد و شفاعت کے لیے کیوں جائیں گے پس جب قیامت میں حضور کی خدمت میں جانا ہے تو آج ہی حضور علیہ السلام کی امداد کے طالب رہیں البتہ ہو کہ قیامت میں حضور فرمائیں کہ تو میری امداد کا منکر تھا۔ پھر آج کیسے آگیا۔ ولتعوها قیل۔ آج لے آئی پناہ آج مدد مانگ اُن سے پوچھ نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

حدیث نمبر ۳۱

معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

مَنْ يَدْرِ اللَّهُ بِمَا خَيْرًا يَفْقَهُهُ فِي الدَّائِنِ وَإِنَّمَا أَنَا نَاسٌ
وَاللَّهُ يُعْطِي - (متفق علیہ)

کہ جس شخص کے حق میں اللہ تعالیٰ بہتری کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے دین میں سمجھ دے دیتا ہے یعنی اسے شریعت و طریقت و حقیقت کا عالم بنا دیتا ہے اور سوائے اس کے نہیں میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ دینے والا اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز دینے والا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تقسیم کرنے والے ہیں پس جو کچھ کسی کو اللہ تعالیٰ دیتا ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم سے ملتا ہے۔ یہاں معطی کا مفعول مذکور نہیں جس سے معلوم ہوا کہ وہ ہر چیز جس کا دینے والا خدا ہے۔ اس کے تقسیم کرنے والے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سبحان اللہ کیا شان ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ مبارک ہیں و ملوک جنہوں نے حدیث کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قاسم مانا اور افسوس ہے ان لوگوں پر جنہوں نے آپ کو نہ پہچانا۔

حدیث نمبر ۳۲

عَنْ طَارِقِ بْنِ شَهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُولُ قَامَ نَبِيُّ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدَأِ الْخَلْقِ
حَتَّى دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذَلِكَ
مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَ مَنْ نَسِيَ - (بخاری)

بخاری شریف میں طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے میں نے سنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہ فرماتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تو ابتدا خلقت سے بیان

فرماتے ہوئے یہاں تک بیان فرمایا کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں اپنی اپنی جگہ پر پہنچے ہم ہیں سے جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا جو بھول گیا وہ بھول گیا۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، ابتداء آفرینش سے آخر جنت و دوزخ کے دخول تک تمام حالات بیان فرما دیئے، کسی کو یاد رہے کسی کو بھول گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو ابتداء آفرینش سے آخر دخول جنت و دوزخ تک سارے حالات معلوم تھے۔

ابن حجر فتح الباری جزو ۱۳ ص ۱۸۷ میں فرماتے ہیں۔

ولهذا لك على انه اخبرني المجلس الواحد بجميع احوال
المخلوقات منذ ابتداءت الى ان تقى الى ان تبعث فشهد
ذلك الاخبار عن المبدأ والمعاش والمعاد وفي تيسير
ايراد ذلك كله في مجلس واحد من خوارق العادة امر عظيم
حضور عليه السلام نے جو کہ تمام مخلوقات کے تمام حالات ایک مجلس میں فرمائے
یہ آپ کا معجزہ تھا کہ تھوڑے وقت میں بہت کچھ بیان فرما دیا۔

حدیث نمبر ۳۳

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُشِّتُ
بِجَمَاعٍ الْكَلِمَ نَضَرْتُ بِالرَّعْبِ وَبَيْنَا أَنَا فَأَيُّهَا أَيُّنِي بِمَفَاتِيحِ
حَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوَضَعْتُ فِي يَدَيَّ (متفق عليه مشكوة ص ۵۴)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جو اجمع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا
گیا یعنی مجھے کلمات جامعہ عطا کیے گئے جن کے الفاظ تھوڑے اور معانی بہت ہیں
رعب کے ساتھ مدد کیا گیا اور میں سوا ہوا تھا کہ اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میرے
پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھی گئیں۔ اس کو

بخاری مسلم نے روایت کیا۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں ہیں۔ چو کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی مثل وحی
کے ہے۔ اس لئے یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ آپ مالک نے آپ کو مالک بنایا ہے۔

حدیث نمبر ۳

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ
بَدْرٍ اللَّهُمَّ أَشْهَدُكَ عَهْدَكَ وَعُودَكَ اللَّهُمَّ إِنِّي
شَهِدْتُ لَكَ تَعْبِدُنَا فَخَذَّ ابْنُ كُرَيْبٍ إِدَاهُ فَقَالَ حَسْبُكَ بَحْرُ
وَهُوَ يَقُولُ سَيَهْنَأُ الْجَمْعُ وَيُؤْتُونَ الذَّبْرَ۔ (بخاری شریف)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر
کے دن دعا کی کہ یا اللہ میں تجھ سے تیرے عہد اور وعدہ کو مانگتا ہوں جو تو نے
فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے، اے خدا اگر تو چاہتا ہے یعنی جماعت اہل اسلام
کی ہلاکت، پھر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ یعنی زمین میں پھر کوئی تیری پوجا
نہ کرے گا۔ بلکہ ہمیشہ لوگ مشرک رہیں گے جو غیر اللہ کی پرستش کریں گے یہ آپ
کو معلوم تھا کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں پس اگر آپ اور
آپ کے ساتھی شہید ہو جاتے تو پھر اس شریعت کے مطابق اس زمین پر
کون عبادت کرتا رہتا؟ کوئی سمجھتا نہیں ہوتا تھا پھر کون لوگوں کو ایمان
کی طرف بلاتا۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے انہوں نے اگر حضور علیہ السلام کو
اپنے ہاتھ سے پکڑ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ کی مناجات اپنے رب کے
ساتھ کافی ہو گئی۔ پھر نکلے ادب پر پڑھتے تھے کہ جلدی بھگائی جائے گی۔ یہ جماعت
اور پھر دیں گے پیٹھیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس حدیث سے قبولیت دعا کے علاوہ یہ امر قابل غور ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یا اللہ اگر یہ جماعت اہل اسلام کی تو ہلاک کر دے تو زمین میں تیری پرستش نہ ہوگی۔ کیا اللہ تعالیٰ کی پرستش انہیں چند لوگوں پر موقوف تھی نہیں حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایک ناز کے انداز میں دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آپ کی امداد کی۔

حدیث نمبر ۳۵

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَأْتِي ابْنَ آدَمَ النَّذَارُ بِشَيْءٍ لَوْ أَكُنْ تَذَارِعُهُ - (بخاری شریف)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آدم کے بیٹے کو نذر کوئی شے نہیں لاتی جسے میں نے اس کی تقدیر میں نہ کیا ہو۔ یعنی جو چیز اس کی تقدیر میں ہوتی ہے وہ ہی ہوتی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر کو بھی حضور علیہ السلام نے ہی مقدر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ حدیث قدسی ہے۔ لیکن اس کی کسی سند اور روایت میں یہ تصریح نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، یہ حدیث ابو داؤد میں بھی ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت نہیں۔ نیز نسائی میں بھی ہے اس میں بھی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فرمایا ہے۔ اس حدیث میں ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس چیز کو میں نے مقدر نہیں کیا وہ نذر سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم محدثین کے قول کو مان لیں کہ یہ حدیث قدسی ہے تو اتنا ماننا بھی ضرور ہوگا کہ محدثین جو فرمائیں اگرچہ حدیث کے الفاظ میں نہ ہو وہی صحیح ہوگا حالانکہ بحرح خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے کسی دوسرے کا قول ماننا ہم پر واجب نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۳۶

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ غَابَ عَنَّا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَلَمْ يَخْرُجْ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ لَنْ يَخْرُجَ فَلَمَّا خَرَجَ سَجَدًا سَجْدَةً فَظَنَنَّا أَنَّ نَفْسَهُ تَدَاقَبَتْ مِنْهَا فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ قَالَ إِنَّ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى اسْتَشَارَنِي فِي أُمَّتِي مَاذَا أُنْعَلُ بِهِمْ فَقُلْتُ مَا شِئْتَ أَمْ رَبِّ هُمْ خَلْقُكَ وَعِبَادُكَ فَاسْتَشَارَنِي الثَّانِيَةَ فَقُلْتُ لَهُ كَذَلِكَ فَقَالَ لَا أَحْزِنُكَ فِي أُمَّتِكَ يَا مُحَمَّدٌ وَبَشِّرَنِي أَنَّ أَوَّلَ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا مَعَ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعُونَ أَلْفًا لَيْسَ عَلَيْهِمْ حِسَابٌ ثُمَّ أُرْسِلَ إِلَيَّ فَقَالَ ادْعُ تُجِبْ وَسَلْ تُعْطَ فَقُلْتُ لِرَسُولِهِ أَوْ مُعْطِي رَبِّي سَوَّلِي فَقَالَ مَا أُرْسِلُنِي إِلَيْكَ إِلَّا لِيُعْطِيَكَ وَلَقَدْ أَعْطَانِي رَبِّي عِزًّا وَجَلًّا وَلَا تَحْزَنْ وَغَفَّرَ لِي مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِي وَمَا تَأَخَّرَ وَأَنَا أَمْشِي حَيًّا مَحِيحًا وَأَعْطَانِي الْكَوْثَرَ نَهْرٌ مِنَ الْجَنَّةِ لَيْسَ فِي حَوْضِي وَأَعْطَانِي الْعِزَّ وَالنَّصْرَ وَالرُّعْبَ يَسْعَى بَيْنَ يَدَيَّ أُمَّتِي شَهْرًا وَأَعْطَانِي أَوَّلَ الْأَنْبِيَاءِ أَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَطَيْبٌ وَلَا أَمَّتِي الْغَنِمَةُ وَأَحَلَّ لَنَا كَثِيرًا مِمَّا وَعَلَى مَنْ قَبْلُنَا وَلَمْ يُجْعَلْ

عَلَيْنَا مِنْ حَدِيثِ (مسند امام احمد جلد ۳ ص ۳۹۳)

اس حدیث کی سند میں ابن لہیعہ ہے جس کو مسند احمد کے اسی جلد کے صفحہ ۳۹۳

میں حسن فی حدیث لکھا ہے کہ وہ اپنی حدیث میں من ہے۔
 خذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہم سے غائب ہو گئے اور ہم نے گمان کیا کہ وہ نہ آئیں گے تو جب آپ آ گئے تو آپ

نے ایک سجدہ کیا یہاں تک لمبا سجدہ کیا کہ ہم نے گمان کیا کہ شاید آپ کی روح مبارک قبض کی گئی جب آپ نے سر مبارک اٹھایا تو فرمایا کہ میرے رب تعالیٰ نے مجھ سے میری امت کے بارہ میں مشورہ کیا اور پوچھا ہے کہ میں تیری امت کے ساتھ کیا معاملہ کروں۔ میں نے عرض کی کہ اے خداوہ تیرے بندے تیری مخلوق میں جو توجاہ ہے کر۔ پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے مشورہ لیا تو میں نے اسی طرح عرض کی کہ تیرے بندے میں جو توجاہ ہے کر۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تجھے تیری امت کے بارہ میں غمناک نہ کروں گا۔ اور مجھے اللہ نے خوشخبری دی کہ سب سے پہلے میری امت کے ستر ہزار اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار آدمی جنت میں داخل ہوں گے۔ ان پر کوئی حساب کتاب نہ ہوگا۔ پھر میری طرف قاصد بھیجا گیا اور فرمایا کہ دعا کر تیری دعا قبول ہوگی اور مانگ تجھے دیا جائے گا تو میں نے قاصد کو کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے میرا سوال عطا کرے گا۔ اُس نے کہا کہ مجھے تیری طرف اسی لیے بھیجا کہ تجھے اللہ تعالیٰ عطا کرے (جو تو مانگے) اور مجھے اللہ نے دیا اور اس میں کوئی فخر نہیں یعنی میں فخر نہیں کرتا اور اللہ میرے اگلے پچھلے گناہ (جو حضور کی شان کے مطابق گناہ) سے سب معاف فرمائے اور میں زندہ تندرست چلتا ہوں اور مجھے اللہ نے یہ بھی عطا کیا کہ میری امت بھوک کے عذاب سے ہلاک نہ ہو اور (کفار سے) مغلوب نہ ہو اور مجھے اللہ تعالیٰ نے پھر کوثر عطا فرمائی اور مجھے اللہ تعالیٰ نے عزت اور نصرت عطا فرمائی اور ایک مہینہ کی مسافت سے میرا رعب پیدا کیا اور میں سب انبیاء سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا اور میرے اور میری امت کے لیے مال غنیمت حلال کیا اور جو پہلے لوگوں پر سختیاں تھیں وہ ہم پر حلال کی گئیں اور اللہ نے ہم پر کوئی تنگی نہیں کی۔

اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں روایت کیا اس حدیث سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام سے ان کی امت کے بارہ میں مشورہ لیتا ہے پھر خوش خبری دیتا ہے کہ سب سے پہلے

آپ کی امت کے کئی ہزار لوگ بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔
(اللّٰهُوَ اَجَلْنَا مِنْهُمْ)

حدیث نمبر ۳۷

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
مَنْ يَضُمُّ لِي مَائِينَ لِحَيْتِهِ وَمَائِينَ رِجْلَيْهِ أَفْهَمُنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔ (بخاری شریف)

یعنی جو شخص میرے لیے اپنی زبان اور شرم گاہ کا ضامن ہو یا یعنی ان دونوں عضو سے میری نافرمانی نہ کرے گا تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔
معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام خدا تعالیٰ کی تملیک سے جنت کے مالک ہیں اور کارخانہ الہی کے مختار ضمانتیں فرماتے ہیں اپنے ذمہ لیتے ہیں ہر شخص جانتا ہے کہ ضمانت وہی دیتا ہے جس کا اختیار ہو۔ مالک ہو یا مالک کی طرف سے ماذون۔ ورنہ فضولی ہے جس کا عقوبتے کا رہے۔

حدیث نمبر ۳۸

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَنَا أَوَّلُ بِالْمُؤْمِنِينَ مَنْ أَنْفُسُهُمْ فَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَلَوْ يَتْرُكُ وَخَاءَ فَعَلَيْنَا قَضَاؤَهُ (رواه البخاری) وفی روایہ فَمَنْ تَوَقَّى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَى قَضَاؤِهِ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلَوْ شَاءَ (بخاری شریف)

ھنو علیہ السلام فرماتے ہیں میں مومنوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہوں
دکنز الایمان ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ اپس جو شخص مر جائے اور اس کے
سہرہ قرض ہو اور مال نہ ہو جس سے قرض ادا کیا جائے۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ اس
کا قرض میرے ذمہ ہے۔ (میں ادا کروں گا) اور جو شخص مال چھوڑ جائے وہ اس کے
وارثوں کا حق ہے۔

بھان اللہ! کوئی ایسا شفیق ہے جو میت کا قرض اپنے ذمہ لے اور مال
وارثوں کو دے دے۔ یہ ھنو علیہ السلام کی ہی غنایت و شفقت ہے اور یہ جو فرمایا
کہ میں مومنوں کی جانوں کا ان سے زیادہ مالک ہوں۔ اس کا مطلب یہ کہ دنیا اور
دین کے تمام امور میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مسلمانوں پر نافذ اور آپ کی اطاعت
واجب یا یہ معنی ہیں کہ نبی مومنین پر ان کی جانوں سے زیادہ رافت و رحمت اور
لطف و کرم فرماتے ہیں اور نافع تر ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
زیادہ حق رکھتے ہیں کہ آپ جس طرف بلائیں۔ اسی کو اختیار کیا جائے

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ جو مسلمان خدا تعالیٰ کا قرض
ادا نہ کریں اور فوت ہو جائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بھی تذکرہ فرمائیں
گے۔ اگرچہ شفاعت سے ہو۔

حدیث نمبر ۳۹

عَنْ النَّسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَوْمُنُ أَحَدًا كَرُّ
حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدَيْهِ وَوَلَدَيْهِ وَالنَّاسِ
أَجْمَعِينَ۔ (متفق علیہ)

جائز نہیں۔ ممکن ہے کہ انسان بے علمی کے سبب کسی غلط مسئلہ کو صحیح سمجھ لے
یا صحیح کو غلط۔ اس لیے اپنے مذہب کی کتاب کے سوا اور کسی بد عقیدہ و بد
مذہب کی کتاب نہ دیکھے نہ سنے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے
اصاق پڑھنے پر مارا ہلکی فرمائی۔ دوسری کتاب کا کیا کہنا۔ یہاں بد مذہب لوگ
دھوکا کھا جاتے ہیں کہ تحقیق کرنا چاہیے، یہ غلط ہے۔ آج تحقیق نہایت مشکل ہے
حامی بے علم کیا تحقیق کرے گا۔ تحقیق نہایت دشوار ہے۔ جو اہل علم پر مخفی نہیں۔
واللہ اعلم۔

صحاحِ ستہ سے ماخوذ جو اہر پارے

ہضورِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشادات جو ہر انسان کے لیے دینی و دنیوی ترقی اور فلاح داریں کے ضامن ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

- ۱۔ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ -
اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔
- ۲۔ الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ -
حیا و ایمان کا حصہ ہے۔
- ۳۔ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَبَدَنِهِ -
مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو رنج نہ پہنچے۔
- ۴۔ مَنْ أَحَبَّ يِلَّهَ وَأَبْغَضَ يِلَّهَ -
کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو خدا واسطے دوستی اور خدا واسطے دشمنی رکھے
گویا اس کے ہر عمل میں رضا حق مقصود ہو۔
- ۵۔ لَا إِيْمَانُ لِمَنْ لَا أَمَانَتَ لَهُ -
جو امانت دار نہیں وہ ایماندار بھی نہیں۔
- ۶۔ وَلَا دِيْنُ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ -
جو وعدے کا پابند نہیں وہ دیندار بھی نہیں۔
- ۷۔ إِذْ سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَإِنَّتَ مُؤْمِنٌ -
تو نیک کام کرنے سے خوش اور بُر کام کرنے سے رنجیدہ ہو تو جان لے
کہ تو مومن ہے۔
- ۸۔ لَا يَزِنِي الْزَّانِي حِينَ يَزِنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ الشَّارِقُ حِينَ

لَيْسَ رُقٌّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرِبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ
وَلَا يَغُلُّ أَحَدًا كَوْحِينَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَقْتُلُ حِينَ يَقْتُلُ
وَهُوَ مُؤْمِنٌ -

زانی زنا کرنے کے وقت، چور چوری کرنے کے وقت، شرابی شراب پینے
کے وقت، خائن خیانت کرنے کے وقت اور قاتل قتل کرنے کے وقت ایمان
والا نہیں ہوتا۔ گویا جو مومن ہے وہ نہ زنا کرتا ہے نہ چوری کرتا ہے نہ شراب پیتا
ہے نہ خیانت کرتا ہے اور نہ قتل کرتا ہے -

۹۔ اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خُصْلَةٌ
مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خُصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَّعِيَهَا. إِذَا
أَوْمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدًا غَدَاً وَإِذَا
خَاصَمَ فَجَرَ -

وہ شخص پورا منافق ہے جو امانت میں خیانت کرے اور جھوٹ بولے
اور بات کہہ کر پھپھرائے اور تکرار میں گالیاں دے اور جوان چاروں میں
سے ایک خصلت رکھتا ہو۔ جب بھی اس میں منافق کی نشانی ہے جب
تک اسے نہ چھوڑے -

۱۰۔ كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ -

وہ آدمی جھوٹا ہے۔ جو سنی ہوئی باتیں جن کا جھوٹ سچ معلوم نہ ہو کہتا پھرے -

۱۱۔ مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فاعِلِهِ -

جو کسی کو نیک کام بتائے اسے اس کام کے کرنے والے کے برابر ثواب
ملتا ہے -

۱۲۔ طَلَبُ الْعِلْمِ نَزِيهَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ -

علم کی تلاش ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے ضروری ہے -

۱۳۔ مَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ بِأَمْرٍ يَعْلَمُ أَنَّ الدُّشْدُنِيَّ غَيْرُهُ فَقَدْ خَانَ -

جو جان بوجھ کر نیکی و صلاح کے برخلاف فساد کی راہ بتائے وہ خیانت کا رہے۔
۱۲۔ لَهَىٰ عَنِ الْاَغْلُوْطَاتِ۔

پچیدہ باتیں کرنے سے باز رہو۔ ایسے پچیدہ مسائل اپنی فوقیت دکھلانے کے لیے بیان کرنا جن سے سنتے والے مغالطہ میں پڑ جائیں۔ منع ہیں۔
۱۵۔ لَا تُقْبَلُ صَلَوةٌ بِغَيْرِ طَهْوٍ وَلَا مَدَاقَةٌ مِنْ غُلُوْلٍ۔
ناپاک حالت میں نماز قبول نہیں ہوتی اور مال حرام سے خیرات قبول نہیں ہوتی۔

۱۶۔ اتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ الْبُرَانُ فِي الْمَوْرِ دِقَارَعَةُ الظِّلِّ وَالظِّلِّ۔

تین قابل لعنت باتوں سے بچو۔ رفع حاجت کرنا اس جگہ جہاں آدمی پانی دیکھ کر ٹھہرتے ہوں۔ راستہ میں اور سائے میں۔
۱۷۔ مُرُوا مَبِيَّانَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمَا ابْنَا سَبْعَ سِنِينَ وَافِرُ بُوْهُمْ ابْنَا عَشَرَ سِنِينَ۔

اپنی اولاد کو سات برس کی عمر میں نماز کے لیے کہو اور دس برس کی عمر میں اس پر عمل نہ کرنے سے سزا کے طور پر انہیں مارو۔
۱۸۔ كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ وَإِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فِيْهَا كَذًا أَوْ كَذًا۔

بد نظری بدکاری ہے جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں میں پھرے وہ حرام کا رہے۔
۱۹۔ خُذُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تَطِيقُونَ۔

اپنے ہی نیک کام کرو جتنے ہو سکیں۔

۲۰۔ أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ۔

خدا کو وہ نیک کام بڑے پسند ہیں جو ہمیشہ کیے جائیں اگرچہ تھوڑے ہی ہوں۔

۲۱۔ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعَوِّدُوا الْمَرِيضَ -

بھوکے کو کھلاؤ اور بیمار کی غمخواری کرو۔

۲۲۔ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرَائِبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ -

دنیا میں مسافر کی مانند ہو یا جو راستہ چل رہا ہو۔

۲۳۔ اَكْثِرُوا هَادِمَ اللَّذَاتِ الْمَوْتِ -

موت جو لذتوں کو مٹانے والی ہے اُسے بہت یاد کرتے ہو۔

۲۴۔ اَلْبَسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَّاضَ فَإِنَّهُ مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ -

سفید کپڑا تمام کپڑوں میں اچھا ہے۔ اسے ہی پہننا چاہیے جس میں سادگی ہو۔

۲۵۔ اذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِيهِمْ -

مرے ہوؤں کی نیکیوں کو بیان کرو اور ان کی برائی سے رکو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
نجدیوں سے نفرت

شیخ نجدی کون ہے؟

غیاث اللغات ص ۳۹۳ میں لکھا ہے :

شیخ نجدی شیطان کا لقب ہے، کفار مکہ نے جب حضور علیہ السلام کے قتل کا مشورہ کیا تو اس میں شیطان ایک بوڑھے نجدی کی شکل میں آکر شریک مشورہ ہو گیا۔
”یوں پر سیدند کہ سیتی“

کفار مکہ نے عرب پوچھا۔ ”تم کون ہو؟“
”گفت کہ من یحکم از ملک نجد آمدہ ام۔“

تو شیطان بولا کہ میں شیخ ہوں، ملک نجد سے آیا ہوں۔ پھر شیطان خود کہنے لگا۔

”و دریں مشورہ با شما شریکیم۔“

قتل کے اس مشورہ میں تمہارے ساتھ برابر کا شریک ہوں۔
معلوم ہوا کہ نجدی حضور کے برخلاف تھے۔ اسی لیے شیطان نے اس گروہ اور اس سرزمین کا نام لیا جس کی نسبت کفار کو یقین تھا کہ نجدی لوگ ہمارے ساکتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ نجد کے ساتھ شیطان کا گہرا تعلق ہے اس تعلق کی نشان دہی خود منبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی تھی۔

هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قران الشيطان

وہاں (نجد میں) زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینک نکلے گا۔

یہی وجہ تھی کہ حضور نے نجد کے حق میں دعائے خیر نہ فرمائی تھی۔

صداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توقع

کما اخیر

نجد کہاں واقع ہے؟

نجد، عرب میں ایک ملک کا نام ہے۔ مجمع البحار میں لکھا ہے۔
 هو اسم خاص لمادون الحجاز مما يلي العراق
 ما سوا من حجاز کو، جو عراق سے متصل ہے، نجد کہتے ہیں۔
 معلوم ہوا کہ عراق اور نجد مختلف ہیں۔ عراق اور ہے اور نجد اور۔ دونوں
 ایک نہیں۔ ہاں نجد عراق سے متصل ضرور ہے۔
 حافظ ابن حجر فتح الباری ص ۵۲۳ پ ۲۹ میں بحوالہ خطابی لکھتے ہیں،
 اصل النجد ما ارتفع من الارض وهو خلاف الغور فانه ما
 انخفض منها وتهامة كلها من الغور ومكة من تهامة۔
 'نجد' اصل میں بلند جگہ کو کہتے ہیں اور وہ 'غور' کی ضد ہے۔ غور پست جگہ کو
 کہتے ہیں۔ اور تہامہ سب کا سب غور سے ہے اور مکہ تہامہ سے ہے۔
 اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تہامہ، نجد نہیں بلکہ غور ہے اور مکہ بھی تہامہ
 سے ہے۔

لیکن مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے اپنی رسالہ آنحضرت کی نجدیوں
 سے محبت میں تہامہ کو بھی نجد میں داخل کیا ہے۔ اسی طرح ایڈیٹر اہل حدیث لکھنؤ
 نے بھی تہامہ اور یمن کو داخل نجد سمجھا ہے۔ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں۔ کیوں کہ رسول
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن و شام کے لیے دعا فرمائی تو ایک نجدی نے
 کہا تھا۔

'و فی نجدنا' اور ہمارے نجد کے حق میں بھی دعا فرمائیے! تو اس کے جواب
 میں حضور فرمادیتے کہ یمن و شام بھی تو نجد ہے۔ جب یمن و شام کے لیے دعا
 کرتا ہوں تو نجد کے لیے بھی دعا ہو گئی۔

اگر فی الواقع حجاز کے ماسوا، سب نجد تھا تو آپ صرف نجد کے لیے دعا

فرمادیتے تو سب ملک اسی میں آجاتا۔ حالانکہ کہ حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے یمن و شام کے لیے دعا فرمائی، لیکن نجد کے لیے نہیں۔

عراق اور تھامہ، نجد میں داخل نہیں

غیاث اللغات

نجد نام ملکہ از عرب میان حجاز و عراق و میان بصرہ و مکہ کہ زمین آں بلند است بہ نسبت یمامہ و حجاز،

نجد عرب کے ایک ملک کا نام ہے، جو حجاز و عراق اور بصرہ و مکہ کے درمیان ہے۔ اور یمامہ و حجاز کی نسبت اس کی زمین بلند ہے۔ معلوم ہوا کہ نجد، عراق نہیں ہے۔

منتہی الارب

نجد یا فتح زمین بلند۔ انجدا کا فلس و پنجار کتاب و نجد اکتب جمع راہ روشن بر بالہ۔

واز بلاد عرب و آں چہ بر خلاف غور است کہ تھامہ باشد و گاہے جیم راضمہ دہندہ۔

اعلائے نجد تھامہ و یمن است و اسفل آں عراق و شام و اول آں از جانب حجاز ذات عرق۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تھامہ نجد میں سے نہیں۔ اس کی ایک طرف تھامہ و یمن ہے اور دوسری طرف عراق و شام۔ یعنی تھامہ، یمن، شام، حجاز اور عرق سب کے سب نجد میں سے نہیں۔ ان تمام ملکوں سے نجد الگ ہے جو آج کل سعودی عرب کا صوبہ ہے۔

قاموس

النجد ما اشرف من الارض والطريق الواضح المرتفع وما
خالف الغور وبضم جيم مذاكر اعلاه تهامة واليمن و
اسفله العراق والشام وادله من جهة الجاذات عراق -

اس عبارت کا مطلب وہی ہے جو غشتی الارب کا ہے۔

خود صاحب قاموس نجد کی تعریف میں -

ما خالف الغور یعنی تھامہ کہتا ہے۔

یعنی نجد وہ ہے جو تھامہ کے خلاف ہے اور تھامہ غور ہے۔

پھر اعلاه تھامہ سے یہ سمجھنا کہ تھامہ بھی نجد ہے۔ اور اسفله العراق
سے عراق کو بھی داخل نجد سمجھنا۔ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کے

قبیل سے ہے۔

پس معلوم ہوا کہ تھامہ اور عراق نجد ہیں داخل نہیں۔ نجد ان دونوں سے

الگ ہے۔

صراح

”نجد ایضاً من بلاد العرب وهو خالف الغور والغور

هو تهامة وكل ما ارتفع من تهامة الى ارض العراق

نہو نجد -

نجد بلاد عرب سے ہے اور وہ غور کے خلاف ہے اور غور تھامہ ہے۔

تھامہ سے لے کر عراق تک جو زمین اونچی ہے وہ نجد ہے۔

صاحب صراح نے صاف ظاہر کر دیا کہ تھامہ سے لے کر عراق تک جو اونچی

زمین ہے، وہ نجد ہے، معلوم ہوا کہ تھامہ اور عراق نجد نہیں۔

نواب صدیق حسن بھوپالوی

اپنی کتاب ہدیۃ المسائل کے ص ۱۲۲ میں لغات کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

”مراد در این جا نجد، بلاد عرب ما دون حجاز متصل عراق است

محمد بن عبد الوہاب نجدی ہما جا بود۔“

اس جگہ نجد سے مراد عرب کا وہ علاقہ ہے جو ماسوائے حجاز کے عراق سے

متصل ہے۔ محمد بن عبد الوہاب نجدی اسی جگہ کا تھا۔

اپنے گھر کی گواہی تو مان جائیے

نواب صدیق حسن بھوپالوی جو کہ وہابیوں کے لئے نزل الابرار اور ہدیۃ المسائل
جیسی کتابیں مرتب کرنے والے ہیں۔ وہ خود کہہ رہے ہیں کہ نجد اور عراق دو الگ
ملک ہیں۔ نجد کا جو حصہ عراق سے متصل ہے، محمد بن عبد الوہاب اسی جگہ کا تھا۔

حضور علیہ السلام کا فیصلہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا میقات، اہل نجد کے لیے قرن منازل
مقرر فرمایا (دیکھئے بخاری شریف) اہل یمن کے لیے یلم، اہل شام کے لیے حجہ اور
اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ۔
اور دارقطنی میں ہے۔

اہل عراق کے لیے ذات عرق کو حج کا میقات مقرر فرمایا۔

معلوم ہوا کہ نجد، الگ ملک ہے جس کا میقات بھی الگ مقرر فرمایا گیا۔ اگر

عراق بھی نجد ہی ہوتا تو عراق کا میقات الگ مقرر نہ کیا جاتا۔

حدیث قرن شیطان

جو لوگ حدیث قرن شیطان میں نجد سے مراد عراق لیتے ہیں ان کو لازم ہے

کہ عراق کے کسی قصبہ کو قبیلہ مضر یا ربیعہ سے ثابت کریں۔ کیونکہ بخاری کی حدیث میں 'فی ربیعہ و مضر' آیا ہے۔ کہ وہ قرن شیطان ربیعہ اور مضر کے لوگوں میں ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ محمد بن عبد الوہاب نجدی اور ابن سعود دونوں قبیلہ مضر سے ہیں۔ ان دونوں کے سوا حدیث کا مصداق اور کون ہو سکتا ہے۔

جب یہ ثابت ہو چکا

کہ یمن اور عراق، نجد نہیں ہیں تو اب یمن کی تعریف میں احادیث کا پیش کرنا ابن سعود کے حق میں مفید نہیں۔ کیونکہ ابن سعود یمنی نہیں اور عراق کی تعریف میں احادیث پیش کرنا محمد بن عبد الوہاب کے حق میں مفید نہیں۔ کیوں کہ وہ عراقی نہ تھا۔

ابن سعود قبیلہ مضر سے ہے یا تمیم سے؟

عامیان ابن سعود اڑنی چوٹی کا زور لگا کر ابن سعود کو قبیلہ بنی تمیم سے ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنی تمیم سے محبت رکھنا ضروری ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نواب صدیق حسن بدیع المسائل ص ۱۴ میں لکھتے ہیں۔ "محمد بن عبد الوہاب بن سلیمان ... از مضر یا از بنی تمیم است"۔ نواب صاحب نے محمد بن عبد الوہاب کو باقبیلہ مضر سے یا بنی تمیم سے لکھا ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیے یہ دونوں قبیلے حدیث اور تاریخ کی روشنی میں۔

قبیلہ مضر

قبیلہ مضر کے متعلق بخاری شریف میں حدیث ہے کہ حضور مضر کے بارے میں بدو عافریا کرتے تھے۔

اللہم اشد وطاقتك على مضر واجعلها عليهم سنين

کسنی یوسف (بخاری ص ۳۱)

اور حدیث میں آیا ہے۔

اهل المشرق یومئذ من مضر مخالفون له

قبیلہ مضر سے اہل مشرق کے لوگ، ان دنوں حضور کے مخالف تھے۔

پس اگر یہ نجدی قبیلہ مضر سے ہے تو مضر کو اس حدیث میں اہل مشرق فرمایا گیا اور اسی قبیلہ کو حضور کا مخالف کہا گیا معلوم ہوا کہ یہ قبیلہ شروع سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف رہا اور اسی کو اہل مشرق فرمایا گیا۔ پھر اسی مشرق کی جانب اشارہ کر کے فرمایا گیا۔

الفتنة هاهنا فتنة وهي ہوگا۔ اور اسی کے متعلق فرمایا۔

نرا اس الکفر المشرق کفر کا سر غنہ مشرق ہے۔ کیا اب بھی شک باقی رہا کہ ابن سعود اور اس کے آباد حدیث قرن شیطان کے مصداق نہیں۔

حدیث کے الفاظ

بخاری شریف کے پارہ ۱۲ میں حدیث قرن الشیطان اس طرح آئی ہے۔

حيث يطلع قرن الشيطان في ربيعة ومضر

یعنی قرن شیطان ربیعہ اور مضر کے لوگوں سے نکلے گا۔

پس قبوں کو گرائے والے، رسول کے دربار سے ہٹانے والے بات بات پر مسلمانوں کو مشرک بنانے والے، اور مسلمانوں کے خون کو بے دریغ بہانے والے ابن سعود اور اس کے حواری بھی قبیلہ مضر سے ہیں۔

فَوَقَّعَ كَمَا اخبر النبي صلى الله عليه وسلم۔

قبیلہ مضر کی رسول دشمنی

قبیلہ مضر کے لوگ قدیم سے ہی لوگوں کو رسول پاک کی حاضری سے روکا

کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف پ اپنی حدیث وفد عبد القیس آئی ہے اس وفد نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم آپ تک بڑی دقت سے پہنچے ہیں کیونکہ

بنینا و بینک هذا الحی من کفار مضر
آپ کے اور ہمارے درمیان کفار مضر ہیں۔

قبیلہ بنی تمیم

ابن عبد الوہاب ابن سعود کو اگر قبیلہ بنی تمیم سے کہا جائے تو ملاحظہ فرمائیے کہ۔

قبیلہ بنی تمیم، مضر ہی کی شلخ ہیں

حافظ ابن حجر فتح الباری ص ۳۰۶ میں فرماتے ہیں۔

ان الذین ذکر وافی مقابلہم وھم تمیم واسد عطفان

دھوازن جمیعہم من مضر بالاتفاق۔

جن لوگوں کا ان کے مقابلہ میں ذکر ہوا ہے یعنی تمیم، اسد عطفان، اور دھوازن

یہ سب کے سب بالاتفاق قبیلہ مضر سے ہیں۔

معلوم ہوا کہ تمیم بالاتفاق قبیلہ مضر سے ہیں۔ لہذا ابن عبد الوہاب اور ابن سعود

کا تمیمی ہونا بھی ان کا قبیلہ مضر سے ہونا ہے۔ نطف کی بات تو یہ ہے کہ حدیث

میں قرنا الشیطان آیا ہے۔ قرمان تثنیہ ہے۔ اضافت کی وجہ سے نون ساوٹا

ہوا ہے، جس کا معنی ہے شیطان کے دو سینک، جو کہ ابن عبد الوہاب اور ابن

سعود ہی ہیں۔

بنو تمیم گستاخ اور بے عقل تھے۔

وہ بنو تمیم ہی تو تھے جن کو خدا نے فرمایا۔

اکثر ھولا یعقلون۔

ان کی اکثریت بے عقل ہے۔

ماقظ ابن حجر فتح الباری پ ۲ ص ۳۳۹ میں فرماتے ہیں کہ آیت:

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات الخ ردی الطبری عن

طریق مجاہد قال هو اعراب بنی تمیم،

طبری نے روایت کیا ہے، مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت بنو تمیم کے اعراب کے

حق میں ہے۔

فتح الباری کے ص ۳۳۸ میں ہے۔

قال ابن عطیة الصحيح ان سبب نزول هذه الآية كلام

جفاة الاعراب وجفاة الاعراب الذین نزلت فیہم

من بنی تمیم

ابن عطیہ نے کہا کہ صحیح یہی ہے کہ آیت کے نزول کا سبب جفاة الاعراب کا کلام ہے۔ اور ظالم بدوی جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی وہ بنو تمیم تھے۔ معلوم ہوا کہ بنو تمیم میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو آداب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ناواقف تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے حضور کا ادب نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اکثرهم لا یعقلون

بنو تمیم کی بے ادبی اور گستاخی ابن عبد الوہاب اور ابن سعود کو ورثہ میں منتقل ہوئی۔

بنو تمیم نے رسول پاک کو ناراض کیا

صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے۔

جاء نفر من بنی تمیم الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال

یا بنی تمیم البشر داء فقالوا البشر تنافا عتاد فی رواية

موتین) فتغیر وجهہ فجاءہ اهل الیمن فقال یا اهل الیمن

اتیلوا البشری اذ لو یقبلها بنو تمیم قالوا اقبلنا -

بنو تمیم کی ایک جماعت حضور کی بارگاہ میں آئی۔ تو حضور نے فرمایا۔ اے بنو تمیم خوش ہو جاؤ، انہوں نے کہا، آپ نے بشارت تو دی پس ہمیں کچھ دوا ایک روایت میں دوبار کا لفظ آیا ہے) تو آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔

پھر یمن کے لوگ آئے تو آپ نے فرمایا۔ اے اہل یمن! خوش خبری قبول کرو۔ بنو تمیم نے اس کو قبول نہیں کیا۔ اہل یمن نے عرض کیا کہ ہم نے قبول کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نے بنو تمیم کو بشارت دیتا چاہی لیکن انہوں نے قبول نہ کی۔ تو حضور ناراض ہو گئے اور اہل یمن نے وہ بشارت قبول کر لی۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ اہل یمن بنو تمیم نہیں۔

پس اگر ابن سعود نجدی بنو تمیم سے ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اہل یمن سے نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں اہل یمن اور بنو تمیم کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ لہذا جو حدیثیں اہل یمن کی فضیلت میں آئی ہیں وہ ابن سعود پر کیسے منطبق ہو سکتی ہیں، البتہ وہ بنو تمیم کی اس جماعت سے ضرور ہے جس نے رسول پاک کو "اعدل" کہا تھا۔

حضور کو "اعدل" کہنے والا کون تھا؟

بخاری شریف کی وہ حدیث جس میں ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا تھا۔

اعدل - الصفات کیجئے۔

تو حضرت عمر نے حضور سے اجازت چاہی تھی کہ یہ شخص گستاخ ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کو قتل کر ڈالوں،

تو حضور نے فرمایا تھا۔

اے عمر! اس کو چھوڑو۔ اس کی نسل سے ایسے لوگ ہوں گے کہ تم اپنی نمازوں اور روزوں کو ان کے آگے حقیر سمجھو گے۔

وہ لوگ دین سے ایسے نکلے ہوں گے جیسے کہ تیرا شکار سے نکل جاتا ہے۔ وہ گستاخ انسان جس نے حضور کی گستاخی کی تھی اور حضرت عمر نے اس کے قتل کی اجازت چاہی تھی، بخاری کی حدیث میں تصریح موجود ہے کہ وہ شخص بنو تمیم میں سے تھا۔

معلوم ہوا کہ بنو تمیم میں شروع سے ہی ترکِ ادب تھا۔

بنو تمیم کے حق میں

ابو القاسم تبارسی نے اہل حدیث ۳۰ نومبر ۱۲۵۷ء میں لکھا ہے۔

”بنو تمیم قوم رسول اللہ ہیں اور بنو تمیم اولادِ اسماعیل ہیں۔“

میں کہتا ہوں کہ بالکل بجا ہے کہ بنو تمیم، مضر سے ہیں اور مضر اور ربیعہ بیشک اولادِ اسماعیل ہیں۔ لیکن حضور نے جس ”قرنِ شیطان“ کے طور کی خبر دی تھی وہ بھی قبیلہ ربیعہ اور مضر سے ہی نمودار ہونا تھا چنانچہ وہ ہو کر رہا صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

البتہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ربیعہ و مضر کا اولادِ اسماعیل ہونا مشفق علیہ ہے البتہ یمن کا بنی اسماعیل سے ہونا مختلف فیہ ہے (دیکھو فتح الباری) تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ ابنِ سعود یمنی نہ تھا بلکہ تمیمی نجدی تھا۔ چونکہ حامیان ابنِ سعود کو بنو تمیم اور اولادِ اسماعیل سے مانتے ہیں اس لیے ثابت ہوا کہ وہ یمن کا باشندہ نہ تھا۔

اور شیخ ابی صبح بخاریؒ اپنی میں حضور نے قبیلہ حبشہ، مزینہ، اسلم اور غفار کے بارے میں فرمایا۔

ہو خیر من بنی تمیم و من بنی اسد
 کہ بنو تمیم اور بنو اسد سے (جہنیم، مزنیہ، اسلم اور غفار کے لوگ) بہتر ہیں۔
 ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ حضور کے اس ارشاد کا مفہوم آپ کے
 وصال کے بعد ظاہر ہو گیا کہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ سماح کے ساتھ مرتد ہو گئے۔
 علامہ عینی ج ۴ ص ۱۷۱ میں فرماتے ہیں۔

وارتدات عامة بنی تمیم
 بنو تمیم کی اکثریت مرتد ہو گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نجدیوں سے نفرت

آخر میں ہم فتح الباری پ ۱ ص ۸ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔
 ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لعینہ بن حصین ای
 الرجال خیر؟ قال اهل نجد۔ قال کذبت بل هم اهل الیمن
 حضور علیہ السلام نے عیینہ بن حصین سے دریافت فرمایا کہ کون لوگ بہتر
 ہیں اس نے عرض کیا اہل نجد۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے جھوٹ کہا وہ (بہتر) اہل
 یمن ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یمنی، نجدی نہیں اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اہل
 نجد بہتر نہیں۔ بلکہ جس نے بہتر کہا حضور نے اُسے فرمایا کذبت۔ تم نے جھوٹ کہا۔
 آج بھی جو لوگ نجدیوں کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملا تے ہیں
 ہم انہیں بھی کہیں گے، تم جھوٹ کہتے ہو کیونکہ جنہیں رسول خدا فرمائی کہ بہتر نہیں
 وہ لوگ کس طرح بہتر ہو سکتے ہیں۔

قابل غور

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ رسول کریم سائل کا سوال رد نہ فرمایا کرتے

تھے، مگر جب نجدی نے تین دفعہ نجد کے حق میں دعا کا سوال کیا تو حضور نے انکار فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو نجدیوں سے نفرت تھی، حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ حضور نے نجدیوں سے نفرت کیوں فرمائی؟ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے مکہ اور مدینہ پر لشکر کشی کی؟ وہ کون تھے جنہوں نے روضہ رسول پاک کو صنم اکبر کہا؟ وہ کون تھے جنہوں نے اکابر صحابہ و اہل بیت کے مزارات کو پامال کیا؟

ایک علامت

اس قوم کی ایک علامت حضور نے بیان فرمائی ہے۔ فتح الباری پ ۶۵ میں ہے۔

يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَدْعُونَ أَهْلَ الْأَدْنَانِ
وہ مسلمانوں کے ساتھ تو جنگ تو کریں گے لیکن بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔
اہل نظر انصاف کریں کہ وہ نجدی ہی تو تھے، جنہوں نے مسلمانوں کے خون کو بے دریغ بہایا اور انگریز سے صلح رکھی۔

اللَّهُمَّ خَرِّبْ دِيَارَ النِّجْدِيِّينَ وَشَتِّتْ شَمْلَهُمْ وَخَرِّقْ جَمْعَهُمْ
وَطَهِّرْ أَرْضَ الْحَرَمَيْنِ الشَّرِيفَيْنِ عَنْ نَجَاسَةِ أَقْدَامِهِمْ
امین یا رب العالمین

إِبَاحَةُ السَّلَفِ الْبَنَاءَ
عَلَى قُبُورِ الْمَشَاحِخِ وَالْعُلَمَاءِ

اولیاء اور علماء کے مزارات
پر قبے بنانے کے جواز میں



الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَأْسِ سُلَيْمٍ مُحَمَّدٍ
وَالِهِ وَآلِهِ أَجْمَعِينَ۔

اھا بعد فقیر ابو یوسف محمد شریف حنفی نقشبندی کوٹلوی اہل اسلام کی خدمت
میں عرض کرتا ہے کہ مکہ معظمہ میں حبیب سے نجدیوں نے مزارات محترمہ و مساجد
مترکہ و دیگر متبرک مقامات کی بے حرمتی کی، تہہ گرائے اور قتل و غارت سے زمین حرم
کو پامال کیا ہے۔ اسلامی دنیا میں ایک شور عظیم پیدا ہوا ہے ملک نے اس کام کو
حقارت کی نظر سے دیکھا اور جا بجا نجدیوں کی مخالفت میں جلسے ہوئے ریزولوشن
پاس ہوئے مگر وہ لوگ جو اس حادثہ فاجعہ سے پہلے نجدیوں سے اپنی بریت ظاہر
کیا کرتے تھے۔ ان کو مقلد مذہب حبلی کہہ کر خفیہ کرام کے چاڑا د بھائی سمجھتے تھے۔
اور ان کے مزاج کی شدت اور ان کے قتل بے گناہ وغیرہ افعال کو بری نگاہ سے
دیکھتے تھے۔ آج ان کو موحد متبع سنت مان کر ان کے غلبہ پر غلیں بجاتے اور
خوشیاں مناتے ہیں اور ان کے ہر ایک کام کو موافق سنت سمجھ کر ان کی حمایت و
امداد میں کئی صورتیں اختیار کرتے ہیں۔ کوئی تو ان مشاہد و مزارات و مساجد کو جو ابن

۱۵ دیکھو اخبار المحدث ۱۸ جنوری ۱۹۰۷ء ص ۵ و ۳ مئی ۱۹۰۷ء ص ۷ و ۲۸ دسمبر ۱۹۰۷ء ص ۹

۲۸ اپریل ۱۹۲۲ء و ۲۸ مارچ ۱۹۲۷ء میں لکھتا ہے۔ ہمارے نزدیک جیسے حنفی ویسے

نجدی۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۷ء میں لکھتا ہے۔ ہم نجدی غیر مقلد تک نہیں ہم حبلی ہیں ۲۸ مارچ ۱۹۲۷ء میں البواقام بناری

لکھتا ہے۔ فرقہ دہابیہ قدیم زمانہ خارجیوں کا ایک فرقہ تھا۔ نواب صدیق حسن بھی ترجان دہابیہ میں الیاء اپنی بریت

ظاہر کرتا ہے۔ ۷ دیکھو ہدایت السائل مؤلفہ صدیق حسن ص ۱۱۲ منہ ۷ دیکھو اہل حدیث ۲۰ نومبر ۱۹۲۵ء ص ۳ اور تحریک
دہابیت ص ۱۲ منہ۔

سعود نے گرائی ہیں۔ فرضی قرار دینے پر زور لگاتا ہے۔ کوئی مکہ فتنہ کھول کر چند جمع کر کے اس کے ظلم میں امداد دیتا ہے کوئی قبوں کے گرانے کے ثبوت میں مضامین لکھ رہا ہے۔ کوئی قبوں کے بنانے کی ممانعت میں اشتہار اور رسالے شائع کر رہا ہے۔ کوئی دعائیں مانگ رہا ہے کہ ابن سعود ہندوستان بھی آئے اور آکر وہی مظالم شروع کرے۔ غرض ایڑمی چوٹی ٹھک اس کی امداد میں زور لگا رہے ہیں۔ مگر افسوس کہ قتل بے گناہ، لوٹ مار، ہدم مساجد و ہدم قبور مولد النبی علیہ السلام کے جو ازہر کسی صاحب نے کچھ نہیں لکھا۔ اگر ابن سعود کی امداد کا بیڑا اٹھایا تھا تو اس کا دامن ان آلودگیوں سے بھی پاک کرنا لازم تھا۔ جیسا کہ ہدم مقابر میں اس کو حق بجانب سمجھا گیا۔ یا اظہار الحق اس کے ان افعال پر ملامت کرتے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ جس سے ہو سکا اس نے صرف مزارات صلحاء کے قبوں کے گرانے پر ہی زور دیا اور ابن سعود کے اس فعل کو کبھی تو اس کے لشکر کا فعل سمجھ کر اس کو برمی کیا گیا۔ کبھی قبوں کو مندر سو منات سے تشبیہ دے کر گرانے کو عین اتباع سنت سمجھ کر ابن سعود کو معذور سمجھا گیا۔ مگر افسوس ان مدعیان سنت نے یہ نہ سوچا کہ ابن سعود نے اپنے اس فعل میں کتنی احادیث صحیحہ کا خلاف کیا ہے۔

پہلی حدیث

يَا عَائِشَةُ كُؤَلَا اَنَّ قَوْمَكَ حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ لَا مَرْتُ
بِالْبَيْتِ نَهْدَامَ نَادَخَلْتُ فِيْهِ مَا اُخْرِجَ مِنْهُ وَالزَّقْتُ
بِالْاَرْضِ وَجَعَلْتُ لَهٗ بَابَيْنِ بَابًا شَرْقِيًّا وَبَابًا غَرْبِيًّا۔

(بخاری شریف پ ۲۵۱ ص ۱۵)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ اے عائشہ اگر تیری قوم زمانہ جاہلیت کے قریب نہ ہوتی تو میں بیت اللہ شریف کے گرانے کا حکم دیتا اور گرایا جاتا اور جو زمین اس سے نکالی گئی اس کو اس میں داخل کرتا اور زمین کے ساتھ اس کو اس کے دروازہ کو لپیٹ کرتا، ملا دیتا اور اس کے

دروازے کر دیتا۔ ایک دروازہ شرقی دوسرا غربی۔
 دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال مبارک تھا کہ مکہ معظمہ اگر اگر وہ جگہ کہ خارج
 کی گئی ہے، یعنی حطیم اس کو داخل بیت کیا جاوے اور دروازہ زمین کے قریب
 لگے اور دو دروازے ہوں ایک شرقی دوسرا غربی۔ لیکن حضور علیہ السلام نے
 اس لیے یہ کام نہ کیا کہ قوم کے خیالات نہ بگڑ جائیں اور یہ خیال نہ کریں کہ ایسا
 رسول آیا ہے جس نے خدا کے گھر کو ڈھا دیا ہے یا اس کو اس کے بنانے میں
 اپنے فخر کا خیال ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۲۰۱ جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔
 فِيهِ اجْتِنَابُ رَأْيِ الْأُمَرَاءِ يَتَسَرَّعُ النَّاسُ إِلَى انْكَارِهِ وَمَا لِحُشْيِ
 مِنْهُ تَوَلَّى الْقَضَاءَ عَلَيْهِمْ فِي دِينٍ أَوْ دُنْيَا۔
 کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ حاکم ایسے امر کے کرنے میں پرہیز کرے جس
 کے انکار پر لوگ جلدی کریں اور جس سے ان کے دین اور دنیا میں ان پر ضرر پیدا ہونے
 کا خوف ہو۔

پس اگر ابن سعود کے مذہب میں قبۃ جات کا گرانا ہی ضروری تھا تو اتنی جلدی
 کیا تھی۔ ایسے موقعہ میں جہاں قوم میں کسی مفسدہ کے پیدا ہونے کا احتمال ہو وہاں
 ایسے امور کا ترک ہی اتباع سنت ہے۔ لیکن اس لئے تو یہی سوچا کہ میں شاید کس
 وقت حرمین شریفین سے نکالا جاؤں۔ سب سے پہلے جو مجھ سے بے ادبی ہو
 سکے کر لوں۔ فَاَنَا لِلَّهِ وَآنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

دوسری حدیث

لَنْ يَسْتَحِلَّ هَذَا الْبَيْتَ إِلَّا أَهْلُهُ فَإِذَا اسْتَحَلُّوهُ فَلَا تَسْلُدُ
 عَنْ هَلَكَةِ الْعَرَبِ تَوَجُّعِي الْحَبْشَةُ فَيُخْرِجُونَهُ خَرَابًا لَا
 يَعْمُرُ بَعْدَكَ أَبَدًا (مسند احمد)

بیت اللہ شریف (کے حرم شریف) کو اہل قبلہ ہی حلال کریں گے۔ پس

جب حلال کر لیں گے اس کو تو نہ پوچھو عرب کی ہلاکت سے پھر جیستی آویں گے اور اس کو ایسا خراب کریں گے کہ اس کے بعد وہ تعمیر ہی نہیں ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ شریف کی بے حرمتی کرنے والے اہل قبلہ ہی ہوں گے تو ابن سعود کا اہل قبلہ ہونا کیا مفید ہو سکتا ہے۔ اگر ابن سعود اس حدیث کو خیال میں لاتا تو ہرگز بیت اللہ شریف کی بے حرمتی پر مستعد نہ ہوتا۔

تیسری حدیث

لَا يُحِلُّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَا يُحِلُّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ نَهْوٌ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

(صحیح بخاری جز ۲، صفحہ ۷۴)

حضور نے فرمایا کہ مکہ معظمہ میں مجھ سے پہلے کسی کو جنگ کی اجازت نہیں ہوئی اور میرے لیے بھی ایک ساعت دن میں سے لڑائی حلال ہوئی۔ اور وہ ایک قیامت تک اللہ تعالیٰ کی حرمت سے حرام ہے۔

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا۔ مکہ شریف جس کو قیامت تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا اس نے اس کی حرمت کو توڑا۔

چوتھی حدیث

لَا يُحِلُّ لِأَحَدٍ كُرَّانَ يَحْمِلُ بِكَالَةِ السَّلَاحِ

(رواہ مسلم ص ۳۹ مشکوٰۃ ص ۲۳)

مشکوٰۃ ص ۲۳

کسی آدمی کو حلال نہیں کہ مکہ شریف پر ہتھیار اٹھاوے۔

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا۔ کہ اس نے مکہ معظمہ پر ہتھیار

اٹھائے فالی اللہ المشتکی۔

پانچویں حدیث

إِنِّي حَرَمْتُ الْمَدِينَةَ حَرَامًا مَا بَيْنَ مَارْمِيهَا أَنْ لَا يَهْرَأَنَّ فِيهَا دَمٌ وَلَا يُحْمَلُ فِيهَا سِلَاحٌ لِقِتَالٍ وَلَا تُحْبَطُ فِيهَا شَجَرَةٌ

الْأَعْلَفِ (مسلم ص ۴۷۳ جلد ۱)

حضور نے فرمایا کہ میں نے مدینہ کو حصر ام کیا اس کے دونوں پہاڑوں کے درمیان اس میں کوئی خونریزی نہ کی جائے۔ کوئی ہتھیار نہ اٹھایا جائے۔ کوئی درخت نہ جھاڑا جائے مگر واسطے چارے کے۔

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا کہ مدینہ شریف میں خونریزی کی ہتھیار اٹھائے۔ محاصرہ کیا۔

چھٹی حدیث

لَا يَكِيدُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ أَحَدٌ إِلَّا انَّمَا كَمَا يَنْمَاعُ الْمَلْحُ فِي الْمَاءِ

(بخاری پ ۲۵۲ صفحہ ۲۵۲)

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مدینہ شریف والوں کے ساتھ جو شخص برا ارادہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ اس طرح گالیگا جس طرح نمک پانی میں گل جاتا ہے۔

ساتویں حدیث

مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِهَا سُوءًا أَذَابَهُ اللَّهُ كَمَا يَذُوبُ الْمَلْحُ فِي الْمَاءِ

(مسلم ص ۴۷۵)

جو شخص مدینہ والوں کے ساتھ برا ارادہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ایسا گلوائے گا جس طرح نمک پانی میں گل جاتا ہے۔

ابن سعود نے ان دونوں حدیثوں کا بھی خلاف کیا اور کچھ پرواہ نہ کی۔ محاصرہ کر کے اہل مدینہ پر آنا جانا کھانا وغیرہ بند کر دیا جس سے وہ لوگ نہایت تنگ ہوئے اور انہوں نے اپنی تنگی اور تکالیف کی ہندوستان میں تاریخیں بھیجیں مگر اس موخہ اور قبیح سنت نے ان لوگوں کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

آٹھویں حدیث

مَنْ أَخَافَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ ظَالِمًا لَهُمْ أَخَافَهُ اللَّهُ وَكَانَتْ

عَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ - (نسائی شریف فتح الباری ص ۲۳۵)
 فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص اہل مدینہ کو ڈرائے۔ درآنحال کہ اُن
 پر ظلم کرنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کو ڈراتا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔
 ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا ہے۔ چونکہ رسول کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم نے ایسے فعل والے پر لعنت کی ہے۔ اس لیے بعض اخبارات نے
 بھی اُس پر ایسے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

نویں حدیث

أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا
 فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ
 وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ (متفق علیہ)

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لوگوں کے ساتھ لڑائی کرنے کا امر کیا
 گیا ہے یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمد صلی اللہ
 علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں پس جب انہوں نے
 ایسا کیا تو انہوں نے مجھ سے اپنا خون اور مال بچا لیا۔ مگر اسلامی حق کے ساتھ اور
 حساب اُن کا اللہ پر ہے۔

اس حدیث کی رو سے مکہ و مدینہ کے رہنے والوں سے بلکہ کسی مسلمان کے
 ساتھ جو نماز پڑھتا ہو۔ زکوٰۃ دیتا ہو۔ لڑائی کرنے کی اجازت نہیں تو ابن سعود نے مسلمانوں
 پر چڑھائی کر کے اس حدیث کا خلاف کیا۔

دسویں حدیث

مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَآكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَلَيْسَ بِالْمُسْلِمِ
 الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَرَسُولِهِ. (مشکوٰۃ)

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص ہماری نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی

طرف منہ کرے اور ہمارا پیچہ کھائے۔ وہ ایسا مسلمان ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی پناہ میں ہے۔ پس اللہ کی پناہ کو نہ توڑو۔

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا۔

گیارہویں حدیث

صحیح مسلم کے صفحہ ۱۶۶ جلد ۱ میں ہے کہ حضور علیہ السلام اگر کسی گاؤں میں اذان کی آواز سنتے تو وہاں لوٹ مار نہ کرتے۔

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا۔

بارہویں حدیث

صحیح مسلم صفحہ ۱۲۸ جلد ۲ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے امراء و خلفاء پر بسبب ظلم و فسق خروج منع فرمایا ہے صحابہ کرام نے ایسے امراء کے بارہ میں جہاد کی اجازت طلب کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا هَا صَلُّوا یعنی جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں ان پر خروج کی اجازت نہیں۔

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا۔

تیرہویں حدیث

كُلُّ ذَنْبٍ عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَغْفِرَهُ الرَّجُلُ يَهُوتُ مُشْرِكًا أَوْ يَقْتُلُ
هُ مِنْهُ مُتَعَمِّدًا ۱۔ (ابوداؤد ابن جبان ترغیب ص ۴۵۳)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر گناہ کے بخشتا جانے کی امید ہے مگر جو شخص مشرک ہو گیا یا جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا (اس کے بخشتا جانے کی بالکل امید نہیں،

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا کہ طائف میں بے گناہ مردوں عورتوں بلکہ بچوں کو ذبح کیا۔

قرآن مجید

پہلی آیت

وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالْحَادِ يَظْلُو نَذَاتُهُ مِنْ عَذَابِ الْيَوْمِ -

جو شخص مکہ شریف میں ظلم کے ساتھ الحاد کا ارادہ کرے گا ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے۔

ابن سعود نے اس آیت کی بھی پرواہ نہیں کی۔

دوسری آیت

مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا -

جو شخص مکہ معظمہ میں داخل ہوا وہ امن میں آگیا۔

ابن سعود نے اس آیت کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے اہل مکہ کو بے امن کیا۔

ان آیات و احادیث کے ہوتے ہوئے معلوم نہیں کہ نجدیوں کو باوجود دعویٰ

عمل بالحدیث کیوں اتنی جسرات پیدا ہوئی کہ انہوں نے حسین شریفین کی

توہین روارکھی۔

نجدی سے کہتے ہیں کہ قبوں کا بنانا خلاف شرع اور ناجائز ہے۔ رسول کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی منع فرمایا۔ اس لیے قبور پر

سے تلبے آمارے گئے۔

میرے کہتا ہوں، صرف قبور کا پختہ بنانا اور اس پر گنبد تعمیر کرنا خلاف شرع ہے

یا مطلقاً مکانات کا پختہ بنانا ہی منع ہے۔ اگر ہر مکان کا خواہ وہ سکونتی ہو پختہ بنانا منع ہے۔

تو مکہ شریف و مدینہ شریف کے کل مکانات گرا سہ ہوتے۔ بلکہ بیت اللہ شریف بھی

دھاکم بدھن، گرا دیا جاتا کہ وہ بھی پختہ ہے۔ اور اگر صرف قبور کا ہی پختہ بنانا منع ہے تو

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد مبارک کو کیوں تہ و بالا کیا گیا، مقام ولادت سیدنا

ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مسجد جن مسجد بلال، مسجد جبل البقیس مسجد کوثر مقام شق قمر مقام شرح

صدر وغیرہ مقامات متبرکہ کو کیوں بے نشان کیا۔
نجد مکہ کہتے ہیں کہ ان مقامات میں شرک ہوتا تھا اور بعض کہتے ہیں اس لیے
گرائے گئے کہ مصنوعی تھے۔

میرے کتنا ہوں لاجول ولا قوۃ الا باللہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ شیطان ناامید ہو گیا ہے کہ اب جزیرہ عرب میں اس کی پرستش ہو چنانچہ صحیح مسلم
کے صفحہ ۲۷۶ جلد دوم میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔

إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ آيَسَ أَنْ يُعْبَدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَلَكِنْ
فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ (مسلم) اور فرمایا۔

إِنِّي وَاللَّهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَشْرِكُوا بَعْدِي (صحیح بخاری صفحہ ۷۹، جلد ۱)
یعنی مجھے خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے۔

یہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے برخلاف کہتے ہیں کہ ان
مقامات پر شرک ہوتا تھا۔ بفضلہ تعالیٰ یہ خاکسار دوسرے مکہ معظمہ کی زیارت سے مشرف
ہوا ہے۔ وولودفعہ ان مقامات متبرکہ میں کوئی شرک کرتا نہیں دیکھا۔ یہ باروں کا خانہ
ساز شرک ہے اور ابن سعود کی بے جا حمایت۔ العیاذ باللہ۔

جن قبور کے قبے گرائے گئے اگر وہ مصنوعی قبور تھیں۔ فی الحقیقت وہ قبور نہ تھیں
تو ان پر جو بنا تھی وہ بنا علی القبور نہ ہوئی۔ جب بناء علی القبور نہ ہوئی۔ تو منع بھی نہ ہوئی۔
پھر قبوں کو کیوں منہدم کیا گیا؟ غائتہ ما فی الباب اگر منہدم کرنا تھا تو قبروں کا نشان مٹا
دیا جاتا اور وہ قبے چار دیواری باقی رہنے دیتے۔ حالانکہ ابن سعود نے ایسا نہیں کیا۔ جس
سے معلوم ہوا کہ اس کا منشاء محض بے حرمتی کرنا تھا اور بس۔

قبوں کے بنانے کا جواز

میں آگے چل کر بفضلہ تعالیٰ مفصل بیان کروں گا کہ قبوں کا کرنا اور مزارات کا ڈھانا
بے ثبوت ہے، قرآن شریف یا حدیث صحیح میں ان کے گرائے کا کوئی حکم نہیں بلکہ قبور

مسلمین کی توہین ہے جو بالاتفاق ممنوع ہے۔
 سروسٹ قبوتوں کے بنانے کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مزار صالحین پر
 قبے بنانا جائز بھی ہے یا نہیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں اصل مسئلہ پر کچھ عرض کروں
 اس مسئلہ کو صاف کرنا چاہتا ہوں کہ زمانہ اور مکان کے تغیر سے احکام متغیر ہو جاتے
 ہیں یا نہیں۔

پس سنیہ فقہاء علیہم الرحمۃ نے اس مسئلہ کو صراحتاً ذکر فرمایا ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری
 جلد ۴ کے صفحہ ۱۲۳ میں لکھا ہے۔

كَوْمٌ مِنْ شَيْءٍ كَانَ إِحْدَاثًا وَهُوَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ وَكَوْمٌ مِنْ شَيْءٍ يَخْتَلِفُ
 بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ۔ كَذَا فِي جَوَاهِرِ الْأَهْلَاطِي۔

یعنی بہت چیزیں ہیں کہ نئی پیدا کی گئی ہیں اور وہ بدعت حسنہ ہیں اور بہت چیزیں
 زمانہ اور مکان کے اختلاف سے بدل جاتی ہیں جیسا کہ جوہر الاہلاطی میں ہے۔
 علامہ شامی رد المحتار صفحہ ۲۷۰ جلد پنجم میں لکھتے ہیں۔

وَكَوْمٌ مِنْ شَيْءٍ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ كَمَا لَبَسَ
 الزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُ۔

یعنی بہت شے بسبب اختلاف زبان و مکان مختلف ہو جاتی ہیں۔ زیلعی
 وغیرہ نے اس کو بسط سے بیان کیا ہے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی نفع المفتی میں بحوالہ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق لکھتے
 ہیں۔

وَلَا يُبَكِّرُ تَغْيِيرُ الْأَحْكَامِ تَغْيِيرَ الزَّمَانِ كَقَلْبِ الْمَسَاجِدِ يَحْوُنُ فِي
 زَمَانِنَا عَلَى مَا يَأْتِي بَيَانُهُ (نفع المفتی)

بسبب تین زمان احکام کے متغیر ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے مساجد کے
 دروازوں کا بند کرنا کہ ہمارے زمانہ میں جائز ہے اور اس کا بیان آگے آئے گا۔
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اتَّكُفُّ فِي زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عَشْرًا مَا أُمرَ بِهِ هَلَكَ ثَوْبًا فِي زَمَانٍ
مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعَشْرٍ مَا أُمرَ بِهِ نَجَا - (رواه الترمذی مشکوٰۃ ص ۲۲)

تم لوگ (یعنی صحابہ) ایسے زمانہ میں ہو جو شخص تم میں سے مامورات کا دسواں حصہ بھی چھوڑ
دے گا ہلاک ہوگا۔ پھر ایک زمانہ آئے گا جو شخص ان میں سے مامورات کا دسواں حصہ
بھی بچا لائے گا نجات پا جائے گا۔

اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بسبب تغیر
زمان حکم متغیر ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن القیم اعلام الموقعین جلد ۲ صفحہ ۵۱ میں اس مسئلہ میں خاص فصل لکھتے ہیں
اور فرماتے ہیں۔

فَصْلٌ فِي تَغْيِيرِ الْفُتُوَى وَ اخْتِلَافِهَا بِحَسَبِ تَغْيِيرِ الْأُمْنَةِ وَالْإِمْكِنَةِ
وَالْأَحْوَالِ وَالنِّيَّاتِ وَالْعَوَائِدِ وَ هَذَا فَصْلٌ عَظِيمٌ النَّفْعُ جَدًّا الْفَتْوَى

یہ فصل اس بیان میں ہے کہ فتویٰ بسبب تغیر زمان اور مکان کے اور بسبب
تغیر احوال و نیات و فوائد مختلف و متغیر ہو جاتا ہے اور یہ فصل بہت عظیم النفع ہے۔
علامہ موصوف نے اس فصل میں کئی مثالیں لکھی ہیں جو مفصل دیکھنا چاہیے۔ وہ
اعلام الموقعین کو دیکھئے۔ مختصر اہم بھی چند مثالیں لکھتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ زمان یا مکان
کے تغیر سے احکام متغیر ہو جاتے ہیں۔

پہلی مثال۔ مسجدوں کا چونہ گچ کرنا اور انہیں سرخ زرد رنگ کرنا صدر اول میں نہ تھا
امام بخاری فرماتے ہیں۔

أَمْرٌ عَمْرٍو بِنَاءِ الْمَسْجِدِ أُرِكُنَ النَّاسَ مِنَ الْمَطْرِ وَإِيَّاكَ أَنْ تُحْتَسِرَ أَوْ
تُصَفَّرَ فَتَقْتَنَ النَّاسُ (بخاری باب بنیان المسجد)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی بنا کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ میں لوگوں کو
بارش سے چھپانا ہوں۔ پھر بنانے والے کو یا اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرماتے
ہیں کہ سرخ یا زرد کرنے سے بچنا کہ تو (ایسا کرنے سے) لوگوں کو فتنہ میں ڈال دے گا

یا لوگ فتنہ میں پڑ جائیں گے یعنی صرف بارش سے بچنے کے لیے معمولی چھت چاہیے
سرخ زندنگ سے نمازیوں کے حضور و خشوع میں فرق آجائے گا۔
(۲) امام بخاری فرماتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَنُزْخِرُ فِتْنَتَهُمَا كَمَا نَزْخَرْنَا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى
(بخاری شریف)

کہا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے البتہ تم مسجدوں کو مزخرف (منقش و آراستہ)
کر دے جیسے کہ یہود و نصاریٰ نے کیا۔ اس حدیث کو ابو داؤد و ابن حبان نے
بھی روایت کیا ہے۔

(۳) ابو داؤد میں ہے۔ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

مَا أَمَرْتُ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ أَمْ يَرْفَعُهَا وَاعْلَازِ بَنَائِهَا أَوْ
بِتَجْصِصِهَا لِأَنَّهُ زَائِدَانِ عَلَى قَدَرِ الْحَاجَةِ (مرقاۃ صفحہ ۴۵۹ جلد اول)

مجھے مساجد کے پختہ کرنے کا امر نہیں کیا گیا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسکی شرح
میں تشیید کے معنی کرتے ہیں کہ مساجد کا رفع اور اس کی بنیاد کا بلند کرنا یا چونہ بچ کرنا
کہ یہ کام قدر حاجت سے زائد ہیں۔ اس لیے رفع بنا و تجصیص مساجد کا امر
نہیں کیا گیا۔

(۴) ملا علی قاری نے مرقاۃ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث لکھی
ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

نَهَانَا أَنْ نَهَيِّنَا أَنْ نُصَلِّيَ فِي مَسْجِدٍ مُشْرِبٍ
ہم منع کیے گئے ہیں کہ مسجد بلند میں نماز پڑھیں۔

(۵) مرقاۃ کے اسی صفحہ میں ہے۔

مَرَّ ابْنُ مَسْعُودٍ بِمَسْجِدٍ مُزْخَرَفٍ فَقَالَ لَعَنَ اللَّهُ مَنْ فَعَلَ هَذَا (مرقاۃ)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں گزرے جو کہ مزخرف یعنی مزین و آراستہ
تھی۔ فرمایا خدا تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جس نے یہ کام کیا یعنی جس نے مسجد کو

مترین و آراستہ کیا۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

أَرَاكُمْ تُشْرِفُونَ مَسَاجِدَكُمْ بَعْدِي كَمَا شَرَفَتِ الْيَهُودُ كَنَائِسَهَا
وَكَمَا شَرَفَتِ النَّصَارَى بَيْعَهَا (ابن ماجہ ص ۵۴)

میں دیکھتا ہوں تم کو کہ تم میرے بعد اپنی مسجدوں کو بلند کر دو گے جیسے کہ یہود نے اپنے کنیسے اور نصاریٰ نے اپنے گرجے بلند کیے۔

(۷) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

مَا سَاءَ عَمَلُ قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا ذَخَرُوا مَسَاجِدَهُمْ (ابن ماجہ ص ۵۴)

کسی قوم کا عمل برا نہیں ہوا مگر اس نے اپنی مسجدوں کو منخرف کیا۔

اور صدیق حسن بھوپالوی ہدایت السائل میں تشہید مساجد کو بدعت لکھتے ہیں۔
ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ مساجد کی آرائش اور رفع بنا اور سونے
چاندی کا نقش و نگار اور چوہہ گچ کرنا صدر اول میں نہ تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی
اللہ عنہ نے باوجود وسعت مال کے مسجد نبوی کو اسی ہیئت پر جو زمانہ نبوی میں تھی
بنایا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ذرا منقوش پتھر لگائے اور ساج کا چھت بنایا۔
جو زخرفہ کی حد تک نہ تھا۔ پھر بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے انکار کیا چنانچہ حافظ
ابن حجر فتح الباری جز ثانی ص ۲۱۰ میں فرماتے ہیں۔

كُنَّا أَرَادَ عُمَانُ بِنَاءَ الْمَسْجِدِ كَمَا نَظَرُوا النَّاسُ ذَلِكَ وَاحْتَبُوا أَنْ يَدْعُوهُ
عَلَى هَيْئَتِهِ أَيْ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفُتِحَ الْبَابُ

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کے بنانے کا ارادہ فرمایا۔ تو
لوگوں نے اس کو اچھا نہ سمجھا۔ بلکہ یہ خواہش کی کہ مسجد نبوی کو اسی حالت پر چھوڑا جائے
جس حالت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی۔

پھر آگے فرماتے ہیں کہ علامہ بغوی نے شرح السنہ میں فرمایا ہے کہ شاید صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان کے منقوش پتھر لگانے پر کراہت ظاہر فرمائی۔ صرف وسیع کرنے پر کراہت نہ تھی۔

باوجود ان دلائل کے جو اوپر بیان ہوئے پھر بھی زمانہ کے تغیر کے سبب کہ ظاہری تزک و احتشام ہی قلوب عامہ پر اثرِ تعظیم پیدا کرتا ہے۔ آئمہ دین نے جواز کا حکم دیا۔ چنانچہ ہدایہ شریف میں ہے۔

كَأَبَسَ بِأَن يُنْقَشَ الْمَسْجِدُ بِالْجَصِّ وَالسَّاجِ وَمَاءِ الذَّاهِبِ۔
مسجد کو چونہ اور آبنوس اور سونے کے پانی کے ساتھ منقش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔
قوله قِيلَ هُوَ قُرْبَةٌ لِّمَا نَبِهَ مِنْ تَعْظِيمِ الْمَسْجِدِ (فتح القدیر)
کہا گیا ہے کہ وہ ثواب ہے اس لیے کہ اس میں (یعنی چونہ وغیرہ سے منقش کرنے میں) مسجد کی تعظیم ہے۔

پھر آگے اختلاف نقل کر کے فرماتے ہیں
وَعِنْدَنَا لَا بَأْسَ بِهِ

کہ ہمارے نزدیک اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔
تبیین الحقائق شرح کنز میں ہے۔
لَا يَكْرَهُ نَقْشُ الْمَسْجِدِ بِالْجَصِّ وَمَاءِ الذَّاهِبِ۔
مسجد کو چونہ اور سونے کے پانی سے منقش کرنا مکروہ نہیں۔
اسی طرح فتاویٰ مالگیری جلد ۴ ص ۱۲۱ میں ہے۔

أَمَّا التَّجْصِيفُ فَحَسَنٌ لِأَنَّهُ إِحْكَامٌ لِلْبَنَاءِ كَذَا فِي الْأَخْتِيَارِ شرح المختار
چونہ گچ کرنا اچھا ہے اس لیے کہ وہ بنار کا مضبوط کرنا ہے۔ ایسا ہی اختیار
شرح مختار میں ہے۔

علامہ ابن المنیر شرح جامع صحیح میں فرماتے ہیں۔

أُسْتَبْطِ مِنْهُ كَرَاهِيَةُ زُخْرُفَةِ الْمَسَاجِدِ لِإِشْتَغَالِ قَلْبِ الْمُصَلِّي
بِذَلِكَ أَوْ بِصَرَفِ الْمَالِ فِي غَيْرِ وَجْهِهِ - نَعُو إِذَا وَقَعَ ذَلِكَ عَلَى
سَبِيلِ تَعْظِيمِ الْمَسْجِدِ وَلَوْ يَقَعُ الصَّرْفُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ
فَلَا بَأْسَ بِهِ وَلَوْ أَوْضَى بِتَشْيِيدِ مَسْجِدٍ وَتَحْمِيرِهِ وَتَضْعِيفِهِ
نَفَدَتْ وَصِيَّتُهُ لِأَنَّهُ قَدْ حَدَّثَ النَّاسَ فِتَادَى بِقَدَرِ مَا أَخَذُوا
وَقَدْ أَخَذَ النَّاسُ مِنْهُمْ وَكَافَرُوا هُمْ تَشْيِيدَ بُيُوتِهِمْ وَتَزْيِينَهَا
وَلَوْ بَيْنَنَا مَسَاجِدُنَا بِأَلْيَنَ وَجَعَلْنَا مَطَامِنَهُ بَيْنَ الدُّوَابِّ الشَّاهِقَةِ
وَمَا كَانَتْ لِأَهْلِ الدِّمَةِ لَكَانَتْ مُسْتَهَانَةً -

اس حدیث سے مستنبط ہے کہ مسجدوں کی زینت و آرائش مکروہ ہے کہ نمازی کا دل اس طرف مشغول ہو گا۔ یا اس لیے کہ مال بے وجہ خرچ ہو گا۔ ہاں اگر مسجد کی تعظیم کے لیے آرائش ہو اور خرچ بیت المال سے نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ اس کے مال سے مسجد کی گچکاری یا سرخ زد رنگ کریں تو وصیت نافذ ہوگی۔ کیونکہ لوگوں میں جس طرح کہ نئی نئی باتیں پیدا ہوں اسی طرح ان کے لیے فتاویٰ بھی نئے نئے مسلمان اور کافر سب نے اپنے گھروں کی گچکاری شروع کر دی۔ اگر ہم مسجد کو بڑے بڑے گھروں کے درمیان پختی اینٹ سے ان سے پست بنائیں تو مسجد کی بے وقعتی ہوگی۔

پس عامیان ابن سعود کو لازم ہے کہ بڑی بڑی مسجد جو گچکاری اور طرح طرح کے رنگوں سے مزین ہیں سب کی سب گرا کر صاف کر دیں اور ایسی مسجدیں تیار کریں جو عہد نبوی میں تھیں۔ جب یہ کام کر چکیں تو پھر مزارات صلحاء کے گرانے کا فکر کریں۔ دَدُونَهُ خَرَطَ الْقَتَادَ - وَإِلَّا فَمَا هُوَ جَوَابُ كَوْنِ تَجْصِيصِ الْمَسَاجِدِ وَتَشْيِيدِهَا وَزُخْرُفَتِهَا فَهُوَ جَوَابُ عَنْ تَجْصِيصِ الْقُبُورِ -

دوسری مثال

حدیث شریف میں آیا ہے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اِبْنُوا الْمَسَاجِدَ جَمَادٍ (رواہ ابن ابی سیبہ والبیہقی)

مسجدیں منڈی بناؤ۔ یعنی ان میں کنگرے اور منار نہ رکھو۔

مگر اب بڑے بڑے منارے اور کنگریدار مسجدیں رائج ہیں محض اس لیے

کہ اس میں مساجد کی تنظیم ہے فَلْيَكُنْ بِنَاءُ الْقُبُورِ كَذَلِكَ۔

تیسری مثال

لَا تَمْنَعُوا أَمْلَأَ اللَّهُ مَسَاجِدَ اللَّهِ (صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ کی باندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے منع نہ کرو۔

یعنی عورتیں اگر مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لیے جانا چاہیں تو منع نہ کرو پھر

بھی آئمہ دین نے نظر بحال زمانہ جو حکم فرمایا وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

عَمَّ الْمُتَأَخِّرُونَ الْمَنَعَ لِلْعَجَائِزِ وَالشَّوَابِ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا غَلَبَةُ

الْفَسَادِ فِي سَائِرِ الْأَوْقَاتِ۔ رَفَعَ الْقَدِيرُ (مکمل)

متاخرین نے عام طور پر ممانعت کر دی ہے بڑھئی یا جوان کوئی بھی کسی نماز

میں نہ نکلے۔ اس لیے کہ سب وقتوں میں فساد کا غلبہ ہے پھر اس کے آگے لکھتے

ہیں وَالْمُعْتَمَدُ مَنَعَ الْكُلِّ فِي الْكُلِّ (معتبر) یہی ہے کہ سب عورتیں سب

نمازوں میں حاضر نہ ہوں یعنی کسی عورت کو کسی نماز کے لیے بھی نکلنے کی اجازت نہ

دی جائے۔ تو اس سے بھی ثابت ہوا کہ زمانہ کے تغیر کے سبب حکم بھی متغیر ہو گیا۔

لَا نَ الْأَحْكَامَ تَدُورُ مَعَ الْعِلَّةِ۔

چوتھی مثال

گھر دس میں نماز پڑھنے سے مسجدوں میں نماز کا زیادہ ثواب ہونا مسجد نبوی مسجد

حرام میں اس سے بھی زیادہ ثواب کا ہونا اس امر پر بین دلیل ہے کہ مکان متغیر ہونے

سے حکم بھی متغیر ہو جاتا ہے۔

پانچویں مثال

رمضان شریف میں اعمال صالحہ بہ نسبت دوسرے مہینوں کے کیوں فضیلت رکھتے ہیں اسی واسطے کہ یہ سبب تغیر زمان حکم متغیر ہو جاتا ہے۔

چھٹی مثال

ابتداءً اسلام میں قرآن مجید کو بلا حرکات و علامات رکوع وغیرہ لکھنا ضروری تھا۔ پھر رباعیت عجم حرکات و سکناات کا لکھنا و علامات رکوع و علامات آیات کا لکھنا ضروری ہو گیا۔

ساتویں مثال

ابتداءً میں قرآن مجید کو فروخت کرنا اور اس کے لکھنے کی اجرت لینا برا سمجھا جاتا تھا۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ میں سب ہواز کے قائل ہو گئے (عزیزی) اس میں بھی بسبب تغیر زمانہ حکم متغیر ہو گیا۔

آٹھویں مثال

تعلیم قرآن و اذان و امامت کی اجرت متقدمین ناجائز سمجھتے تھے متاخرین نے بسبب تغیر زمانہ ہواز کا فتویٰ دیا۔ کما هو مبسوط فی کتب الفقہ۔

نویں مثال

تثویب قبل اذان فجر بعد زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم بسبب تغیر حالات علمائے کوفہ نے شروع کی پھر امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے سب نمازوں کے واسطے بسبب تغیر زمانہ اجازت دیدی۔

دسویں مثال

اذان اول بروز جمعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بسبب تغیر زمانہ زیادہ کی تو معلوم ہوا کہ احکام بسبب تغیر زمانہ متغیر ہو جاتے ہیں۔

گیارہویں مثال، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ انصاف میں فرماتے

ہیں کہ سلف حدیثوں کو لکھا نہیں کرتے تھے۔ لیکن آج کتابت حدیث واجب ہو گئی
اور علماء سلف نحو لغت میں مشغول نہیں ہوتے تھے۔ لیکن آج معرفت لغت عربیہ
واجب ہے۔ پھر فرماتے ہیں و شواہدا ہا نحن فیہ کثیر جدا یعنی اس کے
بہت شواہد ہیں۔

بارہویں مثال

علامہ ابن القیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ہوتی تھیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بسبب
تغیر زمانہ و بسبب تغیر حالات تین طلاقوں کو تین ہی شمار کیا گیا۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ احکام بسبب تغیر زمانہ و تغیر مکان بدل جاتے ہیں تو
اب مسئلہ بناء علی القبور کو بھی اسی طرح سمجھیے کہ ابتداء بناء علی القبور کی ممانعت
ہوئی۔ مگر اب بسبب تغیر زمانہ اجازت ہو گئی۔ اس وقت قبور کی عزت و احتشام
ہر ایک کے دل میں تھی۔ کوئی قبور کو پامال نہیں کرتا تھا۔ آج زندوں کی عزت و توقیر
دلوں سے اٹھ گئی ہے تو مردوں کی کون کرے۔ بندگان دین و مشائخ و علماء کی قبور
بھی اسی طرح روندی جاتی ہیں جس طرح کہ عوام کی۔ اس لیے نظر بحال زمانہ متاخرین
نے بناء کے جواز کا فتویٰ دیا۔ تاکہ عوام کے دلوں میں مقبور کی حرمت و عزت ہے
اور اسلام کی شوکت نمایاں ہو۔ اس تقریر سے ان احادیث و عبارات فقہیہ کا جواب
بھی آسان ہو گیا جو حامیان ابن سعود پیش کرتے ہیں۔

بعض لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ اگر زمانہ کے تغیر سے احکام متغیر ہو جاتے ہیں تو
چاہیے کہ زنا و سرقت بھی جائز ہو جائے اور نماز و زکوٰۃ بھی معاف ہو جائے۔
میرے کہتا ہوں اس کے یہ معنی نہیں کہ آج کسی شخص کو احکام بدلنے کی اجازت
ہے۔ بلکہ زمان و مکان کے تغیر سے حکم کے تغیر کی اجازت بھی شریعت نے ہی دی

سہلان الاحکام تداوم مع العلة پس زنا و سرقت جس علت کے سبب ممنوع ہوا وہ علت آج بھی موجود ہے۔ اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اس لیے حکم بھی متغیر نہیں۔ بخلاف بناء علی القبور کے کہ ابتداء میں لوگوں کے دلوں میں قبور کی عزت و حرمت بہت تھی۔ نیز اس وقت پیسہ کی کمی اور ضرورتیں پیشاں تھیں۔ اشاعت اسلام و جہاد کفار سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی۔ پھر ایسے وقت میں ان کے لیے یہی مناسب تھا کہ اپنے گھروں کو بھی معمولی بنائیں جو گرمی سردی کو روک سکیں اور مسجدوں کو بھی معمولی بنانے کا ارشاد تھا۔ اسی طرح قبروں کو بھی معمولی پتھروں سے نشان کر دینے کی اجازت تھی۔ لیکن آج نہ تو قبور کی عزت و حرمت ہے نہ پیسہ کی کمی۔ نہ جہاد وغیرہ کے لیے کوئی خرچ کی ضرورت اس لیے بسبب تغیر حالات زمانہ آج قبور کی عزت و حرمت برقرار رکھنے کے لیے قبور کے گرد چار دیواری اور اس پر قبہ بنانا اسی طرح جائز ہے۔ جس طرح مساجد کو بلند و چونہ لکھ کر بنا اور گھروں کی عالیشان عمارتیں بنانا۔

در صورت عدم تغیر بعض فقہاء نے حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں جو نہی آئی ہے یا امام اعظم رحمہ اللہ سے جو کراہت بنا مروی ہے اس کو ظاہر پر حمل کر کے عدم جواز بناء کا فتویٰ دیا ہے۔ اور بعض نے بنا سے مراد بنا لکونہ مراد لی ہے کہ اپنی سکونت کے لیے قبور پر گھر وغیرہ بنا لینا درست نہیں۔ کہ اس میں اہل اسلام کی قبور کی اہانت ہے اور بعض نے علے کے حقیقی معنوں کے لحاظ سے نفس قبر پر بنا منع سمجھی ہے۔ نہ حول قبر اور ظاہر ہے کہ قبہ حول قبر پر ہوتے ہیں۔ نہ نفس قبر پر۔ اور بعض نے اسی نہی کو قبور عوام مسلمین پر حمل کیا۔ اور مشائخ و علماء صالحین کے قبور کو اس سے مستثنیٰ سمجھا اور وہ بھی بہ نیت فخر و تکبر و زینت و اظلال میت ہو۔ تو منع۔ اور اگر زائرین و قارئین کی استراحت کے لیے یا علامت کے لیے ہو۔ کہ لوگوں کو صلحاء کی مزار کا پتہ لگ جائے تو جائز و درست ہے اور بعض نے بنا سے وہ بنا مراد لی ہے جو مشرکین قبور صالحین پر بناتے تھے جن میں تصاویر ہوتی تھیں۔ اس قول کی صحیح بخاری کی حدیث سے تائید ہوتی ہے جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ۱۔

إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوِّرُوا
فِيهِ تِلْكَ الصُّوْرَ - (بخاری)

جب ان میں کوئی مرد صالح مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے اور اس میں تصویر بناتے۔

یہ حدیث اس حدیث کی تفسیر ہے جس میں بنا کی ممانعت ہے۔ اسی بنا سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور اسی بنا پر حضور علیہ السلام نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی۔ نہ وہ بنا جو کہ مشائخ و علماء کی قبور پر بنائی جاتی ہیں۔ نہ اس میں تصویریں ہوتی ہیں۔ نہ کوئی مسلمان قبروں کی عبادت کرتا ہے۔ بلکہ یہ قبتے اور بنائیں محض بطور علامت ہوتے ہیں کہ لوگوں پر اہل اللہ کی قبور کا نشان رہے اور علامت کا رکھنا حدیث سے ثابت ہے اور آیت شریفہ ذِٰلِكَ اَدْنٰی اَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذِنَ کی حکمت جلیلہ پر غور کیا جاوے تو صاف سمجھ آ جاوے کہ بنائے قبہ جات بھی اسی لیے ہے کہ اہل اللہ کا مزار پہچانا جائے اور روزِ نادانہ جائے۔ علاوہ اس کے احادیث میں بیشتر نو اسے ایسے وارد ہیں جو محض تنزیہی ہیں اور کئی ایسے امور ہیں جو بلفظ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احادیث میں نہیں آئی ہے لیکن محدثین میں سے کسی نے ان امور کو ناجائز و حرام نہیں کہا مثلاً روزانہ کنگھا کرنا۔ جائے غسل میں پیشاب کرنا۔ کمر پہنا کر کھنا۔ کھڑے ہو کر پانی پینا۔ گرم طعام کھانا۔ پیاز لسن کچا کھانا اسی طرح بنا علی القبور ناجائز یا حرام نہیں۔ غائے مافی الباب مکروہ تنزیہی کہو گے اور مکروہ تنزیہی جواز کے مخالف نہیں۔

(۱) علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے مرقاة شرح مشکوٰۃ جلد ثانی صفحہ ۳۷۲ میں لکھا ہے۔

قَدْ اَبَاحَ السَّلَفُ الْبِنَاءَ عَلَى قَبْرِ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ الْمَشْهُورِينَ
لِيُزِدَ رَأْيُهُمُ النَّاسَ وَيَسْتَرْيَحُوا بِالْجُلُوسِ فِيهِ (مرقاۃ)

علماء و مشائخ مشہورین کی قبور پر تعمیر بنا، اس لیے کہ لوگ زیارت کریں اور استراحت کریں۔ سلف اس کی اباحت کے قائل ہوئے ہیں۔ صاحب

مجمع البحار نے جلد ۲ ص ۱۸۶ میں اور تکملہ ص ۱۴۰ میں علمائے سلف سے اسکی اباحت نقل کی۔ فَاَنْظُرْ ثَمَّةً۔

(۲) امام بخاری صحیح میں لکھتے ہیں۔

لَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ خَرَبَتْ امْرَأَتُهُ الْقُبَّةَ عَلَى قَبْرِهِ
سَنَةً ثُمَّ رَفَعَتْ فَسَمِعَتْ صَاحًا يَقُولُ الْاَهْلُ وَجَدُوا مَا فَقَدُوا

فَاجَابَهُ الْاُخْرُبُ يَلْسُوْنَ اَفَانْقَلَبُوْا (بخاری شریف)

جب امام حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم فوت ہوئے تو اس کی زوجہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا نے اس کی قبر پر قبہ بنایا۔ ایک سال کے بعد اٹھا دیا۔ تو ہالفت سے آواز سنا کہ کیا انہوں نے جو کچھ گم کیا تھا پالیا۔ دوسرے نے جواب دیا بلکہ نوید ہوئے اور واپس ہو گئے۔

اس حدیث سے قبر پر قبہ لگانا جائز ثابت ہوتا ہے۔ اگر منع ہوتا تو امام حسین علیہ السلام کی دختر یہ کام ہرگز نہ کرتی اور ہالفت کا پکار کر کتنا منع کی دلیل نہیں بلکہ تسلی و صبر کے لیے ہے کہ سال بھر قبر پر ڈیرہ لگانے سے کیا حاصل ہوا۔ آخر ناکام واپس ہونا پڑا۔ جو مردہ تھا وہ تو واپس نہ آسکا۔

(۳ و ۴) علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں۔

وَضَرَبَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى قَبْرِ زَيْنَبِ بِنْتِ جَحْشٍ (یعنی جلد ۴ ص ۱۴۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زینب بنت جحش کی قبر پر خیمہ لگایا۔ پھر آگے

فرماتے ہیں۔

وَضَرَبَتْ عَائِشَةُ عَلَى قَبْرِ اخِيْهَا فَنَزَعَهُ ابْنُ عُمَرَ۔

اے مستدرک حاکم میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زینب بنت جحش کی قبر کھودنے والوں پر گزرے وہ گرمی میں قبر کھود رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر میں ان پر خیمہ لگا دوں (تو بہتر ہوگا) اصر یہ پہلا خیمہ تھا جو بقیع میں قبر پر لگایا گیا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ کسی ضرورت کے لیے قبر پر خیمہ لگانا درست ہے۔ ۱۲

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی کی قبر پر خیمہ لگایا۔ تو ابن عمر نے
آمار دیا۔

میرے کتابوں میں حضرت صدیقہ علم و اجتہاد میں بدرجہا افضل ہیں ان کے قول و
فعل کو ابن عمر کے قول و فعل پر ترجیح ہے۔

(۵) اسی عینی شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے۔

وَضَرَبَهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِيَّةِ عَلَى قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ -

محمد بن حنفیہ نے حضرت ابن عباس کی قبر پر قبہ بنایا۔

تو قبور پر قبہ بنانا امام حسین علیہ السلام کی دختر فاطمہ کے فعل اور حضرت عمر رضی اللہ
عنه و محمد بن حنفیہ کے فعل سے اس کا جواز ثابت ہوا۔ اور وہ جو بحوالہ مجمع البحار و مرقاۃ
سلف سے بنا علی القبور کی اباحت نقل کی گئی ہے۔ شاید اس سے یہی آثار مراد ہوں
چونکہ علامہ قاری و صاحب مجمع و شیخ عبدالحق دہلویؒ ایسے شخص نہیں کہ سلف سے بغیر
ثبوت کے اباح السلف کہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ ان آئمہ کے فعل کو انہوں
نے اباح السلف سے تعبیر کیا ہو۔ یا ان کے سوا کسی اور سلف سے منقول ہو۔

شیخ عبد الغنی نابلسی رحمہ اللہ اپنے رسالہ کشف النور عن اصحاب القبور میں فرماتے

ہیں۔

فَبِنَاءُ الْقُبَابِ عَلَى قُبُورِ الْعُلَمَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالصُّلَحَاءِ أَمْرٌ جَائِزٌ

إِذَا قُصِدَ بِذَلِكَ التَّعْظِيمُ فِي عَيْنِ الْعَامَّةِ حَتَّى لَا يَحْتَقِرُ وَاصِحَابُ

هَذَا الْقَبْرِ (روح البیان ص ۸۶ جلد ۱)

قبور کا علما، و اولیا و صلحا کی قبور پر بنانا جائز امر ہے۔ جبکہ اس میں عام لوگوں
کی نظروں میں تعظیم کا قصد ہو تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ سمجھیں۔

(۶) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔

إِذَا أُغْلِيَ الْقَبْرُ لِعَيْنٍ مَنِ صَحِيحٌ لَا يَقْصِدُ الْمُبَاهَاةَ جَازَ (فتح البدی ص ۶۹۹ پ ۵)

اگر قبر غرض صحیح کے لیے بلند کرے فخر و مباہات کا قصد نہ ہو تو جائز ہے۔

(۷) علامہ شامی روالختار جلد اول صفحہ ۶۶۱ میں فرماتے ہیں۔

وَفِي الْأَحْكَامِ عَنْ جَامِعِ الْفَتَاوَى وَقِيلَ لَا يَكْرَهُ الْبَنَاءُ إِذَا كَانَ الْمَيِّتُ
مِنَ الْمُشَافِحِ وَالْعُلَمَاءِ وَالسَّادَاتِ الْإِمْلَاقُ لَكُنْ هَذَا فِي غَيْرِ الْمَقَابِرِ
الْمُسَبَّلَةِ كَمَا لَا يَخْفَى (شامی)

احکام میں جامع الفتاویٰ سے ہے کہ کہا گیا ہے کہ جب میت مشافح و علماء و سادات سے ہوں تو (اُن کی قبور پر) بنا کر وہ نہیں۔ میں کہتا ہوں لیکن یہ حکم قبرستان موقوفہ کے غیر میں ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔

(۸) امام شافعی کتاب الام میں فرماتے ہیں۔

فَإِنْ كَانَتْ الْقُبُورُ فِي الْأَرْضِ يَمْلِكُهَا الْمَوْتَى فِي حَيَاتِهِمْ أَوْ مَرَاتِهِمْ
بَعْدَهُمْ لَمْ يَهْدَمْ شَيْءٌ أَنْ يَبْنَى فِيهَا وَإِنَّمَا يَهْدَمُ أَنْ عَدِمَ مَا لَا
يَمْلِكُهُ أَحَدٌ فَهَدَمَهُ لِئَلَّا يَحْجَرَ عَلَى النَّاسِ مَوْضِعُ الْقَبْرِ فَلَا يَدْفَنُ
فِيهِ أَحَدٌ فَيَضِيقُ ذَلِكَ بِالنَّاسِ (کتاب الام ۲۲۵)

اگر قبریں ایسی زمین میں ہوں جس کے مالک موتی یا اُن کے ورثہ ہوں تو پھر قبر پر جو کچھ زیادتی ہے وہ منہدم نہ کی جائے گی۔ انہدام کا حکم وہاں ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو اور یہ انہدام وہاں بھی اس لیے ہے کہ لوگوں پر تنگی واقع نہ ہو کہ پھر ان کو قبر کی جگہ نہ ملے۔

معلوم ہوا کہ امام شافعی کے نزدیک بھی قبروں کے گرانے کا مطلقاً حکم نہیں بلکہ قبرستان موقوفہ میں ہے جہاں قبور پر عمارت بنانے سے لوگوں کی تنگی ہو اور اُن کے مردوں کے دفن کے لیے جگہ نہ ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی ملوکہ زمین میں اپنا مردہ دفن کرے اور اس پر قبہ بنائے تو وہ نہیں توڑا جائے گا۔

اور یہ جو شامی نے کہا ہے۔

أَمَّا الْبَنَاءُ عَلَيْهِ فَلَوْ أَرَمَ مِنْ اخْتَارِ حَوَازِهِ

تو مراد اس سے یا تو مقابر موقوفہ ہے کہ قبرستان موقوفہ میں بنانہ کرنا چاہیے۔

اکہ دوسرے اموات کے لیے جگہ تنگ نہ ہو جائے یا مراد بنا سے وہ بنا ہے جو اپنی سکونت کے لیے بنائے یا وہ بنا جو بہ نیت فخر و ریا ہو۔ ورنہ خود علامہ شامی جامع الفتاویٰ سے قول عدم کراہت بنا نقل کر چکے ہیں کما سر۔ پھر ان کا لہوار من اختار جوان کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے ہاں اگر لہوار سے نفی روایت بصری مراد ہو تو ممکن ہے اس لیے کہ علامہ شامی متاخر ہیں اور جواز بنا متقدمین سے منقول ہے چونکہ علامہ شامی نے سلف کو جواباحت کے قائل ہیں نہیں دیکھا اس لیے لم ار فرما دیا۔ واللہ اعلم

(۹) امام بخاری صحیح میں فرماتے ہیں۔

قَالَ خَلِجَةُ بْنُ زَيْدٍ رَأَيْتُنِي وَنَحْنُ شُبَّانٌ فِي زَمَنِ عُثْمَانَ وَإِنْ أَشْتَأْنَا
وَسُبَّةَ الَّذِي يَثْبُ قَبْرِ عُثْمَانَ بْنِ مَطْعُونٍ حَتَّى يُجَاوِزَهُ (بخاری صفحہ ۸۲ جلد ۵)

یعنی خارجہ بن ثابت انصاری تابعی فرماتے ہیں میں نے اپنے آپ کو دیکھا اور ہم جوان تھے۔ زمانہ عثمان میں اور ہم میں سے بڑا چھلانگ مارنے والا وہ شخص ہوتا تھا جو عثمان بن مظعون کی قبر کو چھلانگ مار کر تجاوز کر جائے۔

معلوم ہوا کہ عثمان بن مظعون کی قبر بہت اونچی تھی جس پر سے چھلانگ مار کر تجاوز کر جانا بڑے جوان کا کام تھا اور یہ وہی عثمان ہیں جن کی قبر پر حضور علیہ السلام نے بڑا بھاری پتھر نشان کے لیے رکھا تھا۔

علامہ ابن حجر اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

فِيهِ جَوَازُ تَكْلِيَةِ الْقَبْرِ وَرَأَيْتُهُ عَنْ وَجْهِ الْأَرْضِ (فتح الباری صفحہ ۹۲۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر کو بلند کرنا اور زمین سے اونچا کرنا جائز ہے پھر آگے دو سطر کے بعد لکھتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ الْمُنِيرِ فِي الْمُنَاشِيَةِ أَرَادَ الْبُخَارِيُّ أَنَّ الَّذِي يُنْفَعُ أَصْحَابُ الْقُبُورِ هِيَ الْأَعْمَالُ الصَّالِحَةُ وَإِنْ عَلَوْ الْبِنَاءُ وَالْجُلُوسُ عَلَيْهِ وَغَيْرَ ذَلِكَ لَا يَفْضُرُ بِمُؤَرَّتِهِ وَالْمَا يَفْضُرُ بِمَعْنَاهُ إِذَا تَكَلَّفُوا الْقَاعِدُونَ عَلَيْهِ بِمَا يَفْضُرُ مَثَلًا (فتح الباری)

کہا ابن منیر نے حاشیہ میں کہ بخاری نے ارادہ کیا کہ اہل قبور کو ان کے اعمال صالحہ نفع دیتے ہیں (قبور پر بنا کا اونچا کرنا اور اس پر بیٹھنا وغیرہ صورتاً مضر نہیں۔ البتہ اس کے معنی کے لحاظ سے مضر ہے جبکہ بیٹھنے والے اس پر یہودہ باتیں کریں۔ معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک بھی قبر پر بنا صورتاً مضر نہیں ہے۔ (۱۰) مولانا سلامت اللہ نے براہین لائحہ میں بحوالہ تحقیق الحق المبین مولانا شاہ احمد سعیدؒ لکھا ہے۔

پنختہ ساختن قبر از بالا جائز است بلا کر اہت کما فی الدر المختار و شرحہ و تعمیر نمودن گنبد را نیز صاحب در المختار علیہ رحمۃ اللہ العزیز الغفار فتویٰ دادہ است و فی شرحہ المسیم بطوابع الانوار آید قولہ ایضا حیث قال وَلَا یَرْفَعُ عَلَیْہِ بِنَاءٌ وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِہِ اَمْیَ بِالَّتَطِیْنِ وَالْبِنَاءُ اَمَّا الْاَوَّلُ فَلَمَّا فِی الْخُلَاصَةِ وَلَا بَأْسَ بِالَّتَطِیْنِ وَاَمَّا الثَّانِیُ فَلَمَّا نَقَلَ فِی الْاِمْدَادِ عَنْ الْفَتَاوِی الْکُبْرِی مَا نَقَضَهُ وَالْیَوْمَ اِعْتَادُوا الشَّیْبُو بِاللِّیْنِ صِبَاۃً لِّلْقَبْرِ عَنِ النَّبَشِ وَرَاۤءَ ذٰلِكَ حَسَنًا وَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَا رَاہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَہُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ وَاِنْ خِیَفَ مَعَ الشَّیْبِیْمِ وَرَشِ الْمَاءِ عَلَیْہِ فَلَا بَأْسَ بِمَحْجَرٍ یُوضَعُ اَوْ اَجْرٍ فَلَا اَجْرٌ لَا یُکْرَہُ عَلٰی الظَّاهِرِ وَفِی الْغِیَاثِیۃِ وَ عَلَیْہِ الْفَتْوٰی۔

قبر کو اوپر سے پنختہ کرنا بلا کر اہت جائز ہے جیسا کہ در المختار اور اس کی شرح میں ہے اور صاحب در المختار علیہ الرحمۃ نے گنبد بنانے کا بھی فتویٰ دیا ہے اور طوابع الانوار میں بھی اس قول کی تائید ہے، چنانچہ فرمایا ہے کہ اس پر رفع بنا نہ کیا جائے اور بعض نے کہا ہے کہ کوئی مضائقہ نہیں یعنی کمگل اور بنا کرنے میں کمگل میں اس لیے کہ خلاصہ میں ہے کہ کمگل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور بنا اس لیے کہ امداد میں فتاویٰ کبریٰ سے منقول ہے کہ لوگوں نے قبر کو اکھڑ جانے سے محفوظ رکھنے کے لیے کچی اینٹ سے کوہان شتر کی طرح بنانے کی عادت کر لی ہے اور اس کو اچھا سمجھا ہے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مسلمان جس بات کو اچھا سمجھیں وہ اللہ

کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے اور اگر کوہان کی طرح بنانے اور اس پر پانی چھڑکنے کے باوجود بھی خوف اکھڑ جانے کا ہو۔ تو کوئی ہرج نہیں۔ کہ پتھر یا پختہ اینٹ رکھی جائے اور پختہ اینٹ ظاہر قبر پر کردہ نہیں غیاثیہ میں اسی پر فتویٰ ہے۔ علامہ شامی نے بحوالہ فتاویٰ کبریٰ ایسا ہی لکھا ہے۔

(۱۱) مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پر بڑا بھاری پتھر اٹھا کر رکھا اور فرمایا۔
أَعْلَوْ بِهَا قَبْرَ أَخِي وَأَدْفِنُ إِلَيْهِ مَنْ مَاتَ مِنْ أَهْلِي

میں اس پتھر کے ساتھ اپنے بھائی کی قبر کا نشان کرتا ہوں اور جو میرے اہل سے فوت ہوگا اس کے پاس اس کو دفن کروں گا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ شریف کی شرح میں ایک روایت لکھی ہے۔ جس سے دو پتھروں کا رکھنا ثابت ہوتا ہے۔ ایک سر کی طرف۔ ایک پائنتی کی طرف بہر حال اس حدیث سے قبر پر نشان رکھنا کہ پہچانی جاوے۔ مستحب یا کم سے کم جائز ثابت ہوتا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ قبر سے جو مٹی نکلے اس سے زائد مٹی قبر پر ڈالنا جائز نہیں۔ وہ اس حدیث میں خیال کریں کہ جب بڑا بھاری پتھر جو قبر کی مٹی سے یقیناً زائد ہے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قبر پر رکھا تو زائد مٹی کیوں منع ہوگی۔ مافسوس آج یہ قبر جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے پتھر رکھ کر نشان قائم کیا تھا بے نشان کر دی گئی۔ اسے خدا تو ان ظالموں کو بے نشان کر دے آمین۔ نیز علماء و صلحاء کی مزارات پر قبر یا گنبد بنوانا عرف میں شعار و علامت ہو گیا ہے جس سے صلحاء کی پہچان ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مشائخ مشہورین و علماء صالحین کے مزارات پر قبہ بنانا بے اصل نہیں۔ ان قبوں کا یہ بھی فائدہ ہے کہ کوئی اجنبی شخص کسی شہر میں گیا وہاں گنبد و روضہ دیکھا تو وہ نودار بھی خیال کریگا کہ یہ کسی ولی اللہ کی مزار ہے چلو زیارت سے مشرف ہو آئیں۔ وہ آئے گا فاتحہ پڑھے گا اس لیے یہ بھی اعلو بہا قبر اخ کی قبر میں داخل ہے۔

(۱۲) تیسیر القاری ترجمہ صحیح بخاری میں ہے۔

گوئند تجویز خلا نیدن حسریدہ بر گور رہے نمود کہ گور را از زمین بلند
آوردن و خیمہ بر دے زدن روا باشد۔

حدیث جریدہ سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ قبر کو زمین سے بلند کرنا اور اس
پر خیمہ لگانا جائز ہو۔

کیونکہ جب جریدہ کی تسبیحات میت کے لیے فائدہ کرتی ہیں تو خیمہ یا خالقہوں
میں بیٹھ کر جو لوگ قرآن شریف یا دوسرے وظائف پڑھیں گے تو بطریق اولیٰ میت
کے لیے نفع پہنچے گا۔ تو قارئین کرام کے دھوپ یا بارش سے بچنے کے لیے قبر پر خیمہ
یا قتبہ بنالیا جائے تو بہتر ہے تاکہ زائرین آرام سے درود شریف، قرآن شریف پڑھنے
کے لیے بیٹھ سکیں۔

(۱۳) جذب القلوب میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔

عمر بن عبد العزیز حکم ولید بن عبد الملک آزاد ہم کردہ بحارہ منقوشہ بر آورد
و بر ظاہر آن خطیرہ دیگر بنا کرد۔

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ولید بن عبد الملک کے حکم سے حجرہ شریفہ کو شہید
کر کے عمدہ عمدہ منقش پتھروں سے گنبد اطہر تعمیر کرایا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف پر گنبد عالی بنا
ہوا ہے اور یہ بھی مخفی نہیں کہ حجرہ شریفہ کی تعمیر صحابہ کے زمانہ میں ہوئی اس وقت کسی
صحابی یا تابعی سے انکار صریح نہیں۔ نہ کسی نے حدیث منع بنا کی پیش کی یا اگر روضہ
شریف کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے تو اس استثناء کی کوئی دلیل چاہیے۔ اگر
اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو تو سیدنا ابو بکر و سیدنا عمر رضی اللہ
عنہما بھی تو اسی حجرہ شریفہ میں مدفون ہیں۔ ان کے لیے اس بنا، علی القبر کو کیوں جائز
رکھا گیا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کی قبور پر قبے بنانا منع نہیں۔ اگر منع ہوتا تو صحابہ و تابعین و
تابع تابعین ضرور منع فرماتے۔ بلکہ ہرگز بننے نہ دیتے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ حجرہ شریفہ کی

عزت و فن سے پہلے بنی ہوئی تھی اور ممنوع وہ ہے جو دفن کے بعد ہو۔
 میرے کتاہوں بخاری شریف میں ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے
 ہیں کہ ولید بن عبد الملک کے عہد میں جبکہ روضہ مطہرہ کی دیوار گری۔ تو اس کی تعمیر
 کرنے لگے تو ایک قدم ظاہر ہوا۔ لوگ گھبرا گئے کہ یہ قدم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کا ہے۔ کوئی پہچاننے والا نہ تھا۔ حضرت عروہ نے کہا کہ یہ قدم مبارک حضرت عمرؓ کے
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہے (صحیح بخاری ص ۱۸۶ جلد ۶)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ دیوار گرنے کے بعد از سر نو تعمیر ہوئی یہ قبر پر بنا
 ہے اور یہ بنا بعد دفن ہوئی اور اس کے ناظم حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ راشدؓ تھے۔
 (۱۴۱) شیخ عبد الحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں۔

کہ در آخر زمان بحبت اقصاء نظر عوام بر ظاہر مصلحت و تعمیر و تزویج مشاہد
 و مقابر مشائخ و عظامد ر ضی اللہ عنہم اجمعین دیدہ چیز با افزو دند تا از آنجا
 آہست و شوکت اسلام و ارباب صلاح پدید آید خصوصاً در دیار
 ہندوستان کہ اعدائے دین از مسنود و کفار بسیار اند و ترویج اعلا
 اہل اسلام ایں مقامات متبرکہ را کہ باعث رعب و انقیاد ایشان
 است و بسا اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف از مکر و ہات
 بودہ اند۔ در زمان از مستحسنا ت گشتہ۔

ترجمہ اس عبارت کا یہ ہے کہ ہندوستان میں اعدائے دین کفار بہت
 ہیں اس لیے کہ شوکت اسلام ظاہر ہو ان مقامات متبرکہ کو بلند کرنا باعث رعب
 ہے اور سلف کے زمانہ میں بہت اعمال و افعال جو کہ مکر و ہات میں تھے۔ اخیر زمان میں
 مستحسنا ت میں سے ہوئے۔ چونکہ ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ بسبب تغیر زمان احکام متغیر
 ہو جاتے ہیں پس اس لحاظ سے اگر کسی زمانہ میں قبول کامزرات پر بنانا مکروہ سمجھا گیا
 تو اس زمانہ میں اس لیے کہ شوکت اسلام ظاہر ہو مستحسن ہوا۔
 (۱۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُعْظِمُ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ

کہ جو شخص شعاثر الشد کی تعظیم کرے پس تحقیق وہ تقویٰ قلوب سے ہے۔
امام نووی نے مقدمہ شرح مہذب میں اور علامہ نور الدین علی سمہودی نے
جواہر العقید میں لکھا ہے کہ علمائے دین اعظم شعاثر الشد میں سے ہیں۔ اَوَالْمُرَادُ مِنْ
شَعَائِرِ اللَّهِ اَعْلَامُ دِينِهِ وَهُوَ مِنْ اَعْظَمِ حُرُمَاتِ دِينِهِ۔
حضرت شاہ ولی الشد علیہ الرحمۃ نے الطاف القدس میں یہی معنی لکھے ہیں۔
چنانچہ فرمایا۔

شعاثر الشد عبارت از قرآن و پیغامبر و کعبہ و اولیاء الشد است و ہر چہ
منتسب بجد البود۔ انتہی۔

معلوم ہوا کہ حضرات علماء و مشائخ شعاثر الشد میں داخل ہیں اور شعاثر الشد
کی تعظیم مطلوب ہے۔

(۱۶) شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوت جلد اول ص ۲۳۳ میں فرماتے ہیں۔
در مطالب المومنین گفتہ است کہ مباح و اشۃ اند سلف کہ بنا کردہ
شود بر قبر مشائخ و علمائے مشہور تازیارت کنند ایشان را مردم و استرحت
پابند در آن و بنشینند در سایہ آن۔ و نقل کردہ است آنرا از مفاتیح
شرح مصابیح و گفتہ است کہ دیدم بہ بخارا قبور کہ عمارت کردہ شدہ
است بنحۃ تہائے تراشیدہ، وہ تجویز کرد آنرا اسمعیل زاہد کہ از
مشاہیر فقہاء است۔ انتہی۔

مطالب المومنین میں ہے کہ سلف نے مشائخ و علمائے مشہورین کے
قبور پر بنا کر نامباح رکھا ہے تاکہ لوگ زیارت کریں اور آرام پائیں اور اس کے
سایہ میں بیٹھیں۔ نقل کیا اس نے مفاتیح شرح مصابیح سے۔ اور کہا کہ میں نے
بخارا میں دیکھا کہ اینٹوں کے ساتھ قبریں عمارت کی ہوئی ہیں۔ اس کو اسمعیل زاہد
نے جو کہ مشاہیر فقہاء سے ہے جائز رکھا ہے۔

(۱۷) کفایہ حاشیہ ہدایہ مطبوعہ مصر کے صفحہ ۱۰۰ میں ہے۔

وَأَنَّ أَهْيَلَ التُّرَابِ عَلَيْهِ لَا بَأْسَ بِالْحَجَرِ وَالْأَجْرِ وَكَذَا عَلَى
الْقَبْرِ أَنْ أُخْتَبَجَ إِلَى الْكِتَابَةِ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ يَقَاهِي خَانَ
وَلَا بَأْسَ بِكِتَابَةِ شَيْءٍ أَوْ يُوضَعَ الْأَحْجَارُ عَلَى الْقَبْرِ لِيَكُونَ عَلَامَةً.

اگر قبر پر مٹی ڈالی جائے پھر کوئی ڈریچر اور اینٹ پختہ لگانے کا نہیں اسی طرح
قبر پر کوئی ڈر نہیں، اگر کچھ لکھنے کی حاجت ہو۔ جامع صغیر قاضی خاں میں ہے کہ قبر
پر لکھنے اور ڈریچروں کے رکھنے کا کوئی مضائقہ نہیں تاکہ علامت رہے۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ اصحاب کھف کے حال میں فرماتا ہے۔

إِذِ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا رَلَهُمْ
أَعْلَمُ بِهِمُ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمُ مَسْجِدًا

اصحاب کھف کا حال ظاہر ہونے پر لوگ ان کے بارہ میں جھگڑنے لگے
کہ ان کے غار پر عمارت بنا دو۔ ان کا پروردگار ان کے حال سے خوب واقف
ہے۔ جو لوگ ان کے معاملہ میں غلبہ رکھتے تھے انہوں نے کہا کہ ہم ان کے غار پر
مسجد بنائیں گے۔

آیت کا مضمون صاف ہے قبور پر بنا کی اجازت نکلتی ہے۔

علامہ شہاب خفاجی حاشیہ بیضاوی میں لکھتے ہیں۔

وَكُونِهِ مَسْجِدًا أَيْ دَلَّ عَلَىٰ جَوَازِ الْبِنَاءِ عَلَىٰ قُبُورِ الصَّالِحِينَ وَنَحْوِهِمْ

كَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ فِي الْكَشَافِ وَجَوَازِ الصَّلَاةِ فِي ذَلِكَ الْبِنَاءِ

اس کے مسجد ہونے سے سمجھا جاتا ہے کہ صلحاء کی قبور پر بنا جائز ہے جیسا کہ
کشاف میں اس کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ اس بناء میں نماز
جائز ہے۔

جس حدیث میں قبور کو مسجد بنانے کی مانعت ہے وہ نفس قبور کو مسجد گاہ
بنانے کے بارہ میں ہے نہ یہ کہ صلحاء کے جوار میں بھی مسجد نہ بنائی جائے۔

(۱۹) مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے بستان المحدثین ص ۱۱۳ میں علامہ کرمانی شارح صحیح بخاری کے حالات میں لکھا ہے۔

کہ در ایام حیات خود بر لے خود قبرے و عاقبت خانہ در جوار قبر حضرت شیخ شیخ ابوالسحاق شیرازی درست ساختہ بود و بالائے آن قبہ عالی ترتیب کرد۔ در ہماں مقام مدفون شد

علامہ موصوف نے اپنی زندگی میں اپنے لیے قبر بنوائی اور اس پر عالیشان قبہ بنوایا پھر اسی میں مدفون ہوئے۔ فَلْتَبَّتْ مَا قُلْنَا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بنا علی القیوم کا جواز

وَمِنْ ذَلِكَ قَوْلُ الْأَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ أَنَّ الْقَبْرَ لَا يُبْنَى وَلَا يُجْمَعُ

مَعَ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ بِجَوَازِ ذَلِكَ دَمِيزَانِ شَعْرَانِی جلد اول ص ۱۹

بعض ان اختلافی مسائل سے قول ائمہ ثلاثہ کا ہے کہ قبر (پر) بنانہ کی جائے نہ چونہ گچ کی جائے اور قول ابی حنیفہ کا اس کے جواز میں ہے۔

وَلَا تُبْنَى الْقُبُورُ وَلَا تُجْمَعُ عِنْدَ الثَّلَاثَةِ وَجَوَزَ ذَلِكَ

أَبُو حَنِيفَةَ (رحمۃ الامۃ بر حاشیہ میزبان)

قبر پر بنانہ کی جائے نہ گچ کی جاوے تینوں اماموں کے نزدیک اور ابو حنیفہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

اسی طرح بدایۃ المجتہد جلد اول کے صفحہ ۱۹۴ میں ہے۔

كَرِهَ مَا لَيْدٌ وَ الشَّافِعِيُّ يَجْمَعُ الْقُبُورَ وَ أَحَازَ أَبُو حَنِيفَةَ

امام مالک و شافعی نے قبروں کا گچ کرنا مکروہ جانا اور ابو حنیفہ نے جائز رکھا

یہ عبارت زمیندار ۳۰ ستمبر ۱۹۲۵ء سے نقل کی گئی ہے۔ ان تینوں شہادتوں سے

ثابت ہوا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے جواز بنا کی روایت موجود ہے تو اب

مقلدین مجوزین کا عمل اپنے امام کے قول پر ہی ہوا۔ فالحمد لله على ذلك :

مسئلہ ہدم قباب یعنی قبوں کا کرانا

اخیر میں حسب وعدہ اس مسئلہ کو بھی صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ قبوں کا کرانا جائز ہے یا نہیں۔ اخبار الفقہ مورخہ ۱۹۲۵ء اکتوبر ۱۹۲۵ء میں ایک مضمون فقیر کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ یہاں اسی کا نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔

جب سے ابن سعود نجدی نے مکہ معظمہ پر قبضہ کیا ہے اسلامی دنیا میں ایک فتنہ برپا ہو گیا ہے۔ طائف اور مکہ شریف میں اس کے مظالم کی کوئی حد نہیں رہی۔ سو سال کے بعد ان سرکشوں نے پھر سر اٹھایا ہے، مزارات کے قبے گرائے گئے وہ مکان جو مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جہاں حضور علیہ السلام عالم دنیا میں تشریف لائے اس کی بے حرمتی کی گئی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جن کو ہند کے وہابی بھی حکیم الامت مانتے ہیں وہ جس مکان میں زمین سے آسمان تک رحمت اور برکت کے انوار مشاہدہ کریں آج نجدیوں نے اسے پامال کر دیا اور وہابیوں کی حمایت میں اس مکان کا مولد النبی علیہ السلام ہونا ہی مشکوک سمجھ رہے ہیں۔ شاید کعبۃ اللہ درویشہ نبوی کو بھی مشکوک کہیں تو عجب نہیں۔ فانالیہ وانا لہ راجعون۔

ایڈیٹر المحدث نے تو یہاں تک غلو کیا کہ ابن سعود کو سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ سے مشابہت دی اور لکھا کہ محمود غزنوی نے سومنات کے بت کو توڑا۔ اگر سلطان غزنوی کا فعل شرعاً جائز تھا تو سلطان نجدی ان کی افواج کا فعل (قبوں کا کرانا) بھی جائز ہے۔ اگر غزنوی کا فعل ناجائز تھا تو یہ بھی ناجائز ہے۔

(المحدث ۲۲ مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۹۲۵ء)

میرے کتا ہوں کہ اہل ہند کی طرف سے سلطان غزنوی علیہ الرحمۃ کی بت شکنی کا بدلہ اس مسلم غادہابی نے اس طرح لیا کہ مسلمانوں کی مقدس یادگاروں کے قبے توڑ کر اہل اسلام کے دلوں کو صدمہ پہنچایا۔ افسوس اگر اس کو شوق جہاد تھا تو کیا مسلمان

اور وہ بھی حرمین شریفین کے مکان ہی اس کی گولیوں کے نشانہ رہ گئے تھے۔ کچھ تو کعبۃ اللہ کا پاس ہوتا۔ ہائے وہ شہر جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ هُوَ حَرَامٌ مُحَرَّمَةٌ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ جس کا کاٹنا درخت کاٹنا بھی درست نہیں جہاں کسی کو حمل سلاح حلال نہیں۔ جس میں خونریزی حرام ہے۔ جس میں حضور علیہ السلام کو صرف ایک ساعت کے لیے قتال کی اجازت ہوئی پھر کسی کو اجازت نہیں ہوئی۔ آج اس شہر میں نجدیوں کے ہاتھوں جو مظالم ہوئے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

اہل ہنود تو سو منات کے بت کی پرستش کرتے تھے بخلاف اہل اسلام کے کہ وہ نہ قبروں کی پرستش کرتے ہیں نہ عبادت صرف یہ فیہ ایک علامت تھے۔ جن سے صاحب قبر کی عظمت و عزت معلوم ہوتی تھی۔ اور بس۔ اور علامت کا رکھنا حدیث اُعلِمُ بِهَا قَبْرُ أَخِي سے ثابت ہے۔ (ابوداؤد)

بقول ایڈیٹر المحدث اگر وہاں کوئی چڑھاوے چڑھاتا تھا تو وہ قبر پر بھی چڑھا سکتا ہے۔ کیونکہ چڑھاوا مقبور کے ثواب رسانی کے لیے ہوتا ہے۔ نہ قبر کے لیے۔ پھر قبروں کے گرانے میں بجز توہین مقبور اور کیا فائدہ ہوا۔ ہاں اگر چڑھاوے بند کرنا مقصود تھا تو قبروں پر پیرہ بٹھا دیا جاتا۔ کہ کوئی چڑھاوا نہ چڑھائے۔ صرف قبے گرانے سے چڑھاوے بند نہیں ہو سکتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درخت کاٹنے کی مثال بھی صحیح نہیں۔ اس لیے کہ وہ درخت جس کے نیچے حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو بیعت کیا۔ خود صحابہ پر مخفی ہو گیا۔ چنانچہ بخاری شریف میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہا انہوں نے۔

رَجَعْنَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فَمَا اجْتَمَعَ مِنَّا اِثْنَانِ عَلَى شَجَرَةٍ اَلَّتِي بَايَعْنَا تَحْتَهَا كَانَتْ رَاحَةً مِنَ اللّٰهِ۔

ہم آئندہ سال اس جگہ آئے جہاں بیعت الرضوان ہوئی تھی۔ تو دو آدمی بھی

اس درخت پر متفق نہ ہوئے جس کے نیچے ہم نے بیعت کی یعنی اس درخت کا صحیح پتہ کسی کو نہ رہا اور وہ درخت یا اس کا انفا خدائے کی رحمت تھا۔ اسی طرح مسیب فرماتے ہیں۔

لَقَدْ رَأَيْتُ الشَّجَرَةَ ثُمَّ آيَتْهَا بَعْدًا فَلَمْ أَعْرِفْهَا۔

میں نے وہ درخت دیکھا۔ پھر میں آیا۔ تو میں پہچانتا نہ تھا کہ کونسا درخت ہے دوسری روایت میں ہے۔

لَسَيْنَا هَا وَلَكُنْ نَقْدًا عَلَيْنَا۔

ہم اس کو بھول گئے اور اس پر قادر نہ ہو سکے کہ کونسا درخت ہے۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں۔

إِنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْلَمُوا هَا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو تو اس درخت کا علم نہیں۔
تو جب صحابہ کو اس کا پتہ ہی نہیں رہا تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کاٹا۔
تو کس درخت کو کاٹا۔

(ثانیاً) اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کاٹ دیا اس خیال سے کہ اس درخت کی پرستش شروع نہ ہو جائے تو ابن سعود کو نہ صرف قبے اکھیر نے چاہیے بلکہ قبروں کا نام و نشان ہی مٹا دینا چاہیے تھا۔ کیونکہ جب تک قبروں کا وجود رہے گا معتقدین زیارت سے مستفیض ہوتے رہیں گے اور چڑھا دے چڑھتے رہیں گے اور وہابیوں کے دلوں سے پرستش کا وہم ہرگز زائل نہ ہوگا۔ اگر ایسا کر دیں گے (اور ان سے کچھ بعید نہیں) تو ممکن ہے کہ کوئی چڑھا دے نہ چڑھائے۔ لیکن ایسا کرنا خود حدیث کے خلاف مانتے ہیں۔ کیونکہ قبر کو مسنم یا مسطح علی اختلاف الاقوال کرنا اور اس کا نشان قائم رکھنا احادیث سے ثابت ہے تو بہر حال وہابیوں کا یہ فعل کسی طرح محمود و مغزلی علیہ الرحمۃ سے مشابہت نہیں رکھتا۔

(ثالثاً) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درخت کا ٹٹنے سے استدلال کر کے قبوں

کے گرانے کا جواز یا وجوب سمجھنا قیاس ہے اور قیاس مجتہد کا کام ہے اور اس زمانہ میں کوئی مجتہد نہیں۔

ہاں وہ حدیث جو ائمہ حدیث ۳۱ اکتوبر میں اور عبدالحق فاروقی کے مضمون میں اور مانسروی کے مطبوعہ اشتہار میں اور قرشی کے مزارات حجاز میں صحیح مسلم سے نقل کی ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کی تحقیق کریں۔ اس حدیث کے سوا کوئی ایسی اور حدیث ہادی بن قتبہ کے مضامین میں میری نظر میں نہیں گزری جس سے قبوں کا گرانہ دینی حکم یا ثواب سمجھا جائے۔ بہر حال وہ حدیث یہ ہے۔

عَنْ أَبِي الْهَيَّاجِ الْأَسَدِيِّ قَالَ قَالَ لِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي النَّثَّانِ عَلَمَا بَعْثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَدْعُ تَمْثَالًا إِلَّا طَمَسَتْهُ وَلَا تَقْبُرَ أَهْشَرًا فَإِلَّا سَوَّيْتَهُ (مسلم ص ۳۱۲ جلد اول)

حضرت علی نے ابوہیاج اسدی کو فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا یہ کہ کوئی تصویر نہ چھو مگر کہ مٹا دے اس کو اور نہ کوئی قبر بلند کہ برابر کر دے اس کو۔

وہاں بیان ہند اس حدیث سے استدلال کر کے قبوں کے گرانے کو دینی حکم سمجھتے ہیں اور ابن سعد کے اس فعل کو تعمیل حکم نبوی مانتے ہیں حالانکہ اس حدیث کی سند میں حبیب بن ثابت ایک راوی ہے جو ابوالو ائل سے بلفظ عن روایت کرتا ہے حبیب مذکور مدلس ہے اور مدلس کی معنی محدثین کے نزدیک قابل حجت نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ حدیث قابل حجت نہیں۔

حافظ ابن حجر طبقات المدلسین میں فرماتے ہیں۔

حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ الْكُوْنِي تَارِيْعِي مَشْهُوْرٌ يَكْثُرُ التَّدْلِيْسُ

۱۔ اس مضمون کے طبع ہو جانے کے بعد رسالہ تحریک و ہدایت میں مولوی ثناء اللہ نے حدیث من رای منکم منکرا لکھی ہے جس کا جواب اس مضمون میں دیا جائیگا انشاء اللہ۔ مزید احمد میں حضرت علی کی حدیث چند اسناد سے مروی ہے وہ یہ صیغہ ہیں

وَصَفَّهُ بِذَلِكَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَاللَّحَارُ قَطْنِي وَغَيْرُهُمَا وَنَقَلَ أَبُو
بَكْرُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لَوْ أَنَّ سَجْلًا
حَدَّثَنِي عَنْكَ مَا يَأْتِي أَنَّ رَوَيْتَهُ عَنْكَ يَعْنِي اسْقَطْتَهُ
مِنَ الْوَسْطِ -

حبیب بن ابی ثابت مشہور تابعی ہیں تدلیس بہت کیا کرتے ہیں ابن خزمیہ
دوار قطنی وغیرہ نے اس کی یہ وصف بیان کی ہے۔ اعمش کہتے ہیں کہ حبیب فرمایا
کہ تھے اگر کسی آدمی نے مجھ تجھ سے حدیث روایت کی ہو تو میں اس کو درمیان
سے ساقط کر کے تجھ سے روایت کر لے میں پرواہ نہیں کرتا۔
معلوم ہوا کہ وہ مدلس ہے اور خود تدلیس کا اقرار کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں -
قَالَ ابْنُ حِبَّانٍ فِي الثَّقَاتِ كَانَ مُدَلِّسًا پھر آگے لکھا ہے قَالَ
ابْنُ خُزَيْمَةَ فِي مَحْبُوحِهِ كَانَ مُدَلِّسًا -

ابن حبان نے ثقات میں ابن خزمیہ نے صحیح میں لکھا ہے کہ حبیب مدلس
تھا۔ نیز حافظ ابن حجر لکھتے ہیں -

قَالَ ابْنُ جَعْفَرٍ النَّعَّاسِ كَانَ يَقُولُ إِذَا حَدَّثَنِي رَجُلٌ عَنْكَ
بِحَدِيثٍ ثُمَّ حَدَّثْتُ بِهِ عَنْكَ كُنْتُ مُدَلِّسًا -

ابن حجر فرماتے ہیں کہ حبیب کہا کرتا تھا جب میرے پاس کوئی شخص تجھ
سے روایت کرے پھر میں اس کو ساقط کر کے تجھ سے روایت کروں تو میں صادق
ہوں گا۔

دیکھو اس میں بھی حبیب کو تدلیس کا اقرار ہے اور اصول حدیث میں
مصرح ہے کہ مدلس کی معنی حجت نہیں۔
قالہ النووی فی شرح صحیح مسلم وغیرہ مبنیٰ علیہ۔

اگر کہا جادے کہ یہ راوی صحیح مسلم کا ہے اور صحیحین میں جو مدلس ہیں ان کا

کسی نہ کسی طریق میں سماع ثابت ہے۔

میں کہوں گا کہ مولوی ابراہیم سیالکوٹی نے حدیث وَاِذَا اقْرَأْتُمْ فَاصْبِرُوا کو جو صحیح مسلم کی حدیث ہے اسی تدلیس کے سبب قابل حجت نہیں سمجھا۔ وہاں یہ خیال نہ آیا کہ یہ مسلم کی حدیث ہے۔ علاوہ اس کے میں جہاں تک ہوسکا حدیث علی رضی اللہ عنہ کی اسناد کو دیکھا کسی طریق میں حبیب نے تصریح سماع نہیں کی اس لیے بھی یہ حدیث قابل حجت نہیں ہو سکتی۔

علاوہ اس کے اس حدیث سے قبروں کا زمین کے برابر کرنا ثابت ہوتا ہے جو حدیث شبر و احادیث تسنیم و حدیث اعلم بہا قبر اخی کے خلاف ہے۔ ہاں وہاں بیان نجد و ہند کو لازم ہے کہ پہلے یہ ثابت کریں کہ اہل اسلام قبروں پر قبے بنایا کرتے تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اُن کے گرانے کے لیے حضرت علیؓ کو بھیجا۔ وَاِنْ خَرَطَ الْفَتَادَ۔

ہمارے بعض علماء نے انعام کا اشتہار دیا ہے کہ اگر کسی مسلمان کی قبر کو زمانہ نبوی میں گرایا گیا ہو تو اس کا نام اور پتہ لکھنے پر فی قبر کچھ انعام دیا جائے گا۔ مگر آج تک کسی وہابی نے کسی ایک مسلمان سے کسی صحابی یا تابعی کی قبر کا ڈھانا ثابت نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ قبور مشرکین کے تسویہ پر مامور ہوئے تھے کیونکہ ان کی کچھ عزت نہیں ان کا ہموار زمین کرنا بلکہ ہڈیوں کو بھی باہر نکال دینا احادیث سے ثابت ہے۔

علامہ ابن الترمذی علیہ الرحمۃ جوہر النقی کے جلد اول ص ۲۶۵ میں فرماتے ہیں۔

ثَلَّثَ الظَّاهِرُ أَنَّ الْمُرَادَ قُبُورَ الْمُشْرِكِينَ بِقَرْنَيْنِهِ عَطْفُ التَّمَثَالِ عَلَيْهَا وَكَانُوا يَجْمَعُونَ عَلَيْهَا الْأَنْصَابَ وَالْأَبْنِيَةَ فَأَرَادَ عَلَيْهِ

السَّلَامُ إِزَالَةَ أَثَارِ الْبُشْرَةِ (جوہر النقی)

ظاہر یہ ہے کہ حدیث علی رضی اللہ عنہ میں مراد قبور مشرکین ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ تمثال (تصویر) کا عطف قبر پر ڈالا گیا ہے اور مشرکین قبروں پر بت اور بتائیں

بنایا کرتے تھے۔ تو حضور علیہ السلام نے شرک کے آثار مٹانے کے لیے قبور مشرکین کے تسویہ کا حکم فرمایا۔

پس اگر اس میں قبور مشرکین مراد ہیں تو ہمیں اس میں کچھ کلام نہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہی صحیح ہے۔ کیونکہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک کنیسہ کا ذکر کیا ہے جو اُس نے ارض حبشہ میں دیکھا۔ تو اُس نے جو تصویریں دیکھیں ان کا ذکر کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

أُولَٰئِكَ قَوْمٌ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَىٰ قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرِ أُولَٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ۔

یہ ایک قوم ہے جب ان میں کوئی صالح بندہ فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں یہ تصویریں بناتے یہ لوگ اللہ کے نزدیک شر المخلوق ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین قبروں پر مسجدیں اور تصویریں بناتے تھے اس لیے انہی کی قبریں گرانے اور تصویریں مٹانے کا حضور علیہ السلام نے حکم دیا کیونکہ مشرکین کی قبور کی کوئی عزت نہیں۔ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے واسطے قبور مشرکین کے اکھیڑنے کا حکم دیا۔ (بخاری)

حافظ ابن حجر فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ میں لکھتے ہیں۔

أَمَّا الْكَفَرَةُ فَإِنَّهُ لَا حَرَجَ فِي نَبَشِ قُبُورِهِمْ إِذَا حَرَجَ فِي إِهَانَتِهِمْ۔

کافروں کی قبریں اکھیڑنے اور ان کی اہانت میں کوئی حرج نہیں۔ کلام تو اہل اسلام بالخصوص صحابہ کرام و اولیائے عظام کی قبور کے قبے گرانے میں ہے کہ اس میں توہین قبور اہل اسلام ہے جو بالاتفاق ممنوع ہے۔ حاکم و طبرانی عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا اور فرمایا۔

انزل من القبر لا تؤذي صاحب القبر ولا يؤذي

قبر سے اتر جائے نہ تو صاحب قبر کو ایذا دے نہ وہ تجھے۔

تو دہائیوں کا قبروں پر چڑھنا اور ان کو گرائیا کیا ایذا نہیں۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

کَمَا أَكْرَهُ أَذَى الْمُؤْمِنِ فِي حَيَاتِهِ فَإِنَّ أَكْرَهُ أَذَاهُ بَعْدَ مَوْتِهِ (سعید بن مسعود) جس طرح زندہ مسلمان کی ایذا مجھے ناپسند ہے اسی طرح مردہ کی ایذا بھی میں ناپسند کرتا ہوں۔

علامہ شامی فرماتے ہیں۔

إِنَّ الْمَيِّتَ يَتَأَذَى بِمَا يَتَأَذَى بِهِ الْحَيُّ

جس چیز سے زندوں کو ایذا ہوتی ہے اس سے مردے بھی ایذا پاتے ہیں۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کلبہ کی تصریح ہے کہ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

الْمَيِّتُ يُؤْذِيهِ فِي قَبْرِهِ مَا يُؤْذِيهِ فِي بَيْتِهِ

میت کو جس بات سے گھر میں ایذا ہوتی ہے قبر میں بھی اس سے اذیت ہوتی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ قبروں پر چڑھنا پاؤں سے روندنا قبروں کا گرائنا مزارات کا کھودنا اب سب امور میں یقیناً اہل قبور کی توہین اور ایذا ہے جو ہرگز حنفی مذہب میں جائز نہیں ہے۔

میں کتنا ہوں مسجد جن و مسجد البقیع مولد فاطمہ رضی اللہ عنہا و مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مولد ابی بکر رضی اللہ عنہ مسجد کو ترمذی اسمعیل علیہ السلام کیا یہاں بھی قبریں تھیں پھر یہ مقامات کیوں منہدم کیے گئے۔ یہ کہنا کہ یہاں شرک کیا جاتا تھا بالکل غلط اور سراسر انتزاع ہے۔ البتہ زائرین ان مقامات میں جا کر دعائیں مانگتے تھے اور نفل

بڑھتے تھے اور مقامات متبرکہ میں نماز پڑھنا حدیث معراج سے ثابت ہے، انسانی
میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک
دابہ لایا گیا جو خچر سے کم اور گدھے سے بڑا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا، میرے ساتھ جبریل
تھے کہنے لگے اتر نماز پڑھ۔ میں اتر نماز پڑھی۔ جبریل نے کہا اَتَدَارِیْ اَیْنَ صَلَّیْتَ
صَلَّیْتَ بِطَیْبَةِ آبٍ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی۔ آپ نے مدینہ میں
نماز پڑھی ہے۔ اسی کی طرف ہجرت ہوگی۔ پھر کہا اتر نماز پڑھ۔ میں اتر اور نماز پڑھی۔ کہا
اس نے آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی۔ آپ نے طور سینا پر نماز
پڑھی۔

جہاں موسیٰ علیہ السلام نے کلام کی تھی۔ پھر کہا اتر اور نماز پڑھی۔ کہا
آپ کو معلوم ہے آپ نے کہاں نماز پڑھی۔ آپ نے بیت لحم میں جہاں حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ وہاں نماز پڑھی ہے۔ پھر بیت المقدس میں داخل
ہوا۔ وہاں سب انبیاء جمع ہوئے۔ تو جبریل نے مجھے آگے کیا۔ تو میں اُن کی امامت
کرائی۔ علاوہ اس کے قرآن شریف سے ثابت ہے کہ جس زمین کے ٹکڑے پر نماز
پڑھی جائے گی۔ وہ قیامت کے دن شاہد ہوگا چنانچہ فرمایا یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا
تو اس لیے بھی ایسے متبرک مقامات کو شاہد بنالینا خوش قسمتی ہے۔ افسوس عیسے
علیہ السلام کی مولد شریف میں تو حضور علیہ السلام نفل پڑھیں اور اس مقام کی زیارت
کریں لیکن سراسر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد مبارک کو نجدی مزملہ بنائیں تفت
ہے ایسی مسلمانی پر۔

اخیر میں ہم نجدیوں کے حامیوں سے دریافت کرتے ہیں کہ ابن سعود کی
طرف سے جو اعلان شائع ہوا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کو
کسی قسم کا ایندھن پہنچایا جائے گا۔ اس کی کیا وجہ ہے روضہ شریف اس ممانعت
میں داخل نہیں۔ جس دلیل سے وہ مزارات کے قبے گراتے ہیں کیا روضہ شریف
اس سے مخصوص ہے اگر ہے تو دلیل خصوصیت بیان فرمائی جائے۔ اگر نہیں تو

ابن سعود کا یہ وعدہ کیا جسے رکھتا ہے کیا یہ طفل تسلیاں نہیں۔ بے شک ابن سعود کا محض دھوکا ہے جس کا مذہب یہ ہو لو اقدار علی الحجرة النبویہ لہد امتہا وہ قدرت پانے پر کب باز رہ سکتا ہے۔ فالی اللہ المشتکی من ضیع الاعداء۔
اللہم طہر ارض الحرمین الشریفین من انجاس الوہابیین
النجادیین امین یا رب العلمین

مزارات کے قریب گرائیوالوں پر علامہ ابن النابلسی رحمہ اللہ

کا فتوے

علامہ اسماعیل حقی صاحب تفسیر روح البیان جلد چہارم ص ۲۲ میں لکھتے ہیں۔
وفی کشف الثور لا بن النابلسی اما قول بعض المغرورین
بانتنا نخاف علی العوام اذا اعتقدوا اولیاء من الاولیاء وعظمو
قبرہ والتمسوا البرکۃ والمعونۃ منہ ان یدارکہم اعتقاد ان
الاولیاء توثر فی الوجود مع اللہ فیکفرون ولش کون باللہ تعالیٰ
فمنہم عن ذلک ونہدیم قبور الاولیاء وترفع البنایات
الموضوعة علیہا ونزیر السور عنہا وتجعل الہانتہ للاولیاء
ظاہرۃ حتی تعلم العوام الجاہلون ان ہولاء الاولیاء ہو کاذوا
مؤثرین فی الوجود مع اللہ تعالیٰ لدافعوا عن انفسہم ہذہ
الہانتہ الی نفعلہا معہم فاعلموا ان ہذا الضیع کفر
صریح ماخوذ من قول فرعون علی ما حکاہ اللہ تعالیٰ لتانی
کتابہ القیدیہ وقال فرعون ذرونی اقتل موسی ولیدع
ربہ اینی اخاف ان یتبدل کواذ ان یظہر فی الارض الفساد۔

کشف النور میں علامہ ابن نابلسی فرماتے ہیں یہ جو بعض مغرور کہتے ہیں کہ ہم عوام پر ڈرتے ہیں کہ جب وہ کسی ولی کے معتقد ہو جائیں گے اور اس قبر کی تعظیم کریں گے اور اس سے برکت اور امداد طلب کریں گے تو ان میں یہ اعتقاد پیدا ہو جائے گا کہ اولیاء اللہ حق سبحانہ کے ساتھ وجود میں تاثیر رکھتے ہیں تو اس اعتقاد کے سبب کافر اور مشرک ہو جائیں گے تو ہم ان کو اس سے منع کرتے ہیں اور اولیاء کی قبروں کو ڈھالتے ہیں اُن پر جو عمارتیں ہیں ان کو اٹھا دیتے ہیں اُن کے خلاف اُتارتے ہیں اور ظاہر اولیاء اللہ کی اہانت کرتے ہیں تاکہ عوام لوگ معلوم کر لیں کہ یہ اولیاء اللہ اگر کچھ بھی تاثیر رکھتے تو اس اہانت کو جو ہم کرتے ہیں اپنے نفسوں سے روکتے (یعنی قہر کرانے والوں سے یہی باتیں اخباروں میں شائع ہوئیں) پس جان لو کہ یہ کام صریح کفر ہے اور فرعون کے قول سے ماخوذ ہے جو اُس نے کہا تھا کہ مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ اپنے رب کو بلاوے میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمہیں بدل دے گا یا زمین میں فساد ظاہر کرے گا۔

میرے کہتا ہوں کہ اسی طرح قہر کرانے والے کہتے ہیں کہ ہم قہر کراتے ہیں اگر ان میں کچھ طاقت ہے تو ہمیں روکیں اور نہیں جانتے کہ اولیاء اللہ بحر رضا الہی کچھ نہیں کرتے خود غیرت الہی ایسے لوگوں کو بکڑ لیتی ہے۔ اس لیے ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ وقت جلد آئے گا کہ غیرت الہی ان ظالموں کو نباہ کرے گی۔

حدیث من رای منکر منکرا

کہتے ہیں کہ نجدیوں نے اس حدیث کی بنیاد پر مزارات پر سے قہر اُتارے ہیں کہتا ہوں پیچھے گذرا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے جواز بنا کی روایت موجود ہے۔ سلف اس کی اباحت کے قائل ہیں۔ نہی تحریمی کا کوئی ثبوت نہیں تو جب اس کا منکر ہونا ہی ابھی ثبوت نہیں، تو اس حدیث کے تحت کیسے آسکتا ہے۔ اگر اس کو منکر سمجھو گے تو روضہ شریف بھی مسجد نبوی بھی کعبہ شریف بھی۔ بلکہ عام

مسلمانوں کے دو منزلہ سے منزلہ پختہ گھر بھی سب واجب الہم ہوں گے۔ وہ ہو
کما ترے۔

علاوہ اس کے فصل الخطابات فی رد ضلالت ابن الوہاب میں احمد
مصری لکھتے ہیں۔

تَهْدِيَةُ قُبُورِ شُهَدَاءِ الصَّحَابَةِ الْمَذْكُورِينَ لِأَجْلِ الْبَنَاءِ عَلَى
قُبُورِهِمْ ضَلَالَةٌ أَوْ ضَلَالَةٌ۔

شہدائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی قبور کو گرانا اس لیے کہ ان کی قبروں پر قبے
وغیرہ بنے ہوئے ہیں گمراہی ہے بڑی گمراہی

یہی علامہ اسی کتاب میں فرماتے ہیں

فَلَا يَقْدَامُ عَلَى الْهَدَامِ إِلَّا رَجُلٌ مُبْتَدِعٌ ضَالٌّ۔

قبروں کے گرانے میں بدعتی اور گمراہ شخص کے سوا کوئی دوسرا جرات نہیں
کرتا۔

وَلَيْكِنْ هَذَا آخِرُ مَا رَدَّنَا فِي هَذَا الْبَابِ۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالْمَتَوَابِ۔

وہابیہ سے مناکحت

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط

بعد حمد و صلوٰۃ

فقیر الیوسف محمد شریف وہابیوں کی خدمت میں عرض پر وارے کہ تاریخ اسلام میں جہاں بڑے بڑے حوادث رونما ہوئے وہاں ایک حادثہ یہ بھی ہے کہ محمد بن عبد الوہاب کے دور سے مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی کہنے کی ایک ایسی رسم چل نکلی ہے کہ آج تک بات بات پر مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی کہا جاتا ہے۔

یا رسول اللہ! کیا مشرک، قبر رسول پر جانا مشرک، مقبولان الہی سے توسل مشرک، تقلید شخصی مشرک، میلاد میں قیام و سلام مشرک، گیارہویں شریف مشرک حضور کا عالم ماکان و مایکون ماننا مشرک، حضور کو مالک و مختار جاننا مشرک۔ الغرض کس کس بات پر مسلمانوں پر مشرک کا گھناؤنا الزام لگایا جاتا ہے، یہ آپ لوگ بخوبی جانتے ہیں۔

رہا بدعت کا معاملہ تو اس سلسلہ میں آپ کا بچہ بچہ مبلغ ہے۔ بدعت کا لفظ تو آپ کا نکیہ کلام بن چکا ہے۔ کھانے پر خدا کا کلام پڑھنا بدعت، ایصالِ ثواب بدعت، تیجا، دسواں اور چالیسواں بدعت، میت کے بعد میں تین دن تک کلمہ پڑھنا بدعت، میت کی اسقاط بدعت، جنازہ کے بعد بدعت، میلاد کا جلوس بدعت اور نہ جانے کیا کیا بدعت۔

جمع اہل سنت و جماعت آپ کی نظر میں مشرک بھی ہیں اور بدعتی بھی اور قرآن و حدیث کی رو سے دونوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جن کو آپ لوگ مشرک اور بدعتی کہتے ہیں، کیا فی الحقیقت وہ مشرک اور بدعتی ہیں؟ اس کا فیصلہ آج تک نہیں ہو سکا۔ یہ تو احکم الحاکمین کی عدالت میں پتہ چل جائے گا کہ کلمہ توحید کا ورد کرنے والے ارکان اسلام پر ایمان رکھنے والے، میلاد مصطفیٰ منانے والے، خدا کے حبیب کی خوشیاں منانے والے، پاکانِ خدا سے نسبت و محبت رکھنے والے مشرک تھے یا مومن؟

ان سطور کے ذریعے، آپ کے سامنے، اپنی بریت کرنا مقصود نہیں بلکہ ایک
 اہم مسئلہ کی جانب دہائی حضرات کی توجہ دلانا مقصود ہے۔ آپ ہم کو مشرک اور بدعتی
 بھی کہتے ہیں۔ پھر ہمارے ساتھ رشتے ناٹے بھی کرتے ہیں۔ آئندہ سطور میں آپ کی
 خدمت میں قرآن اور حدیث پیش کر رہا ہوں جس کا لب لباب یہ ہے کہ:
 ہمیں مشرک اور بدعتی کہنا چھوڑ دیں۔
 اگر یہ ممکن نہیں تو ہم سے رشتے ناٹے کرنا چھوڑ دیں،
 فقیر ابو یوسف محمد شریف

قرآن شریف

اب سنئے! حق سبحانہ، و تعالیٰ کیا ارشاد فرماتا ہے۔

پہلی آیت

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ
مُّشْرِكٍ ذُوْا أَنْجَبَ كُؤُوبٍ ۚ ۛ

مشرک مردوں کے ساتھ (مومنہ عورتوں کا) نکاح نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ
مشرک ایمان لائیں۔ البتہ غلام مومن بہتر ہے۔ شرک سے اگرچہ تمہیں شرک پسند
آوے۔

دیکھئے یہ آیت منع کرتی ہے کہ کوئی وہابی جو حنفیہ کو مشرک کہتا ہے۔ وہ
حنفیہ کو لڑکی نہ دے۔ تعجب ہے کہ آپ لوگ دیدہ دانستہ اس آیت کے حکم کا
خلاف کرتے ہیں۔ حنفیہ کو مشرک بھی کہتے ہیں اور لڑکیاں بھی دے دیتے ہیں۔ دیکھو! اللہ
تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ تمہیں وہ مشرک کیسا ہی پسند آوے۔ یعنی خوبصورت ہو۔ نوجوان
ہو۔ مالدار ہو۔ اس کی ماں بھی نہ ہو۔ اکیلا گھر ہو تو بھی اسے ناپہ نہ دو۔ مگر آپ اس حکم
کا خلاف کرتے ہو۔ اب وہابیہ کی جان عذاب میں ہے۔ یا تو حنفیہ کو مشرک کہنا سمجھنا
چھوڑ دیں یا ان کے ساتھ رشتہ داری کرنا بند کر دیں۔

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را

بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ

لیکن مشرک کہنا، سمجھنا تو امید نہیں کہ چھوڑیں۔ البتہ رشتہ لینا دینا بند

کر دیں گے۔ فہو المراد۔

تائید:

مولوی عبداللہ مدیر تنظیم ۱۱ مارچ ۱۳۸۰ء کے پرچہ میں لکھتے ہیں۔
ہاں اس آیت کی رو سے بریلویوں کی لڑکیاں یعنی جائز ہوں گی۔ ان کو
دینی جائز نہیں ہوں گی۔
البتہ اگر یوں لکھتے کہ در صورت مشرک سمجھنے کے ہرگز بریلویہ کو لڑکیاں نہیں
دے سکتے۔ تو یہ بالکل درست تھا۔ لہذا دنیا دونوں بند کرنا کسی صورت میں صحیح
نہیں۔
اور تنظیم نمبر ۲۵ مورخہ ۲۴ مئی ۱۳۸۰ء میں حافظ عبدالقادر نے بھی اس کی
تائید کی۔

دوسری آیت

جو اسی پہلی آیت کا شروع ہے یہ ہے۔
وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَا مِمَّنْ مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ
مُّشْرِكَةٍ وَلَا تُؤَاغَبَنَّكُمْ
مشرکہ عورتوں کو نکاح میں نہ لاؤ۔ یہاں تک کہ ایمان لائیں البتہ نوٹ دی مؤمنہ
بہتر ہے۔ آزاد مشرکہ سے اگرچہ وہ مشرکہ تمہیں پسند لگے۔
دیکھیے! یہ آیت منع کرتی ہے کہ کوئی وہابی کسی حنفی کے گھر ناطہ کرے اور
حنفی عورت کو اپنے نکاح میں لائے۔
کیونکہ وہ حنفی عورت اس کے نزدیک مشرکہ ہے اور مشرکہ کے ساتھ نکاح کرنا
اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے۔ تو اب کسی وہابی کو جائز نہیں کہ وہ کسی حنفی عورت کے
ساتھ نکاح کرے۔ افسوس! اس زمانہ کے مدعیان عمل بالقرآن والحدیث خدا
تعالیٰ کے اس حکم کا صریحاً خلاف کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ حنفیوں کے ساتھ

رشتہ داری کریں اور ان کی لڑکیاں لیں اور اپنی لڑکیاں ان کو دیں تو ان کے لیے صرف ایک صورت ہے کہ حنفیہ کو مشرک بدعتی نہ لکھیں نہ سمجھیں تو اس آیت کی زد سے بچ سکتے ہیں۔ در صورت مشرک سمجھنے کے ہرگز رشتہ داری حنفیوں سے نہیں کر سکتے۔ اگر وہابی حنفیوں کو بدعتی مشرک لکھنا کہنا سمجھنا چھوڑ دیں تو آج ہی رشتہ لینا دینا شروع ہو جاتا ہے۔

تاسیس

مولوی عبدالقادر حصاری نے ۲۶ اگست ۱۳۸۰ء کے منظم میں اس کی تاسیس کی کہ مصنف کے ساتھ اس امر میں مجھے پورا اتفاق ہے کہ ہم اہلحدیث ان رسمی حنفیوں کو کافر مشرک جانتے ہیں۔ اور اس امر میں بھی اتفاق ہے کہ ایک دوسرے سے رشتہ نا طہ لین دین کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے۔

تیسری آیت

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا
إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ يٰٓأَيُّهَا

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے، کہ اس نے پیدا کیں
تمہارے واسطے تمہاری جنس سے عورتیں تاکہ تمہیں ان سے سکون حاصل ہو اور تمہارے
درمیان دوستی اور رحمت کر دی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بی بی اور خاوند کی آپس
میں محبت اور دوستی ہونی چاہیے اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ و رسول
کے مخالفوں سے دوستی نہیں چاہیے۔ خواہ باپ ہو یا بیٹا یا بھائی وغیرہ چنانچہ فرمایا۔
لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ۔

یہ تو ظاہر ہے کہ وہابی ہم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

مخالفت سمجھتے ہیں اور ہم ان کو مخالفِ خدا و رسول جانتے ہیں اور اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ خدا و رسول کے مخالفوں سے دوستی کسی مسلمان کا کام نہیں اور رشتہ داری کرنا محبت اور دوستی سے ہوتا ہے۔ پھر میاں بی بی کی آپس میں دوستی و محبت ضروری ہے تو ایک دوسرے کو مخالفِ خدا و رسول سمجھتے ہوئے باہمی رشتہ کرنا اس آیت کے صریحاً خلاف ہے۔ تو یہاں بھی وہابیوں کے لیے صرف ایک بات ہے، یا تو حقیقوں کو خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف نہ سمجھیں یا رشتہ لینا دینا چھوڑ دیں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ حقیقوں کو مخالفِ خدا و رسول بھی سمجھا جائے۔ پھر رشتہ داری بھی شروع رہے۔

تائید

مولوی عبدالقادر حصاری ۲۶ اگست کے تنظیم میں اس کی تائید کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ مشرک مومن کا اور زانی، عقیق کا کفو نہیں۔ دوسرے یہ کہ ایک سے دوسرے کو اس گناہ کی علت نہ لگ جائے۔ جو مناکحت مجالست اور مصاحبت کو مستلزم ہے۔ جس کا اثر ایک دوسرے کو پہنچنا لازمی ہے۔ یعنی مصاحبت سے وہ ضرور متاثر ہو جائیں گے۔ ان مفاسد کی وجہ سے مناکحت حرام کر دی۔ انتہی۔

چوتھی آیت

فَلَا تَقْعُدُوا بَعْدَ الذَّكْرِىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر شیطان تجھے بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے

پاس نہ بیٹھ۔

فرمائیے! کہ بد مذہب سے زیادہ ظالم کون ہے۔
تفسیر احمدی میں لکھا ہے کہ بدعتی فاسق کافر سب ظالم ہیں
تو ان میں سے کسی کے پاس بیٹھنا اس آیت کے ساتھ منع ہوا۔ اب سوچو اور

غور کرو کہ وہابی ہیں بدعتی کہتے ہیں۔ وہ ہمیں فاسق جانتے ہیں۔ وہ ہمیں کافر
 مشرک کہتے ہیں تو ان کو ہمارے ساتھ ساتھ مل بیٹھنا منع ہے۔ چہ جائیکہ رشتہ داری
 کی جائے۔ کیونکہ بیوی خاوند کا آپس میں مل بیٹھنا یقینی ہے۔ اس صحبت دائمہ سے
 زیادہ اور کوئی صحبت نہیں تو اس آیت سے بھی غیر مذہب کے ساتھ رشتہ کا
 لین دین منع ہوا۔

پانچویں آیت

وَمَنْ يُتَوَلَّهِمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میں سے جو کوئی ان سے (بیدینوں سے) دوستی
 رکھے گا وہ انہی میں سے ہوگا۔

یہ ظاہر ہے کہ بیوی خاوند کی آپس میں محبت ہوتی ہے اور بڑے مذہب والے
 سے محبت منع ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ مناکحت بھی منع ہے۔ یہی مطلب ہے
 اس حدیث کا جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔

اومی جس کے ساتھ محبت رکھتا ہے قیامت کے روز اسی کے ساتھ ہوگا۔
 پس اگر حنفی کو دوست رکھتا ہے تو قیامت کے روز حنفی کے ساتھ ہوگا آپ
 کے گمان میں حنفی مشرک بھی ہیں اور بدعتی بھی آپ کے گمان میں تو حنفیہ کا ٹھکانا جہنم
 ہوگا۔ آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ حنفی سے رشتہ ناطہ کر کے آپ لوگ کہاں ہوں گے۔
 اس لیے خدا کا خوف کیجئے اور اپنے نظریہ پر نظر ثانی کیجئے اور بات بات پر حنفیہ
 کو مشرک اور بدعتی کہنا چھوڑ دیجئے۔ اگر یہ ممکن نہیں تو اپنی عاقبت بچانے کے لیے
 حنفیہ کے ساتھ رشتہ ناطہ نہ کیجئے۔

فہو المراد

چھٹی آیت

الْجَنِّثَاتُ لِلْجَنِّثِينَ وَالْجَنِّثُونَ لِلْجَنِّثَاتِ - وَالطَّيِّبَاتُ
لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ -

پلید عورتیں پلید مردوں کے لیے اور پلید مرد پلید عورتوں کے لیے ہیں اور
پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے۔
اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اپنے اپنے فرقوں میں نکاح ہونا چاہیے۔
کیونکہ ہر شخص اپنے ہی فرقہ کو حق پر سمجھتا ہے۔ تو دوسرے فرقہ میں لڑکی دینا لینا
بہی نزع پیدا کرنا ہے تو کیوں نہ اس آیت کے حکم کے مطابق پلید (یعنی باطل)،
فرقہ کی عورتیں اسی فرقہ کو دی جائیں جو پلید ہے اور پاک اور طیب (یعنی حق)، فرقہ کی
عورتیں اسی فرقہ میں دی جائیں۔ جو پاک، اہل حق ہوں۔ ہذا هو الحق۔

تائید

مولوی حصار می اس آیت کو لکھ کر کہتے ہیں کہ آیت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ
کہ مشرک عورتوں سے اہل حدیث موحدین کو نکاح نہ کرنا چاہیے۔
(تنظیم ۲۶ اگست ۱۳۸۸ء)

ساتویں آیت

وَلَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔
ظاہر ہے کہ بد مذہبی حقیقی ہلاکت ہے تو دیدہ دانستہ اپنی عزیز بچی کو بد مذہبی
کے گڑھے میں نہ ڈالو۔ دہا بیو! آیت پر عمل کرو۔ جب تم جانتے ہو کہ تنفی مشرک اور
بدعتی ہیں تو دیدہ دانستہ اپنی بچیوں کو اس ہلاکت میں نہ ڈالو۔

سعدی فرماتے ہیں ۔
ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تن بیگانہ کا ثنا باشد

تاسیہ

یہی حصار می تنظیم میں لکھتے ہیں ۔ قرآن میں اور جگہ آیا ہے لا تمسکوا بالصوامع الکواضر : یعنی کافرہ عورتوں کو نکاح میں مت رکھو ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر کافرہ عورتوں کا نکاح حرام فرمایا ہے ۔ اور ان کے نکاح پر اقامت کرنے سے روک دیا ہے ۔ بریلویوں کی لڑکیاں مراسم شریکہ کرنے والیاں ۔ چونکہ عند الشرع کافرہ ہیں ۔ لہذا موحیدین مومنین کو ان کا نکاح میں لانا اور ان کے نکاح پر اقامت کرنا حرام ہوا ۔ تمام اہل حدیثوں کو اس سے بچنا چاہیے ۔
سستی بھائی بھابی کے اس فتویٰ پر غور کرو کہ یہ لوگ ہمیں کیا سمجھتے ہیں ۔

احادیث

اب سنو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں ۔

پہلی حدیث

بخاری مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُنْكَحُ الْمَرْءَةُ لِأَرْبَعٍ
لِبَنَاتِهَا وَلِحَسْبِهَا وَلِحَبَائِلِهَا وَلِدَيْنِهَا فَأَخْطَرُ بَنَاتِ الدِّينِ
تَرْبِيتُ يَدَاكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ ص ۲۵۶)

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے چار باتوں کے سبب نکاح کیا جاتا ہے ، ایک تو مال کے سبب (کہ عورت مالدار ہو تو اس کے مال کے لیے

لوگ اس کے نکاح کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ نکاح کرنے سے مال ملے گا یا اس کے خاندان کے سبب کہ اس کا خاندان اعلیٰ ہو تو اس کو نکاح کرنے والا اعلیٰ خاندان میں شمار ہوگا۔ یا اس کے حسن صورت کے سبب یا اس کے دیندار ہونے کے سبب اور تو (اے مسلمان) دیندار کو نکاح کر تیرے دونوں ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔

اس حدیث میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمادیا کہ اے مسلمانو! تمہارا مطمع نظر دین ہونا چاہیے۔ نہ مال کے لیے شادی کرو۔ نہ خاندان کے لیے نہ حسن و جمال پر فریقہ ہو۔ بلکہ دینداری دیکھو۔ جس عورت کا دین اچھا ہو۔ وہ بد صورت ہو۔ ادنیٰ خاندان کی ہو۔ غریب ہو پرواہ نہ کرو۔ اسی دیندار کے ساتھ نکاح کرو۔ اب وہابی اس حدیث میں غور کریں جن کے نزدیک حنفی دیندار نہیں اور حدیث میں حکم ہے کہ دیندار سے نکاح کرو۔ پھر وہابی حنفیوں سے رشتہ کس طرح کر سکتے ہیں۔

تائید

یہی ہزاری مولوی اسی پرچہ میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ بیدین عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں انتہی

دوسری حدیث

مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۹ میں بحوالہ ترمذی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے۔
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خُطِبَ إِلَيْكُمْ
مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ فَخُلِقَهُ فَرَجْوُهُ إِنْ لَا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ
نِئْشَةً فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْثٌ۔

کہا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم سے ایک شخص ناپہ مانگے جس کا دین اور خلق تمہیں پسند ہو۔ تو اس کو نکاح کر دو۔ یعنی ناپہ دیدو۔ اگر نہ کرو گے۔ تو زمین میں ایک فتنہ اور فساد پیدا ہوگا۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیش گوئی فرمادی کہ اگر تم ایسا نہ کرو گے۔ یعنی دین کا لحاظ نہ کرو گے۔ بلکہ مالدار یا کوئی اعلیٰ خاندان دیکھو گے تو فتنہ اور فساد ہوگا۔ میں کہتا ہوں۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن علی ذلک من الشاہدین کہ حضور علیہ السلام نے سچ فرمایا اور ہم ایسی رشتہ داری میں فتنہ و فساد دیکھ رہے ہیں۔

تیسری حدیث

ابن ماجہ میں عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے۔ کہا اس نے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

لَا تَزَوِّجُوا النِّسَاءَ الْحُسْنَىٰ فَعَسَىٰ حُسْنُهُنَّ أَنْ يَرْوِيَهُنَّ وَلَا تَزَوِّجُوهُنَّ لِأَمْوَالِهِنَّ فَعَسَىٰ أَمْوَالُهُنَّ أَنْ تَطْغِيَهُنَّ وَلَكِنْ تَزَوِّجُوهُنَّ عَلَى الدَّيْنِ وَلَا مَةَ خَرْمًا سَوْدَاءُ ذَاتِ دِينَ أَفْضَلُ۔

عورتوں کو خوبصورتی کے لیے نکاح نہ کرو قریب ہے کہ ان کا حسن ان کو ہلاک کر دے (یعنی بہ سبب خوبصورتی کے فخر اور غرور میں شوہر کو ذلیل و خوار سمجھے اور ہلاک ہوا اور مال کے لیے بھی نکاح نہ کرو۔ قریب ہے کہ ان کے مال ان کو سرکش کر دیں۔ لیکن تم دین کے لیے نکاح کرو کہ ایک لونڈی ناک کٹی سیاہ رنگ دیندار افضل ہے (مالدار اور خوبصورت بیدین سے)۔

اس حدیث میں بھی حضور علیہ السلام نے دیندار عورت کے ساتھ نکاح کرنے

ترغیب دی۔ ظاہر ہے وہابی ہم کو دیندار نہیں جانتے
 اگر وہابی کسی حنفی کے ساتھ ناطہ کالین دین کرے گا۔ تو اس حدیث کا مخالف
 ہوگا۔

چوتھی حدیث

بخاری مسلم میں ابو موسیٰؓ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم نے۔

مَثَدُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسُّودِ كَمَثَلِ الْمُسْلِكِ وَنَافِعِ الْكَبِيرِ
 فَحَامِلُ الْمُسْلِكِ أَمَّا أَنْ يُحْذِيكَ وَأَمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَ
 أَمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً وَنَافِعُ الْكَبِيرِ أَمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ
 وَأَمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً (مشکوٰۃ ص ۴۱۸)

اچھے بُرے ہم نشین کی کہاوت ایسی ہے۔ جیسے کتوری اٹھانے والا،
 اور دھونکنی پھونکنے والا۔ وہ مشک والا یا تو تجھے مفت دیدے گا۔ یا تو اس سے
 مول لے گا۔ اور کچھ نہیں تو خوشبو ضرور آئے گی اور دھونکنی والا تیرے کپڑے
 جلا دے گا۔ یا تجھے اس سے بدبو آئے گی۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بُرا ہم نشین دھونکنے والے کی
 مانند ہے۔ تجھے اس کی سیاہی نہ پہنچے۔ تو وہاں تو ملے گا۔ اس کو ابو داؤد و
 نسائی نے روایت کیا۔

معلوم ہوا کہ بُرے کی صحبت ضرور اثر کرے گی اور بیوی خاوند میں ہمیشہ کی
 صحبت ہے۔ پس ان دونوں میں سے جو بُرے فرقہ سے ہوگا۔ اس کا دوسرے
 کو اثر پہنچے گا۔ ایک حنفی عورت وہابی کے گھر جا کر اول تو پوری وہابن ہو جائے
 گی۔ اگر پوری نہ ہو تو بھی اس کو وہاں ضرور پہنچے گا۔ اور ان کی طرف داری کرے
 گی۔ حمایت کرے گی۔ مخالفت نہ کرے گی۔ اسی طرح وہابی عورت اگر حنفیوں

کے گھر آئے گی۔ تو پوری حقیقت تو امید نہیں کہ ہو جائے مگر کم از کم شوہر کی عزت اور محبت اس کے دل میں ہوگی اور اپنے وہابی اقربا کو اپنے شوہر کی مخالفت سے منع تو ضرور کرے گی۔ یہی وہ اثر ہے جس کا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پتہ دیا ہے پس حدیث کو سمجھتے ہوئے کوئی شخص کسی مخالفت فرقہ کے ساتھ ناطہ کا لین دین نہیں کر سکتا۔

پانچویں حدیث

مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَالُونَ كَذَّابُونَ يَأْتُونَكُم مِّنَ
الْأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ إِلَّا كُفٌّ
وَأَيَاهُمْ لَا يُضِلُّونَكُمْ وَلَا يَفْتِنُونَكُمْ۔

اخیر زمانہ میں جھوٹے دجال پیدا ہوں گے۔ وہ تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادوں نے پس تم اپنے آپ کو ان سے بچاؤ اور ان کو اپنے آپ سے بچاؤ۔ (تاکہ وہ تمہیں گمراہ نہ کریں۔ اور تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

اس حدیث میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیش گوئی فرمائی کہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ایسی حدیثیں سنائیں گے جو تمہارے باپ دادوں نے نہ سنی ہوں گی۔ ہم کہتے ہیں کہ حدیث کا مصداق وہابی لوگ ہیں اور وہابی کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مصداق حنفی ہیں۔ تو اب حنفی وہابی دونوں کو غور کرنا چاہیے کہ حضور علیہ السلام ایسے لوگوں سے بچنے کا حکم دیتے ہیں اور اس کی علت بھی بیان کرتے ہیں کہ (اگر نہ بچو گے) تو وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے اور فتنہ میں ڈال دیں گے تو کیا رشتہ دینے اور لینے میں اس حدیث کا خلاف ہوا یا نہ؟ بیشک ضرور خلاف ہوا کیوں کہ

حضور تو ان سے بچنے کا حکم فرماویں اور ہم رشتہ کر کے شیر و شکر ہو جائیں اب تم ہی انصاف سے بتاؤ کہ یہ عمل بالحدیث ہے یا کہ مخالفت حدیث؟

چھٹی حدیث

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لو كنت أمرا احدا ان يسجد لاحد لاهرت النساء ان
يسجدن لانا واجهن لنا جعل الله لهن عليهن من الحق
(الحديث رواه ابو داود)

اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ یہ سبب اس حق کے جو اللہ نے ان پر رکھا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے شوہر واجب التعظیم ہے اور بدعتی کی تعظیم حرام ہے۔ متعدد حدیثوں میں آیا ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے گرنے میں مدد کی۔ اس کو ابن عدی وابن عساکر نے روایت کیا۔ اب سوچنا چاہیے کہ شوہر اگر بدعتی ہوا اور بی بی نے اس کی تعظیم کی تو وہ گنہگار ہوئی۔ اسلام کی گرانے والی بی بی۔ اب وہابیوں کے خیال میں حنفی بدعتی ہیں پھر کیوں نا طہ دینے یا لینے میں اپنی بچیوں کو گنہگار اسلام کے ڈھانے والے بنائیں۔

ساتویں حدیث

دارقطنی میں ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

أَهْلُ الْبِدْعِ كِلَابٌ أَهْلُ النَّارِ

بدعتی دوزخیوں کے کتے ہیں۔ اس حدیث کو ابو حاتم خزانہ بھی روایت کیا۔

تاسد

یہ حصارنی صاحب تنظیم میں ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔
حدیث میں ہے۔

لایا کل طعامک الا تقی ولا تصاحب الا موہنا۔ یعنی کھانا بھی نیک
شخص کو کھلانا چاہیے اور مصاحبہ بھی مومن سی کی کرنی چاہیے۔
میں کتا ہوں یہ ناولیں حدیث ہے۔

فقہ شریف

درمختار ص ۱۶۸ میں ہے۔

و تعتبر فی العرب والعجم دیانة ای تقویٰ فلیس فاسق
کفو الصالحة۔

کفادۃ عرب و عجم میں دیانۃ معتبر ہے۔ یعنی تقویٰ کے لحاظ سے تو فاسق کسی
صالحہ عورت کا کفو نہیں ہو سکتا۔

اور بدعتی من حیث الاعتقاد فاسق ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بدعتی نیک عورت کا
کفو نہیں اور غیر کفو میں کوئی عورت نکاح کرے۔ تو مفتی بہ مذہب میں وہ نکاح
جائز نہیں۔

جیسے شرح وقایہ و دیگر کتب فقہ میں مذکور ہے۔ درمختار میں ہے۔

ولفتی فی غیر الکفو بعد ما رجوانہ اصلا و هو المختار للفتویٰ لفساد
الزمان۔

بالغہ عورت غیر کفو میں خود بخود نکاح کرے تو مفتی بہ مذہب میں جائز نہیں
اور اگر باپ اور دادا کے سوا اور کوئی ولی نکاح کر دے تو بھی جائز نہیں۔
چنانچہ درمختار میں ہے۔

وان كان المزوج غيرهما لا يصح النكاح من غير كفوا صلا
اگر باپ دادا ہی نکاح کر دیں اور وہ ایسے ہوں کہ اپنی ولایت سے کوئی
تزوج کسی غیر کفو سے کر چکے ہوں۔ تو بھی نکاح جائز نہیں۔
چنانچہ اسی درمختار میں ہے۔

وان عرف رهنهما (یعنی سوا اختیار) لا يصح النكاح اتفاقا
نقما علیہم الرحمۃ کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ وہابی حنفی کا کفو نہیں کیونکہ وہابی
من حیث الاعتقاد فاسق ہے اور فاسق صالحہ کا کفو نہیں۔ اور غیر کفو میں بالغہ بھی اپنی
مرعنی سے نکاح کرے تو درست نہیں اور نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں سوائے باپ دادا
کے کوئی دوسرا پڑھائے تو بھی درست نہیں۔ اگر باپ دادا کوئی نکاح غیر کفو میں اپنی
ولایت سے پڑھا چکے ہوں پھر یہ دوسرا پڑھائیں تو بھی درست نہیں اور اگر یہی پہلا
پڑھائیں اور کسی لالچ میں آکر لڑکی کی شفقت چھوڑ دیں۔ تو یہ نکاح تو ہو جائے گا۔
لیکن انہوں نے بڑا کیا جس کا خمیازہ دنیا میں یہ ہوا کہ آئندہ معزول ولایت ہو گئے
اور آخرت میں لالچ کی سزا بھگتیں گے۔

حضرت جناب پیر صاحب سرہ کا ارشاد

غنیہ الطالبین مطبوعہ تفتویٰ دہلوی کے ص ۱۹۶ میں پیر صاحب فرماتے ہیں۔
ولا یدانہم ولا یتسلم علیہم لان اماننا احمد بن حنبل
رحمۃ اللہ قال من سلو علی صاحب بدعة فقد احبہ
لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم افشوا السلام بینکموتحابوا
ولا یجالسہم ولا یقرب منہم ولا یہنیہم فی الاعیاد و
اوقات السرور ولا یصل علیہم اذ ماتوا ولا یترحم
علیہم اذ اذکر وابل یمانئہم ویعاد یہم فی اللہ عز وجل
معتقدا بطلان مذہب اہل بدعة محتسبا بذات اللہ

الثواب الجزیل ولاجر الکثیر۔

کوئی شخص بدعتیوں کے قریب بھی نہ جائے اور ان پر سلام نہ کہے۔ کیونکہ امام احمد فرماتے ہیں۔ جس نے بدعتیوں کو سلام کہا۔ اس نے ان کو دوست رکھا کیونکہ حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ آپس میں بکثرت سلام کہا کرو۔ کہ آپس میں محبت ہوتی ہے۔ یعنی سلام ذریعہ محبت ہے اور بدعتیوں کے پاس نہ بیٹھے نہ ان کے قریب ہو۔ نہ عیدین وغیرہ خوشی کے موقع پر ان کو مبارک دے۔ جب وہ مرجائیں تو ان کا جنازہ نہ پڑھے اور جب بدعتیوں کا ذکر ہو تو ان پر رحمت نہ بھیجے بلکہ ان سے دور رہے اور محض خدا کے لیے ان سے دشمنی رکھے۔ یہ جانتے ہوئے کہ ان کا مذہب باطل ہے اور اسی میں اجر کثیر اور ثواب کا طالب ہو۔

دیکھو یہ وہی پیر صاحب ہیں جن کو وہابی ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں آپ کس قدر اہل بدعت سے اظہار نفرت فرماتے ہیں۔ بدعتیوں کے ساتھ سلام کلام نشست برخاست منع کرتے ہیں۔ ان کا جنازہ پڑھنے سے روکتے ہیں۔ ان کی دشمنی میں اجر کثیر فرماتے ہیں۔ ثواب سوچنا چاہیے کہ رشتہ داری کرنے سے پیر صاحب کے اس حکم کی تعمیل ہو سکتی ہے؟ کیا جو رشتہ کرے گا وہ سلام کلام ترک کرے گا وہ نشست برخاست چھوڑ دے گا؟ کیا وہ ان کو برا سمجھے گا؟ ہرگز نہیں تو پیر صاحب کے حکم کی تعمیل اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ان سے کوئی رشتہ نہ کیا جائے اور یہی ہمارا مطلوب ہے۔ اور یہ ہم پیچھے بھی لکھ آئے ہیں کہ وہابی ہمیں بدعتی کہتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ پس خفیوں کو بدعتی سمجھتے ہوئے رشتہ داری کیسے ہو سکتی ہے۔

فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ کا ارشاد

حضرت فضیل بن عیاض کبار مشائخ سے تھے اور مرجع خلائق تھے۔ ریاضت اور کرامت میں شان عظیم رکھتے تھے۔ تقویٰ اور معرفت میں بے مثل تھے تذکرۃ اولیاء آپ فرماتے ہیں۔

من احب صاحب بدعة احبط الله عمله و اخر ج
نور الايمان من قلبه و اذا علم الله عز وجل انه مبغض
لصاحب بدعة رجوت الله تعالى ان يغفر ذنوبه وان قل
عمله و اذا رايت مبتدعا في طريق فخذ طريقا اخر -

(غنية الطالبين)

جو شخص بدعتی کو دوست رکھے اللہ تعالیٰ اس کے عمل پر باد کر دیتا ہے اور
اس کے دل سے ایمان کا نور نکال دیتا ہے اور حبیب اللہ جان لیتا ہے کہ فلاں شخص
بدعتی کو دشمن سمجھتا ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتا
ہے۔ اگرچہ اس کے عمل تھوڑے ہوں اور حبیب تو کسی بدعتی کو راستہ میں (آنا ہوا) دیکھے
تو وہ راستہ چھوڑ دے، دوسرا راستہ اختیار کرے۔

حضرت سفیان بن عیینہ کا ارشاد

سفیان بن عیینہ بڑے جلیل القدر محدث فقیہ گزرے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں -
من تبع جنازة مبتدع لم یزل فی سخط اللہ تعالیٰ حتی یرجع
کہ جو شخص کسی بدعتی کے جنازہ کے پیچھے جائے وہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی میں رہتا
ہے۔ اس وقت تک کہ واپس آوے۔
تو دیکھئے جو بدعتی سے رشتہ داری کا تعلق پیدا کرتا ہے کیا وہ ان کے جنازہ
وغیرہ میں شامل نہ ہوگا۔ اگر ہوگا تو اس قول کے مطابق خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا
موجب ہوگا۔

تانیہ

یہی حصار می تنظیم کے اسی پرچہ میں لکھتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے
بعض گمراہ فرقوں کے ذکر میں رسالہ خلق افعال العباد میں فرمایا ہے -

ولا یسلم علیہ ولا یعادون ولا یناکون ولا یشہدوا ولا
 یوکل ذبائحہم یعنی جہنمی اور رافضی کو سلام نہ کہے نہ بیمار پر سی کرے نہ
 مناکحت کرے نہ جنازہ پر حاضر ہو اور نہ ان کا ذبیحہ کھائے مسلمانو اگر
 جہنمی فرقہ معلوم کرنا ہو تو غزنویہ کی اربعین دیکھو۔

حافظ عبداللہ روپڑی مدیر اخبار تنظیم روپڑ کا فتویٰ

اخبار تنظیم ۲۰ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۳۶ء میں حافظ صاحب سے
 سوال ہوتا ہے کہ ایک عورت کا نکاح ایسے شخص سے ہو گیا ہے جو بریلوی مذہب کہتا
 ہے اور قبروں کا قائل ہے نماز روزہ کا بھی پابند نہیں اس سے کس طرح جدائی
 سکتی ہے حافظ صاحب جواب دیتے ہیں قرآن مجید میں ہے۔
 ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا یعنی مشرکوں کو نکاح نہ دو یہاں تک
 کہ ایمان لائیں۔

اس بنا پر سوال میں جس عورت کا ذکر ہے اس کا نکاح صحیح نہیں کیونکہ مرد کو
 قبوری بتلایا گیا ہے جو مشرک ہے پس شرعاً عورت کا اختیار ہے جہاں چاہیے کسی
 دیندار شخص کو ولی کر کے نکاح کرے۔ انتہی۔

یہ حافظ صاحب موجودہ اہل حدیثوں کے بڑے مسلم فاضل ہیں جس طرح ہمارے
 گاؤں کے دہابی ہم حنفیوں کو مشرک سمجھتے ہیں اسی طرح حافظ صاحب روپڑی بھی
 مشرک کہتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ عورت جو کہ بریلوی حنفی کی منکوحہ ہے اس کا نکاح صحیح
 نہیں یعنی بغیر طلاق حاصل کیے جہاں چاہے نکاح کر لے اب دہابیہ کو لازم ہے کہ اپنے
 اکابر کے فتویٰ پر عمل کریں اور یہ الزام کہ رشتہ داری سے مولوی محمد شریف منع کرتا ہے
 واپس لیں اور غور کریں کہ میں منع کرتا ہوں۔ یا ان کے اکابر بلکہ میں نے تو یہ فتویٰ نہیں
 دیا کہ اگر ایسا نکاح ہو جائے تو عورت بلا طلاق جہاں چاہے نکاح کرے میں کتا ہوں
 کہ ایسا نکاح نہیں کرنا چاہیے کہ موجب فتنہ و فساد ہے مگر دہابی سرے سے نکاح

ہی صحیح نہیں کہتے۔

مولوی ثناء اللہ ایڈیٹر المحدث کا فتویٰ

مولوی صاحب موجودہ المحدث بالخصوص ہمارے گاؤں کی المحدث جماعت کے سردار ہیں۔ ان سے سوال ہوا کہ ایک المحدث کی لڑکی کا شیعہ مرد سے نکاح کیا گیا ہے کیا یہ درست ہے۔ جواب میں فرماتے ہیں شیعہ مرد سے سنی موجدہ لڑکی کا نکاح نہ کرنا چاہیے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اس لڑکے سے لڑکی کا نکاح کر دے جس کو بحیثیت دین پسند کرتے ہو۔ (المحدث یکم جنوری ۱۹۳۷ء) دیکھو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جس لڑکے کو بحیثیت دین پسند کرتے ہو۔ اس سے لڑکی کا نکاح کر دے، یہی المحدث موجودہ کا سردار کہتا ہے۔ اب فریقین کو سوچنا چاہیے کہ کیوں ایسے لڑکے سے نکاح کیا جائے جس کے دین کو ہم پسند نہیں کرتے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور اپنے اپنے علماء کی بھی مخالفت لازم آئے گی۔ پس سمجھو اور عقل کرو۔ کیوں دنیا کے پیچھے دین تباہ کر رہے ہو۔

۱۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء کے پرچہ میں ایک عورت پوچھتی ہے کہ میں نماز روزہ کی پابند ہوں۔ قرآن پڑھتی ہوں۔ شرک و بدعت سے پرہیز کرتی ہوں۔ زید (جو میرا شوہر ہے) بیدین ہے۔ میرے والد نے بحالت نابالغی میرا نکاح کر دیا تھا۔ اب شرعاً کیا میں نکاح ثانی کر سکتی ہوں۔ سردار المحدث جواب دیتے ہیں جس عورت کا نکاح اس کے والدین نابالغی میں کر دیں۔ بلوغت کے بعد منکوحہ کو اختیار ہے کہ اس کا نکاح کو فسخ کر دے۔ دیکھئے۔ ایسا نکاح اگر ہو جاوے تو بھی مولوی ثناء اللہ اس کے فسخ کرانے کا حکم دیتے ہیں تو جس نکاح کو فسخ کرنا پڑے وہ پہلے ہی کیوں کر ایسا جائے۔

وہابیو! آؤ ہم تمہیں تمہارے سردار کا ایک خاص فتویٰ دکھائیں۔ اس فتویٰ کو غور سے دیکھو۔ اگر آپ کے پاس نہ ہو۔ تو ہمارے پاس آکر دیکھ لو۔ المحدث ۱۹۳۷ء کے ۱۳ میں لکھا ہے۔

سوال

حنفیوں کے یہاں اپنی لڑکی و لڑکے کی شادی کرنا جب کہ وہ لڑکیوں کو آئین
رفع یدین سے جبراً منع کرتے ہیں۔ بعض دل سے بُرا جانتے ہیں۔ اور تعزیر میں جہدہ بھی
دیتے ہیں۔ ان کے یہاں عام رشتہ داری کرنا جائز ہے یا نہیں (سردار صاحب اس کا
جواب دیتے ہیں)

جواب

حدیث میں ہے۔ جس کا دین اور دینی حالت اچھی دیکھو اس سے اپنی لڑکی
شادی کرو۔

کیا اب بھی حنفیوں سے رشتہ داری کرنے کی خواہش رکھو گے کیا میں نے
وہی نہیں کہا۔ جو مولوی شاد اللہ نے کہا کیا اب بھی آپ مجھے ہی طعن دیں گے کہ
یہی رشتہ داری بند کراتے ہیں۔ میں بھی یہی حدیث مناتا ہوں جو مولوی شاد اللہ نے
لکھی۔ اگر میرا اعتبار نہ ہو۔ تو اپنے سردار کا تو اعتبار کرو۔ اس کے کہنے پر تو اس حدیث
پر عمل کرو۔

دیوبند کے مفتی کا فتوے

سوال :- کیا فرماتے ہیں۔ علما دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے تئیں اجماعی کہتا
ہے اور آئین بالجہر رفع یدین کرتا ہے اور آئمہ اربعہ اور مجتہدین رحمۃ اللہ علیہ کو بُرا نہیں
کہتا۔ بلکہ ان کی عزت کرتا ہے۔ ایسے شخص سے شادی بیاہ وغیرہ احناف کر سکتے ہیں
یا نہیں اور ایسے شخص کو قوم میں شامل رکھ سکتے ہیں۔ یا نہیں دہلی میں بڑی قوم پنجابی
سو اگر وہ کی ہے۔ جس میں برابر شادی بیاہ ہو رہے ہیں اور آپس میں اتفاق قائم ہے
اور تمام جگہ اسی طرح ہو رہا ہے، اس باب میں عند الشرح جو کچھ فیصلہ ہو مدلل بیان

فرما کر عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں فقط ۔

الجواب :- اس زمانہ میں غیر مقلدین اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں اور عدم تقلید میں جو کچھ قبائح اور اس کی وجہ سے جس درجہ اختلافات ہو رہے ہیں ۔ وہ ظاہر ہیں علماء اور فقہاء اور محققین تصریح فرماتے ہیں کہ عوام کے لیے تقلید آئمہ ضروری ہے اور تقلید واحد منہم بھی اسی میں داخل ہے اور جو عالم درجہ اجتہاد کو نہ پہنچے وہ باعتبار وجوب تقلید اسی حکم میں ہے خلاصہ یہ کہ ترک تقلید جائز نہیں اور غیر مقلدین زمانہ باعتبار عقائد و اعمال کے جمہور اہلسنت و جماعت کے خلاف ہیں اور عدم تقلید اکثر باعث فتنہ و فساد اور باہمی اختلافات اور تنازعات و حسد و بغض کا سبب ہوتی ہے ۔ البتہ بعض غیر مقلدین ایسے بھی ہیں جو تعصبات سے خالی اور سوائے فروعی اختلافات کے کوئی اصولی اختلاف ان میں نہیں ہوتا و قلیل ماہر پس باعتبار اکثر افراد غیر مقلدین کے کہا جاسکتا ہے کہ ان سے حقیقوں کو علیحدہ رہنا چاہیے اور مناکحت وغیرہ ان سے نہ کی جائے کہ یہ فتنہ ہے ۔ جیسا کہ شاہد سے ظاہر ہے ۔ چونکہ اس بارہ میں بہت کچھ تصانیف ہو چکی ہیں اور طرفین سے رسالے اور اشتہار شائع ہو چکے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں اس لیے اس بارہ میں مزید تحریر کی ضرورت نہیں اور اس میں کچھ کلام نہیں کہ غیر مقلدین بھی اہل اسلام ہیں سے ہیں ۔ اس لیے حقیقوں کی مناکحت ان سے صحیح ہے ۔ یعنی نکاح ہو جائے گا ۔ لیکن کلام اس میں یہ ہے کہ اس باہمی مناکحت میں فتنہ و فساد اور خلاف مصلحت شریعت ہے یا نہیں ؟ سو حدیث شریف کا فیصلہ اس بارہ میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہوا کے ساتھ مجالست و مرواحات اور مناکحت وغیرہ امور سے منع فرمایا ہے ۔ پس جن کی عدم تقلید اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ وہ اہل ہوا میں ہو گئے اور سلف صالحین کو برا کہنے لگے اور آئمہ کو چھوڑ کر صحابہ تک کی توہین کرتے ہیں اور ان پر لعن طعن سے دریغ نہیں کرتے غیر مقلدین کے کی تصانیف سے ظاہر ہے تو ایسے غیر مقلدین سے تو لاریب حقیقوں کو بچنا چاہیے اور ان کی صحبت و مجالست و مناکحت سے احتراز کلی کرنا چاہیے اور اگر کوئی ایسا

نہ ہو۔ تو اس سے جواز مناکحت وغیرہ میں کلام نہیں۔ لیکن اس زمانہ میں ایسے لوگ
کیا اب اور نایاب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ولی التوفیق وھو ہادی الی سوا السبیل
والآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔ کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ
دیوبند ۱۹ ذیقعد ۱۳۳۸ھ۔ (منقول از اخبار محمدی ۱۵ جنوری ۱۹۲۶ء)

اس فتوے میں دیوبندی مفتی نے غیر مقلدین کو باعتبار عقائد و اعمال کے جمہور
الہدیت کے خلاف لکھا اور باعتبار اکثر افراد غیر مقلدین کے شادی بیاہ کرنے سے
منع کیا اور جن غیر مقلدین سے مناکحت کا جواز لکھا۔ ان کے متعلق تصریح کی کہ اس زمانہ
میں ایسے لوگ کیا اب و نایاب ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ مفتی صاحب نے بالکل صحیح لکھا
ہے ایسا غیر مقلد کسی اور جگہ ہو تو ممکن ہے مگر پاکستان میں ایسا ایک بھی نہیں۔ تو
اب ان لوگوں کو جو کہ دیوبندیوں کو خالص حنفی مانتے ہیں۔ دیوبندیوں کے اس فتویٰ
پر عمل کرنا چاہیے۔

علمائے پٹنہ کا فتوے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک
عورت سنیہ حنفیہ جس کا باپ بھی سنی حنفی ہے۔ اس کا نکاح ایک غیر مقلد و ہابی سے
کر دینا جائز ہے یا ممنوع؟ اس میں شرعاً گناہ ہو گا یا نہیں؟ تبنیوا و تو جروا۔ المستفتی
محمد خلیل اللہ خاں از ریاست رامپور و دولت خانہ جناب حکیم اجل خاں صاحب۔
الجواب:- نکاح مذکور ممنوع و ناجائز و گناہ ہے۔ غیر مقلدین زمان کے بہت
عقائد کفریہ و ضلالیہ کتاب جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد میں ان کی
تصانیف سے نقل کیے ہیں۔ ان کا گمراہ و بد مذہب ہونا بروجہ احسن ثابت کیا اور
حدیث ذکر کی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بد مذہبوں کی نسبت فرمایا۔
ولا تواکلواھم ولا تشاربوھم ولا تنکحوھم۔

یعنی ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ اور پانی نہ پیو اور شادی بیاہ نہ کرو۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی تفسیر سے نقل کیا کہ ہر کہ با بدعتیاں انس و دوستی
پیدا کند۔ نور ایمان و خلاوت آن از دوسے برگیرند۔ اور طحاوی حاشیہ در مختار سے
نقل کیا۔ من كان خارجا من هذه المذاهب الاربعة في ذلك
الزمان فهو من اهل البدعة والنار دجواس زمانہ میں ان چاروں مذہب
سے خارج ہو۔ وہ بدعتی اور دوزخی ہے۔ کثرت سے علمائے مشاہیر کی اس پر
مہریں ثبت ہیں۔ بالجملة اگر غیر مقلد عقیدہ کفریہ رکھتا ہو۔ تو اس سے نکاح محض باطل و
زنا ہے۔ کہ مسلمان عورت کا کافر سے نکاح اصلا صحیح نہیں اور اگر عقیدہ کفریہ نہ بھی
رکھتا ہو۔ تو بد مذہب سے مناکحت بحکم آیت و حدیث منع ہے۔

حدیث اوپر گزری اور آیت یہ ہے۔ ولا تدرکوا الی الذین ظلموا فتمسکم
النار نہ میل کرو۔ ظالموں کی طرف کہ تمہیں چھوے گی۔ آگ دوزخ کی زنا ظم صاحب
ندوہ نے اپنے فتوے عدم جواز نکاح سنیہ و شیعہ مطبوعہ مطبع نظامی میں اسی آیت
سے استدلال کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

الساظر الوازر

المعتصم بذیل سیدہ ومولاه امیر المومنین سیدنا الصدیق العتیق الحق
عبدالوحید غلام صدیق الحق الفردوسی العظیم آبادی عفاعنہ ربہ ذوالایادی۔
اصاب من اجاب۔ حافظ محمد فتح الدین پنجابی صدر مجلس اہلسنت پٹنہ مرشد آباد۔
هذا هو الحق الصریح وما سواه باطل قبیح۔ محمد امیر علی مرحوم سابق بیٹ
مولوی نادر مل سکول پٹنہ۔

علمائے بہار

مسلا و محمد او مصلیا اما بعد ما قالہ العلامة و افادہ
الفہامۃ حق صریح و محقق صحیح جدید بالاعتقاد و تحقیق

بالاستناد ودونہ خراط القتا ولا تنکرہ الا اهل البغی
والعناد والغی والفساد کتبہ خویدام الطلبة ابو الاصفیاء
محمد عبد الواحد خان رامپوری بہاری عفا عنہ الباری -
اس فتویٰ پر علامہ محمد یوسف بہاری مولانا ابوالبرکات اور سید محمد سلیمان اشراف
بہاری اور سیدناظر حسین بہاری کے دستخط موجود ہیں -
اسی طرح اعلیٰ حضرت تاج الفحول بدایونی مولانا عبد القادر مولانا عبد المقتدر و
مولانا محمد عبد القیوم بدایونی کے دستخط موجود ہیں یہ فتویٰ مطبوعہ ہمارے پاس موجود
ہے -

اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ کا فتویٰ

آپ نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ازالۃ العار
بجھراکر ائمہ عن کلاب النار ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل دیکھنا ہو۔ تو یہ
رسالہ بریلی شریف سے منگوا کر دیکھو -

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا ارشاد

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کو وصیت کی اور فرمایا
ولا تجالس احدا من اهل الاہواء - یعنی کسی اہل ہوا کے
ساتھ مجالست نہ کر -
دیکھو - اشباہ والنظائر ص ۶۵۴ -

امام اعظم رحمۃ اللہ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ اہل ہوا کی ہم نشینی سے
بچنا چاہیے اور ظاہر ہے کہ نکاح میں زوجین کی ہم نشینی اور مصاحبت اور مجالست
لازمی ہے تو ثابت ہوا کہ اہل ہوا (یعنی بدعتیوں) کے ساتھ رشتہ داری کا
تعلق پیدا کرنا امام صاحب کے نزدیک بھی مناسب نہیں۔ پس جو لوگ

مسائل منصوصہ کے لیے بھی قول امام کا مطلب الہ کرتے ہیں۔ وہ اس کو پڑھ کر عمل کی کوشش کریں۔

ہم نے قرآن بھی لکھ دیا۔ حدیث بھی لکھ دی۔ بزرگان دین کا ارشاد بھی لکھ دیا۔ انیسیر میں امام صاحب کا فرمان بھی لکھ دیا۔ اب ماننا نہ ماننا تمہارا اختیار ہے۔

وما علینا الا البلاغ

—

قطبِ بانی شاہِ مبارکِ لامکانی

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشادات

آغاز

موجودہ دور کے مدعیان عمل بالحدیث کہتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے موافق نماز پڑھنا چاہیے۔ چنانچہ وہ آئین بالجہر، رفع یدین اور وضع یدین کے متعلق پیر صاحب کا حوالہ دیتے ہیں کہ آپ کا عمل ان پر تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلی تھے، انہوں نے اپنے امام کی تقلید کرتے ہوئے مندرجہ بالا امور پر عمل کیا۔ ہم حنبلی نہیں حنفی ہیں اس لیے ہم پر یہ حجت نہیں ہے۔ البتہ وہ لوگ جو پیر صاحب کو غیر مقلد سمجھتے ہیں، ان کے لیے ہم پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے چند ارشادات درج کر رہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اگر وہ پیر صاحب کے واقعی سچے معتقد ہیں تو ان کے وہ ارشادات ضرور تسلیم کریں گے جنہیں ہم بیان کر رہے ہیں۔

وہو الموفق للصواب

فقیر البویوسف محمد شریف

ارشاد نمبر ۱

پیر صاحب نے نماز میں زبان سے نیت کرنا احسن لکھا ہے۔
چنانچہ غنیۃ الطالبین مرتضوی ص ۸۶۴ میں فرماتے ہیں۔

وان تلفظ بلسانہ کان احسن

اگر (نیت) کا تلفظ زبان سے کرے تو احسن ہے۔

وضو اور تیمم کی نیت کے بارہ میں فرماتے ہیں:

فان ذکر ذلك بلسانہ مع اعتقادہ بقلبه کان

قد اتى بالفضل۔

دل سے اعتقاد رکھتے ہوئے اگر وہ زبان سے بھی نیت کرے تو زیادہ

ثواب ہے۔

پھر غسل کی نیت میں فرماتے ہیں۔

فان تلفظ به مع اعتقادہ بقلبه کان افضل

دل سے اعتقاد رکھتے ہوئے اگر زبان سے تلفظ کرے تو افضل ہے۔

اب فرمائیے! کہ کس کی نماز حضرت غوث پاک کی تعلیم کے موافق ہے؟ ہم

لوگ زبان سے نیت کرنا افضل اور احسن کہتے ہیں اور یہی ارشاد ہے حضرت غوث

پاک کا۔ مگر آپ ہیں کہ زبان کی نیت کو بدعت کہتے ہیں۔ اب آپ ہی انصاف

کیجئے کہ پیر صاحب کے موافق کون ہیں؟

ارشاد نمبر ۲

پیر صاحب نے غنیۃ الطالبین میں گردن کا مسح سنتوں میں لکھا ہے۔

(دیکھئے غنیۃ ص ۸)

اور آپ ہیں جو اس کو بدعت کہتے ہیں۔ آپ فرمائیے کہ پیر صاحب کے

ارشاد کے موافق کون ہیں؟ یہ بھی یاد رہے کہ بدعت کو سنت جانے والا کون ہوتا ہے اور سنت کو بدعت کہنے والا کون؟ ذرا سوچ سمجھ کر جواب دیجئے گا۔

ارشاد نمبر ۳

پیر صاحب غنیۃ ص ۳۱ میں فرماتے ہیں کہ زائر قبر شریف یوں دعا کرے۔

اللهم انی اتوجه الیک بنیک علیہ سلامک نبی الرحمة
یا رسول اللہ انی اتوجه بک الی ربی لیغفر لی ذنوبی۔

اے اللہ میں بوسیلتہ تیرے نبی کے جو کہ نبی رحمت ہیں، تیری طرف متوجہ ہوں یا رسول اللہ! میں آپ کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میرے گناہ بخش دے۔

دیکھئے! حضرت غوث اعظم رسول پاک کی وفات کے بعد ہمیں یا رسول اللہ! پکارنے کی تعلیم فرما رہے ہیں۔ یہ بھی سکھا رہے ہیں کہ حضور کے وسیلہ سے دعا مانگی جائے۔ لیکن آپ ہیں جو اس کو شرک کہتے ہیں۔ اب فرمائیے کہ پیر صاحب ہمارے موافق ہوئے یا آپ کے؟

ارشاد نمبر ۴

غنیۃ مرتضوی کے ص ۳۷ میں پیر صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اس طرح کہے:

السلام علیکم یا صاحبی رسول اللہ ورحمة اللہ وبرکاتہ

السلام علیک یا ابابکر الصدیق السلام علیک یا عمر الفاروق۔

اے رسول کے دونوں ساتھیو! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکات

ہوں۔ اے ابو بکر صدیق! آپ پر سلام اے عمر فاروق! آپ پر سلام۔

دیکھئے! پیر صاحب نے بلفظ یا مخاطب کر کے سلام کہنا درست لکھا ہے۔

کیا آپ اس کے موافق ہیں؟ اگر آپ نہیں تو پھر کون موافق ہے؟ وہی جن لوگوں کو آپ مشرک کہتے ہیں!

ارشاد نمبر ۵

غنیۃ ص ۳۶ میں پیر صاحب نے قیام تعظیمی مستحب لکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:
و یستحب القیام للامام العادل والوالدین و اهل الدین
والورع و اکرم الناس -

بادشاہ عادل، والدین، ویندار، پر میزگار اور کریم لوگوں کے لیے قیام مستحب ہے۔

یعنی ان میں سے کوئی آجائے تو تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے۔ یہ ہے حضرت پیر صاحب کی تعلیم۔ لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو اس قیام کو جائز نہیں سمجھتے پھر انصاف فرمائیے کہ وہ لوگ پیر صاحب کے موافق ہیں یا مخالف؟

ارشاد نمبر ۶

پیر صاحب جمعہ کے لیے ایسا گاؤں شرط صحت جمعہ لکھتے ہیں جس میں کم از کم چالیس آدمی عاقل بالغ احرار رہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

فکل من لزمتہ الصلوات الخمس یلزمہ فرض الجمعة اذا
کان مستوطناً مقیماً ببلد وقریة جامعة فیہا اربعین رجلاً
عقلاً وبلغاً وحراراً۔

جس پر پانچ نمازیں فرض ہیں اس پر جمعہ بھی لازم ہے جب وہ وطن میں مقیم ہو۔ شہر میں یا ایسے گاؤں میں جس میں چالیس آدمی عاقل بالغ احرار ہوں۔

لیکن موجودہ اہل حدیث ہر جگہ فرض کہتے ہیں۔ چالیس آدمی کی شرط نہیں مانتے

تو بتائیے کہ پھر وہ امام صاحب کے مخالف ہیں یا نہیں؟

ارشاد نمبر ۷

پیر صاحب نے غنیۃ میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی مر جائے اور تم اس پر مٹی برابر کر دو تو چاہیے کہ تم میں سے ایک اس کی قبر پر کھڑا ہو اور کہے اے فلاں ابنِ فلاں، تحقیق وہ مردہ سنتا ہے اور جواب نہیں دیتا۔

دیکھئے! کہ پیر صاحب تو سماعِ موتی کے قائل ہیں۔ لیکن آج کل کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے۔ تو پھر وہ لوگ پیر صاحب کے مخالف ہوئے نہ کہ موافق۔

ارشاد نمبر ۸

غنیۃ ص ۹۵۴ میں پیر صاحب فرضِ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز لکھتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

فالراجح من یرفع یدایہ بالدعاء الی اللہ اذا فرغ من صلوۃ المكتوبة والخاسر هو الذی خرج من المسجد بلا دعاء۔

نفع اٹھانے والا وہ ہے جس نے نماز فرض سے فارغ ہو کر دعا کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ اٹھائے اور نقصان اٹھانے والا وہ ہے جو دعا کے بغیر مسجد سے نکل گیا۔

یہ پیر صاحب کا ارشاد ہے۔ لیکن حضرات غیر مقلدین اسے بے ثبوت جانتے ہیں۔ دیکھئے! کون اس ارشاد پر عمل کرتا ہے اور کون اس کا مخالف ہے؟

ارشاد نمبر ۹

پیر صاحب غنیۃ میں فرماتے ہیں :

نومن بان المیت یعرف من تزورہ اذا اتاہ
ہمارا ایمان ہے کہ میت کے پاس جب کوئی زائر آئے تو وہ اسے
پہچانتی ہے۔

یہ ہے پیر صاحب کا ارشاد ! لیکن غیر مقلدین نہیں مانتے۔

ارشاد نمبر ۱۰

حضرت پیر صاحب فرماتے ہیں :-

واہل السنۃ یعتقدون ان اللہ یجلس برسولہ ونبیہ
المختار علی سائر رسلہ وانبیائہ معہ علی العرش یوم
القیامۃ۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء سے بالا، اللہ تعالیٰ اپنے
رسول مختار کو قیامت کے روز اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔
ملاحظہ فرمائیے ! غوثِ پاک کا ارشاد۔ فرمائیے ! کیا آپ بھی یہ مانتے ہیں۔
ہرگز امید نہیں۔ یہ بھی خیال فرمائیے کہ غوثِ پاک حضور کو مختار فرما رہے ہیں۔
یہ عقیدہ تو آپ کے ہاں از قبیل شرک ہے۔ تو فرمائیے کہ غوثِ پاک کے ارشادات
کے موافق کون لوگ ہیں اور مخالف کون ؟

ارشاد نمبر ۱۱

حضرت پیر صاحب غنیۃ ص ۱۵۹ میں فرماتے ہیں :-

و نومن بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی ربہ عز وجل

لیلۃ الاسری یعنی اسے لا بفوادیہ ولا فی المنام
 ہمارا ایمان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اپنے
 رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ نہ کہ دل سے یا خواب میں۔
 فرمائیے! کیا آپ کا بھی یہ ایمان ہے؟ لیکن امید نہیں کہ ہو۔ اگر ہے تو الحمد للہ
 اگر نہیں تو فرمائیے کہ غوثِ پاک کے ارشادات کے مخالف ہم ہیں یا آپ؟

ارشاد نمبر ۱۲

غنیۃ الطالبین کے ص ۸۷ میں حضرت پیران پیر دعائے مانگتے ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ
 ان کو از روئے اعتقاد و عمل امام احمد بن حنبل کے مذہب پر مارے اور ان کے گروہ
 میں شکر کرے۔ آپ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے!

قال الامام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی

واما اتنا اللہ علی مذہبہ اصلا و فرعا و احشانا فی نہارتہ

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت پیران پیر قدس سرہ حنبلی تھے۔ اکابر اہل حدیث
 نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ حضرت غوثِ پاک حنبلی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ
 نے امام احمد کے مذہب کے اتباع میں جمعہ کی نماز کا وقت قبل از زوال لکھا ہے۔
 اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے امام کے مذہب کے لحاظ سے آمین بالجہر اور رفع یدین
 لکھا ہے۔ لہذا مقلد ہونے میں غوثِ پاک ہمارے موافق ہیں۔ وہ امام احمد کے مقلد
 ہیں اور ہم امام اعظم کے۔

حضرت پیران پیر اپنے امام کی تقلید میں جو مسئلہ لکھتے ہیں وہ ہم پر حجت نہیں
 ہے اگر آپ کو پیر صاحب کے رفع یدین اور آمین بالجہر کا اتباع ہے تو تقلید میں بھی
 ان کا اتباع کرو۔ امام اعظم کی تقلید اگر ناگوار ہے تو نہ سہی امام احمد بن حنبل ہی کی
 تقلید کرو۔ لیکن اس کی امید نہیں ہے تو پھر فرمائیے کہ پیر صاحب کے
 مخالف کون ہیں اور موافق کون؟

ارشاد نمبر ۱۳

پیر صاحب غنیۃ ص ۱۷۳ میں فرماتے ہیں:

اما اذا كان الشئ مما اختلف الفقهاء فيه وساغ فيه الاجتهاد كشراب عامي النبيذ مقلدا لابي حنيفة وتزوج امرأة بلا ولي على ما عرفت من مذاهبهم لم يمكن لاحد ممن هو على مذهب الامام احمد والشافعي الانكار عليه جس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے جیسے ایک شخص امام اعظم کا مقلد ہو کر عاقلہ بالغہ کا نکاح بغیر ولی کرنا ہے یا بیذمیتا ہے تو امام احمد اور شافعی کے مقلد کو اس پر انکار جائز نہیں۔

دیکھئے کہ امام اعظم کے مقلد کو اپنے امام کی تقلید سے روکنے سے منع کیا جا رہا ہے اگر غوث پاک کے نزدیک اماموں کی تقلید ناجائز ہوتی تو ایسا کیوں لکھتے؟ معلوم ہوا کہ پیران پر مقلد کے لیے تقلید امام صحیح اور حق جانتے تھے۔ اب آپ فرمائیے کہ آپ کا کیا خیال ہے؟ امام اعظم سے تو آپ کو نہ جانے کیوں چڑھے؟ تو فرمائیے کہ حضرت پیر صاحب کے موافق کون ہے اور مخالف کون؟

ارشاد نمبر ۱۴

غنیۃ کے ص ۸۷ میں حضرت پیران پر ایک حدیث لکھتے ہیں جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ امام جب تکبیر کہے تو تکبیر کہو، جب پڑھے تو چپ رہو۔ اور جب غیر المعضوب علیہم ولا الضالین کہے تو آمین کہو۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ اذ اکبر الامام فکبروا و اذا قرء فانصتوا و اذا قال غیر المعضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر کے بعد امام الحمد پڑھے تو مقتدی خاموش رہے

امام جب ولا الضالین کے تو مقتدی آمین کے۔

اگر خاموش رہنا بوقت صبح سورہ ہوتا تو فقو لہ آمین کے بعد آتا یہ حکم ولا الضالین پڑھنے سے پہلے آیا ہے۔ اس لیے مقتدی کا خاموش رہنا پیر صاحب کے نزدیک لازم ہوا۔ حضرت پیر صاحب امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے اور امام احمد بن حنبل قرآن سورہ فاتحہ کو نماز میں فرض قرار نہیں دیتے۔ ملاحظہ ہو جامع ترمذی۔
اب فرمائیے کہ پیر صاحب کے موافق کون ہیں اور مخالف کون؟

ارشاد نمبر ۱۵

حضرت غوث پاک غنیۃ ص ۱۰۵ میں فرماتے ہیں :

و یقرء احدی عشر مرۃ قل هو اللہ احد وغیرہا من القرآن
ویہدی ثواب ذالک لصاحب القبر۔

گیارہ مرتبہ قل شریف اور کچھ قرآن پڑھ کر اس کا ثواب صاحب قبر کو بھیجے۔

دیکھئے! حضرت پیر صاحب تو ایصالِ ثواب کی تعلیم دے رہے ہیں اور آپ کے نزدیک مردہ کو ثواب نہیں پہنچتا۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیے اخبار اہل حدیث :
محدثین کے نزدیک قرآن کا ثواب مردہ کو نہیں پہنچتا۔

اخبار اہل حدیث ۶ جولائی ۲۸ء، ۱۱ اگست ۲۸ء اور ۲۹ مارچ ۲۹ء
اب فرمائیے کہ حضرت غوث پاک کے ارشادات کے مخالف کون ہیں
اور موافق کون؟

ارشاد نمبر ۱۶

پیر صاحب غنیۃ ص ۵۶ میں فرماتے ہیں۔
وہی عشرون رکعۃ۔

اور وہ (نماز تراویح) میں رکعت ہے۔
لیکن آپ ہیں کہ بیس رکعت تراویح نہیں مانتے۔

ارشاد نمبر ۱۷

حضرت پیر صاحب غنیۃ ۹۷۷ میں خدا کے مقبولین کے ذکر میں فرماتے ہیں:
فیکون من ائمناء اللہ وشہدائہ وافتاداراضہ وشحن
عبادہ وبلاوہ واحبائہ واخلائہ

وہ شخص اللہ کے امینوں سے ہو جاتا ہے اور اس کے گواہوں سے
اور اس کی زمین کے افتاد سے اور اس کے محبوبوں سے۔
اسی مضمون کو آپ نے فتوح الغیب کے چوتھے مقالہ میں ذکر کیا ہے:
فتكون شحنة البلاد و لعباد

یہ ہے پیر صاحب کا ارشاد: کیا آپ بھی مقبولانِ بارگاہِ الہی کو شحنة البلاد
والعباد سمجھتے ہیں؟ یا الیاء کنا آپ کے نزدیک شرک ہے تو معاذ اللہ پھر آپ
کے نادک سے تو غوثِ پاک بھی محفوظ نہیں رہتے۔ وہی غوثِ پاک جن کی
آمین بالجہر اور رفع یدین کو آپ بطور ایک سند کے پیش کرتے ہیں۔

ارشاد نمبر ۱۸

پیر صاحب فتوح الغیب میں فرماتے ہیں:
بک تنكشف الكروب وبك تسقى الغیوث وبك تنبت الزروع
وبك یدفع البلاد والمحن عن الخاص والعام۔
تیرے وسیلہ سے سختیاں دور ہوں گی، تیری طفیل مینہ برسے گی،
تیرے ذراعتیں ہوں گی اور تیرے ذریعہ سے خاص و عام کی بلائیں
دور ہوں گی۔

کیا آپ لوگوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جو غوثِ پاک ارشاد فرما رہے ہیں۔

ارشاد نمبر ۱۹

فتوح الغیب کے تیرھویں مقالہ میں حضرت پیر صاحب فرماتے ہیں:
قال الله في بعض كتبه يا ابن آدم انا الله لا اله الا انا
اقول للشيء كن فيكون اطعني اجعلك تقول للشيء
كن فيكون -

اے ابن آدم! میں اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے جب
میں کسی چیز کو کہتا ہوں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے تو میرا فرمانبردار
ہو تو میں تجھے بھی ایسا کر دوں گا کہ تو بھی کسی شے کو کہے ہو جا تو وہ ہو
جایا کرے گی۔

حضرت غوثِ پاک کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ خاصانِ خدا اور مقبولانِ
بارگاہِ کوکبین میں بھی دخل ہوتا ہے۔ کیا آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے؟ اگر نہیں تو پھر
آپ پیر صاحب کے مخالف ہوئے یا موافق؟

ارشاد نمبر ۲۰

غنیۃ ص ۹۹ میں پیر صاحب فرماتے ہیں:

فلا بد لكل مرید لله عن وجل من شيخ على ما بينا

ہر مریدِ الہی کے لیے شیخِ دہیرا ہونا لازمی ہے۔

اب فرمائیے کہ موجودہ اہل حدیث کھلانے والے احباب کس

پیر کے مرید ہیں۔

حرفِ آخر

یہ ہیں پیرانِ پیر حضرت غوثِ پاک رحمۃ اللہ علیہ کے چند ارشادات۔ اگر
 پیر صاحب کسی امام کے مقلد نہ تھے تو لا محالہ مجتہدِ محدث تو ضرور ہوں گے۔ پھر
 ان کا ہر قول مقلدانہ نہیں بلکہ محدثانہ ہوگا۔ اس لیے ہر ایک اہل حدیث کملانے
 والے کو ان اقوال کی قدر کرنا چاہیے۔

مولوی وحید الزمان

کے

چند اقوال

تعارف

مولوی وحید الزمان موجودہ جماعت اہل حدیث میں ایک بلند پایہ عالم ہوئے ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کر کے اس پر فوائد لکھے۔ صحاح کا ترجمہ کیا اور فوائد میں اپنے مذہب کی تقویت کی۔ عام اردو خواں ان تراجم کو پڑھ کر اس جماعت میں داخل ہوئے۔

۲۴ ستمبر ۱۹۲۱ء کے اخبار اہل حدیث میں، ان کا ذکر موجود ہے۔ پہلے حنفی تھے اور ان کے والد ماجد بھی حنفی تھے۔ نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ انہی کی تالیف ہے۔ ان کے بڑے بھائی بدیع الزمان موجودہ مدعیان عمل بالحدیث کی جماعت میں تھے۔ جن کے اثر سے انہوں نے حنفی مذہب ترک کیا۔ ادھر نواب صدیق حسن خاں بھوپالوی نے ان کی تنخواہ مقرر کر دی کہ صحاح کا ترجمہ کریں۔

مولوی وحید الزمان نے اپنی تالیفات میں چند اقوال ایسے لکھے ہیں جن پر اگر موجودہ اہل حدیث عمل کریں تو یقیناً بہت سے جھگڑائے مٹ جائیں۔ ذیل میں ہم چند اقوال درج کر رہے ہیں امید ہے کہ حضرات غیر مقلدین ان پر غور فرمائیں گے۔

»————«

پہلا قول

ہدیۃ المہدی جلد اول کے صفحہ ۱۱۸ میں لکھتے ہیں۔
 امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مسلمان پر واجب ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں۔
 ولا يجوز الانكار على امور مختلفة فيها بين العلماء
 ایسے امور پر انکار جائز نہیں جو علماء میں مختلف فیہ ہوں۔
 پھر اس کی مثال میں لکھتے ہیں۔

كفسل الرجل ومسحه في الوضوء والتوسل بالأموات في الدعاء
 والدعاء من الله عند قبور الأولياء والأنبياء وارسال الیہین
 فی الصلوٰۃ ووطی الانواح والاعاء فی الدابر والمتعة والجمع بین
 الصلواتین واللعب بالشرطیخ والغناء والمزامیر والفاتحہ الموسومہ
 ومجلس المیلاد۔

جیسے وضو میں پاؤں کا دھونا اور مسح کرنا، دُعائیں مردوں کے ساتھ وسیلہ
 پکڑنا، اولیاء و انبیاء کی قبور پر اللہ سے دعا مانگنا، نمازیں ہاتھوں کا چھوڑنا، بیویوں اور
 لوندلیوں کے ساتھ دیر میں وطی کرنا۔ متعہ۔ دو نمازوں کا جمع کرنا، شرطیخ کھیلنا، گانا
 بجانا، رسمی فاتحہ اور مجلس میلاد۔

میں کہتا ہوں

اگر موجودہ مدعیان عمل بالحدیث ایسے امور پر انکار نہ کریں جن میں علماء مختلف
 ہوں تو آج ہی کئی تنازعات ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت پیر شیخ عبد القادر
 جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ الطالبین مطبوعہ مرتضوی دہلی کے ص ۱۴۲ میں فرماتے ہیں۔

اما اذا كان الشئ مما اختلف الفقهاء فيها وساغ فيه الاجتهاد

كشرب عامی النبیز مقلد الابی حنیفة وقتی ورج امرأۃ بلاولی

علی ما عرفت من مذہبہ لویکن لاحد ممن هو علی مذہب

الامام احمد والشافعی الانکار علیہ -

اگر ایسی چیز ہو جس میں فقہاء مختلف ہیں اور اس میں اجتہاد کی گنجائش ہو جیسا کہ عامی امام ابو حنیفہ کا مقلد ہو کر بنید تم پیٹے یا عورت بلا ولی نکاح کرے تو امام احمد اور امام شافعی کے مقلدین کو انکار کا حق نہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت پیر صاحب کے نزدیک امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق عمل کرنے والے پر کسی دوسرے مذہب والے کو انکار جائز نہیں۔ اس قول پر عمل کرنے سے کئی جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔

دوسرا قول

مولوی وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے انبیاء و اولیاء کی قبور سے فیوض و برکات اور لُزائذ قلبیہ حاصل کرنے سے انکار کیا ہے۔ حالاں کہ متاخرین میں سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز اور سید احمد اور متقدمین میں سے امام شافعی اور ابن حجر مکی کے علاوہ تمام صوفیہ علیہ الرحمۃ نے اس کا اثبات کیا ہے، صوفیائے کرام سب کے رب متفق ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مشاہدہ اور تجربہ ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔

شیخ ابن حجر نے قلائد میں روایت کیا ہے کہ امام شافعی، امام اعظم کی قبر کے ساتھ برکت حاصل کرتے تھے۔ وہ امام اعظم کی قبر پر دُعا مانگتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کی دُعا قبول فرمالیتا تھا۔

ہدیۃ المہدی ج اول ص ۲۲-۲۳ میں وحید الزمان لکھتے ہیں۔

قلت اذا ثبت السماع والادراك للموتى فائى مانع يمنع منه

شيئا اذا جربه كثير من الاولياء بحيث لا يحصى عدد هم

ولا يجوز للعقل تكذيبهم ومع ذلك الا حوط الاقتصار على

الزيارة السنية وترك الانكار -

میں کہتا ہوں کہ جب مردوں کے لیے سماع و ادراک ثابت ہے تو کونسا مانع ہے جو منع کرے بالخصوص جب کہ بہت سے اولیائے کرام نے اس کا تجربہ کیا جس کا شمار نہیں ہو سکتا اور عقل ان کی تکذیب نہیں کر سکتی۔ ہاں! احتیاط یہ ہے کہ زیارت سنیہ پر اقتصار کرے اور فیض پانے والے زائرین پر انکار نہ کرے۔
میں کہتا ہوں

اس قول پر بھی اگر مدعیان عمل بالحدیث عمل کریں اور زائرین پر انکار نہ کریں تو یقین ہے کہ یہ لوگ بھی بزرگان دین کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ بزرگان دین کے مزارات پر عاضری کو جھٹ یہ لوگ شرک سے تعبیر کرتے ہیں اور بات بات پر مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے مولوی وحید الزمان کے قول ترک انکار پر عمل کریں تو مسلمانوں کے درمیان منافرت ختم ہو جائے۔

تیسرا قول

مولوی وحید الزمان، ہدیۃ المہدی جلد اول کے صفحہ ۱۱۶ میں بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

البدعة الشرعية هي الامر الحادث بعد القراءن الثلاثة المشهور لهم بالخير لم يدا ل عليه دليل من الكتاب والسنة ولم يدا خل تحت عمومها بل كان في خلاف ما امر الله به
در سولہ۔

بدعت شرعیہ دین میں ایک نوپیدا امر ہے جو قرآن ثلاثہ کے بعد حادث ہو اور قرآن و سنت سے اس پر کوئی دلیل نہ ہو اور نہ وہ قرآن و حدیث کے عموم کے تحت داخل ہو بلکہ اللہ اور رسول کے امر کے خلاف ہو۔
پھر صفحہ ۱۱۷ میں لکھتے ہیں۔

قال شيخنا ابن الاثير الجوزي البدعة بدعتان بدعة هداى
وبدعة ضلال فما كان في خلاف ما امر الله به ورسوله
فهو في حيز الذم والانكار وما كان واقعا تحت عموم ما ندب
الله اليه وحض عليه الله ورسوله فهو في حيز المداح ولولو
يكن له مثال موجود وعلى الاول يحمل الحديث الآخر كل محدثة
بدعة انما يريد ما خالف اصول الشريعة ولو يوافق السنة -

ہمارے شیخ ابن اثیر جوڑی فرماتے ہیں کہ بدعت دو قسم کی ہے، ایک بدعت
ہدایت دوسری گمراہی پس جو اللہ و رسول کے حکم کے خلاف ہو تو وہ بدعت مذمومہ
ہے اور جو چیز اس عموم کے ماتحت ہو جس کو اللہ نے پسند فرمایا اور اس پر رغبت
دلانی تو وہ چیز مدح میں ہے اگرچہ اس کی مثال موجود نہ ہو اور حدیث کل محدثۃ ضلالہ
پہلی قسم پر محمول ہے یعنی جو کہ اصول شریعت کے خلاف ہو اور سنت کے موافق نہ ہو۔
اپنے قول کی تائید میں مولوی وحید الزمان صاحب نزل الابرار جلد ۲ کے صفحہ ۴
میں لکھتے ہیں کہ احداث فی الدین بدعت ثنیۃ محرّمہ ہے۔

الا اذا كان لها اصل من الشرع اودخلت في عمومات النصوص
المحرّضة عليها -

اس نئے کام کی شریعت میں کچھ اصل ہو یا وہ نصوصات کے عمومات
میں داخل ہو تو وہ بدعت محرّمہ مذمومہ نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں

اگر آج کل کے مدعیان عمل بالحدیث مولوی وحید الزمان کے قول کو مان
لیں اور بات بات پر بدعت بدعت کا فتویٰ نہ دیں تو اختلافات کا بہت سا
حصہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے کسی بڑے عالم کے
قول کو بھی نہیں مانتے بلکہ عجوبہ عجاب کل ذی رای بدایۃ اپنی اپنی رائے پر
ایسے جھے ہوئے ہیں کہ جھبٹ دوسروں پر بدعت کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم بھی بدعت کو برا سمجھتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہر بدعت (شرعی) گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔ اگر اختلاف ہے تو صرف اس بات میں کہ بدعت کتنے کس کو ہیں؟ اور بدعت ہے کیا چیز؟ بدعت جو تعریف یہ لوگ کرتے ہیں اسے ہم نہیں مانتے اور جو تعریف ہم کرتے ہیں اسے یہ لوگ نہیں مانتے۔ ہمیں یہ حکم نہیں ہے کہ بدعت کی جو تعریف یہ لوگ کریں اسے ضرور مانو۔ ہم ان کی سمجھ کی مخالفت کرتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی مخالفت نہیں کرتے۔ لیکن یہ لوگ ہمیں اس لیے بدعتی کہتے ہیں کہ ہم ان کے بیان کردہ معانی کو صحیح نہیں سمجھتے ہاں اگر یہ لوگ کوئی آیت یا حدیث اپنے بیان کردہ معانی کی صحت پر پیش کرتے تو بات بقی۔ مگر بعد اللہ کوئی ایسی روایت پیش نہیں کر سکتے جس سے ان کے بیان کردہ معانی کی صحت ثابت ہو۔ اس پر طرہ یہ کہ ان کے علماء بھی بدعت کی تعریف میں مختلف ہیں کوئی کہتا ہے کہ بدعت وہ ہے جو تین قرونوں کے بعد یعنی صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے بعد امر حادث ہو۔ یہ قول حافظ محمد لکھو کی والدہ نے زینت الاسلام میں لکھا ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ جو چیز بعد صحابہ و تابعین حادث ہو وہ بدعت ہے۔ یہ قول ثانی مسائل میں لکھا ہے اس قول کے لحاظ سے تبع تابعین کے زمانہ کی نئی پیدا شدہ چیز بدعت ٹھہرتی ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ صحابہ کے بعد جو قول فعل حادث ہو، بدعت ہے، اس قول کے مطابق زمانہ تابعین کو نئی چیز بھی بدعت ہوگی۔

کوئی کہتا ہے کہ جو امر حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو، وہ بدعت ہے اس قول کے مطابق صحابہ کے دور کی نئی چیز بھی بدعت بنتی ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ جو کام ایسا ہو کہ اس پر حضور نبوی کا حکم نہ صراحتاً نہ استنباطاً اور اس کو کار خیر سمجھ کر کیا جائے تو وہ بدعت ہے۔ خواہ کسی زمانہ میں ہو۔ خواہ اس کے کرنے والے کوئی لوگ ہوں۔ (اہل حدیث ۱۸ جنوری ۱۹۰۷ء)

اس قول کے مطابق زمانہ کی کوئی قید نہیں تو اس صورت میں کس کا قول
صحیح مانا جائے۔
اب نیبے !

حضرت امام شافعی کی تائید

فتح الباری ج ۲۹ ص ۶۴۹ میں حضرت امام شافعی کا قول ملاحظہ فرمائیے فرماتے
ہیں :-

المحدثات ضربان ما احدثت يخالف كتابا او سنة او اثرا او
اجماعاً فهذه بدعة الضلال و احدث من الخير لا يخالف شيئاً
من ذلك فهذه محدثة غير مذمومة .

نئی چیز دو قسموں پر ہے۔ جو نئی چیز کتاب و سنت یا اثر و اجماع سے ٹکرائے
تو وہ بدعت ضلالہ ہے اور ہر وہ اچھی نئی چیز جو مذکورہ امور میں سے کسی سے نہ
ٹکرائے، وہ غیر مذموم (اچھی) ہے۔

ابن قیم نے اعلام الموقعین جلد ۲ ص ۲۱۱ میں بھی امام شافعی سے اس تعریف
کو نقل کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ بدعت کی تعریف جو مولوی وحید الزمان نے لکھی ہے، صحیح ہے
اگر مدعیان بالحدیث اس تعریف کو مانتے ہوئے، ان امور کو جو قرآن و سنت، آثار
صحابہ اور اجماع کے خلاف نہیں، بدعت نہ کہیں تو امید ہے کہ کئی جھگڑے ختم
ہو جائیں اور اتفاق کی صورت پیدا ہو جائے۔

چوتھا قول

مولوی وحید الزمان کا قول ہے کہ متاخرین میں سے ہمارے بعض بھائی شرک
کے امر میں بہت متشدد ہیں۔ انہوں نے اسلام کے دائرہ کو تنگ کر دیا
ہے۔ امور مکروہہ یا محرمہ کو شرک کہہ دیتے ہیں۔

ہدیۃ المہدی ص ۲۶ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

شداد بعض اخواننا من المتأخرین فی امر الشریک و ضیق دائرۃ
الاسلام وجعل الامر المکروهۃ او المحرمۃ شریکاً فان کان عرضہ
من هذا الشریک العملی اعنی الشریک الاصغر سد الذرائع
فاللہ یغفر لہ ویفوعنہ والاہو غالی ومتشدد فی الدین۔

متاخرین میں سے ہمارے بعض بھائی شرک کے معاملہ میں بہت متشدد ہیں
اور انہوں نے اسلام کا دائرہ تنگ کر رکھا ہے وہ امر مکروہ یا محرمہ کو شرک کہہ دیتے
ہیں اگر ان کی مراد شرک عملی یا شرک اصغر ہو یا سد الذرائع لکھا ہو تو اللہ معاف کرے
ورنہ وہ غالی اور متشدد فی الدین ہیں۔

اس کے منہ میں لکھا ہے کہ وہ بعض متشدد شیخ عبد الوہاب نجدی، اس کا بیٹا
محمد اور اس کا فرزند عبد اللہ ہے۔ تقویۃ الایمان میں مولوی اسماعیل نے اکثر امور میں
اس کا اتباع کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ تقویۃ الایمان میں نجدیوں کا اتباع ہے اور نجدی غالی متشدد فی الدین
ہیں پس اگر موجودہ مدعیان عمل بالحديث اس قول پر کریں اور مسلمانوں کو مشرک نہ
بنائیں تو آج ہی تنازعات ختم ہو جائیں۔

اقوال نجدیہ اور مولوی وحید الزمان

مولوی وحید الزمان اقوال نجدیہ لکھ کر ان کا تشدد ظاہر کرتے ہیں۔ کاش آج
کل کے مدعیان عمل بالحديث اسے پڑھ کر غور کریں اور تشدد کو ترک کر دیں تو اتحاد
بین المسلمین کے لیے راستہ ہموار ہو جائے۔

قول نجدی

نجدی کہتا ہے کہ مشکلات میں اعانت اور حاجات کا پورا کرنا اگرچہ اللہ کی

قدرت سے ہے اور اس کے اذن اور امر و رضا پر ہے۔ انبیاء و اولیاء کی شان سے نہیں۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے وہ مشرک ہے۔

قول وحید الزمان

وحید الزمان کہتا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ اللہ کے امر و قضا و ارادہ سے فرشتے لوگوں کی اعانت کرتے ہیں۔ اپنے اختیار اور قدرت سے نہیں پس اگر کوئی شخص کہے۔

یا روح القدس اعنی یا ہر اللہ یا انصرنی باذن اللہ۔

اے روح الامین اللہ کے اذن سے میری مدد کر۔

تو کیا وہ شخص مشرک ہو جائے گا؟

اسی طرح اگر کہے۔

یا ملئکۃ اللہ یا عباد اللہ اعینونی یا ہر اللہ

اے اللہ کے فرشتو یا اللہ کے بندو! اللہ کے امر سے میری مدد کرو۔

یا یوں کہے۔

اے میکائیل میری کھیتی میں باذن اللہ بارش ڈال۔

تو وہ کس طرح مشرک ہو جائے گا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وایدناہ بروح القدس۔ (منہج ہدیۃ المہدی ص ۲۷)

پھر مولوی وحید الزمان لکھتے ہیں کہ ۱۔

لوگ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان

وقال اللہ تعالیٰ :

ان استنصروا کو فی الدین فعلیکم النصر۔

وقال تعالیٰ :

یہد دکر بکم نجسۃ الاف من الملئکۃ مسومین۔

اور ذوالقرنین نے فرمایا۔

اعینونی بقوة۔

اور حدیث ابدال میں ہے۔

الابدال فی امتی ثلاثون رجلاً یبھون تقوم الارض ویبھون تطرون
ویبھون تنصرون۔

میری امت میں تیس ابدال ہیں جن کی برکت سے زمین قائم ہے۔ انہی کی
برکت سے بارش ہوتی ہے اور انہی کی برکت سے تم لوگ مدد کیے جاتے ہو۔
اور حدیث حسان میں ہے۔

اللہم ایدہ بروح القدس

اے اللہ روح القدس کے ساتھ اس کی مدد کر۔

پس مولوی وحید الزمان کے اس تبصرہ سے معلوم ہوا کہ بندگان خدا اور پاکان
امت اللہ کی رضا سے مشکلات میں اعانت کرتے اور حاجات کو پورا کرتے ہیں
کاش آج کل کے مدعیان عمل بالحدیث اپنے جلیل القدر عالم کے تبصرہ پر غور کریں
اور بات بات پر مسلمانوں کو مشرک بنانا چھوڑ دیں۔

قول نجدی

نجدی کہتا ہے کہ جب لوگ انبیاء و صلحاء کی قبروں کو بوسہ دینا شروع کر دیں
یا ہاتھ لگائیں یا ان کے گرد طواف کریں تو وہ قبریں بتوں کے حکم میں ہو جاتی ہیں۔
ان قبروں کا گرا دینا اور ان کی اہانت واجب ہے، نجدی نے رسول کریم کے اس
قول سے تمسک پکڑا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔

اللہم لا تجعل قبری و تنایعیدا

قول وحید الزمان

وحید الزمان کہتا ہے کہ انبیاء و صلحاء کی قبور کی تعظیم ہماری شریعت نے باقی
رکھی ہے، ان کی تحقیر جائز نہیں۔ البتہ لوگوں کو ان امور سے جو وہ کرتے ہیں منع کر

دیا جائے۔ جس طرح کوئی شخص کعبہ شریف، حجر اسود یا صفا مروہ کی عبادت شروع کر دے تو کیا کعبہ شریف کا گرانا اور اس کی امانت درست ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ حضور علیہ السلام کی دعا کا یہ مطلب نہیں کہ لوگوں کی عبادت سے حضور کی قبر مبارک بت بن جائے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی قبر کو مثل بت نہ بنائے کہ لوگ اس کی پوجا شروع کر دیں۔

قول نجدی

نجدی کہتا ہے کہ جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی تنظیم کرے اور اس طرح کھڑا ہو جس طرح نمازیں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر کھڑا ہوتا ہے اور آپ سے شفاعت طلب کرے تو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔

قول وحید الزمان

وحید الزمان کہتا ہے کہ یہ وہ غلو ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ امام ذہبی، مکی ماوردی اور ابن ہمام وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ آداب زیارت میں سے ہے۔ کہ ایسے کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آئے، کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھائے۔ راوی کہتے ہیں۔ میں نے گمان کیا کہ آپ نے نماز شروع کر دی۔

اگر قبر پر قیام مشرک ہوتا تو سجدہ بطریق اولیٰ شرک ہوتا حالانکہ حضرت معاذ نے جب حضور کو سجدہ کیا تو آپ نے اُن کو تجدید ایمان کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ صرف بتی پر کفایت فرمائی۔ واللہ اعلم (ہدیت المہدی ص ۱۸)

ابن قیم
کے
چند اقوال

تعارف

علامہ ابن قیم بلند پایہ محدث گذرے ہیں اس زمانہ کے اہل حدیث بھی ان کو بلند پایہ محدث تسلیم کرتے ہیں۔ علامہ ابن قیم نے اپنی تصنیفات میں کئی ایسی باتیں لکھی ہیں جو موجودہ دور کے اہل حدیثوں کے خلاف ہیں۔ اس مضمون میں علامہ ابن قیم کے چند اقوال پیش کیے جا رہے ہیں۔

جوابات موجودہ دور کے اہل حدیثوں کے خلاف ہو، خواہ وہ کسی محدث کا قول کیوں نہ ہو، جھٹ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس کے مقلد تو نہیں، ہم ملتے ہیں کہ آپ ابن قیم کے مقلد نہیں لیکن اتنا تو بتاؤ کہ وہ تم سے زیادہ حدیث کا واقف تھا یا نہیں؟ ایک شخص جو تم سے زیادہ حدیث کا واقف ہے اور محدث دوراں ہے وہ اگر کوئی بات انصاف سے کہہ دے تو تمہیں مان لینے میں کیوں تامل ہے۔ آئندہ سطور میں ابن قیم کے چند اقوال درج کیے جا رہے ہیں۔ موجودہ دور کے اہل حدیثوں میں سے کوئی سلیم الفطرت اگر ایک محدث کے اقوال پر یقین کر لے تو میری محنت رائگاں نہ جائے گی۔

فقیر ابو یوسف محمد شریف غفرلہ

پہلا قول

زاوالمعاد جلد اول مطبوعہ مصر ۱۲۵۳ھ کے صفحہ ۹۹ میں فرماتے ہیں۔
 فاذا جهر به الامام احيانا ليعلم المومنين فلا باس بذلك
 فقد جهر عمر بالافتتاح ليعلم المومنين وجهر ابن عباس
 بقراءة الفاتحة في صلوة الجنائز انها سنة ومن هذا ايضا
 جهر الامام بالتامين۔

اگر امام دعائے قنوت اور نچی پڑھتے تاکہ مقتدیوں کو سکھائے تو کوئی ڈر نہیں
 بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقتدیوں کی تعلیم کے واسطے دعائے افتتاح (یعنی
 سبحانك اللهم وبحمدك) اور نچی پڑھی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جنازہ
 کی نماز میں سورہ فاتحہ اور نچی پڑھی تاکہ مقتدیوں کو معلوم ہو جائے کہ سورہ فاتحہ میں
 سنت ہے اور امام کا اور نچی آمین کہنا بھی اسی قبیل سے ہے (یعنی یہ بھی تعلیم کی
 غرض سے تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ولا الضالین کے بعد جو سکتہ ہے اس میں آمین
 کہی جاتی ہے)

ابن قیم رحمہ اللہ نے امام کا آمین بالجہر تعلیم پر حل کیا ہے جس طرح ثناء کا اور نچی
 پڑھنا حضرت عمر سے ثابت ہے اور یہی صحیح ہے اس کے متعلق ایک حدیث
 بھی آئی ہے جس میں ایک صحابی آمین بالجہر کی وجہ بیان کرتا ہے۔ ما اسأه الا ليعلمنا
 یعنی آپ کی آمین بالجہر تعلیم کے واسطے تھی۔

دوسرا قول

ابن قیم کے اس قول سے بھی معلوم ہوا کہ جنازہ میں جہر پڑھنا سنت نہیں۔ ابن
 عباس نے جہر اس لیے پڑھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جنازہ میں الجہر پڑھنا سنت
 ہے، (فرض نہیں) آج کل کے اہل حدیث کہلانے والے فرض کہتے ہیں حالانکہ

ابن تیم رحمہ اللہ کا شیخ ابن تیمیہ بھی فرضیت کا قائل نہیں۔
 ابن تیم زاد المعاد جلد اول کے ص ۱۱ میں فرماتے ہیں۔
 قال شیخنا لا یجب قراءۃ الفاتحۃ فی صلوۃ الجنازۃ بل ہی سُنَّة۔
 ہمارے شیخ نے فرمایا کہ قرأت فاتحہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔
 میں کہتا ہوں یہ بھی بہ نیت دعا ہے نہ بہ نیت قرأت۔

تیسرا قول

اس زمانہ کے اہل حدیث کہلانے والے سفر میں دو نمازیں جمع کر لیتے ہیں۔
 کبھی جمع تقدیم یعنی ظہر کے ساتھ ہی عصر یا مغرب کے ساتھ ہی عشاء پڑھ لیتے ہیں اور
 کبھی جمع تاخیر یعنی عصر کے وقت ظہر اور عشاء کے وقت مغرب پڑھ لیتے ہیں۔
 لیکن ابن تیم زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۱ میں لکھتے ہیں۔
 قال ابوداؤد هذا حدیث منکر و لیس فی تقدایم الوقت حدیث
 قائم۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث (حدیث معاذ در بارہ جمع تقدیم) منکر ہے اور تقدیم
 وقت میں کوئی حدیث قائم نہیں۔
 پھر ص ۱۱ میں حاکم سے نقل کیا۔
 کہ یہ حدیث موضع ہے۔

پھر ابن تیم نے یہی حدیث بروایت بن سعد عن ابی الزبیر نقل کی اور فرمایا۔
 ہشام بن سعد ضعیف ہے۔ اس کو امام احمد و ابن معین و ابو حاتم و ابو زرہ
 و یحییٰ بن سعید نے ضعیف کہا۔ اور جمع تاخیر سے مراد جمع صوری ہے۔
 پھر ابن تیم زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۱ میں لکھتے ہیں۔

ولو یحیی جمع التقدایم عنہ، فی سفر الاہذا
 سفر میں جمع تقدیم کی ایک یہی روایت آئی ہے۔

جس کا ضعف ابن قیم نے ثابت کیا۔

چوتھا قول

زاد المعاد مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۱ میں :-
ابن قیم ان لوگوں کی ترویج کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذات بابرکات ہمارے ذات کے مساوی ہے حضور علیہ السلام کی افضلیت
صرف امور خارجہ کی وجہ سے ہے، فرماتے ہیں :-

اما بین بطلان اے یقتضی بان مکان البیت الحرام مساو
لسائر الامکنة وذات الحجر الاسود مساویة لسائر حجارة
الارض وذات رسول الله صلی الله علیه وسلم مساویة
لذات غیره وانما التفضیل فی ذالک بامور خارجة عن
الذات والصفات القائمة بها وهذا الاقایل وامثالها
من الجنایات التي جناها المتكلمون على الشريعة ونسبوا
اليها وهي بريئة منها۔

وما سوى الله تعالى بين ذات المسك وذات البول ابدا
ولا بين ذات الماء وذات النار ابدا والتفاوت البين بين
الامكنة الشريفة واصدادها والذوات الفاضلة و
اصدادها اعظم من هذا التفاوت بكثير جنين ذات موسى
عليه السلام وفرعون من التفاوت اعظم مما بين المسك
والوجيع وكذا ذلك التفاوت بين نفس الكعبة وبين بيت
السلطان اعظم من هذا التفاوت ايضا بكثير فكيف يجعل
البقعتان سواء في الحقيقة والتفضيل باعتبار ما يقع هناك
من العبارات والازكار والدعوات۔ انتهى۔

میں اس بات کا بطلان کرتا ہوں کہ بیت اللہ دوسرے مکانوں کے مساوی ہے اور حجر اسود زمین کے دوسرے پتھروں کے برابر ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات دوسرے لوگوں کی ذات کے مساوی ہے۔ اور ان کی برتری ان امور کے باعث ہے جو ذات و صفات قائمہ سے خارج ہیں۔ ایسی باتیں متکلمین نے شریعت کے ذمہ لگائی ہیں حالانکہ شریعت اس سے بری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کستوری کی ذات اور بول کی ذات کو برابر نہیں بتایا۔ نہ پانی اور آگ کی ذات کو مساوی کیا۔ شریف مکانوں اور ان کی اضداد اور ذوات فاضلہ اور ان کی اضداد میں جو فرق ہے۔ وہ اس فرق (یعنی کستوری اور بول کے فرق) سے نہایت ہی بڑا فرق ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ذات اور فرعون کی ذات میں جو فرق ہے، وہ کستوری اور گوبر کے فرق سے بہت فرق ہے۔ اسی طرح نفس کعبہ اور بادشاہ کے گھر میں جو فرق ہے وہ بھی اس فرق سے بہت اعظم ہے تو کس طرح دونوں جگہوں کو مساوی کہا جاتا ہے؛ اور باعتبار عبادات اور اذکار کے نفس کعبہ کو فضیلت دی جاتی ہے۔

پانچواں قول

اس زمانہ کے اہل حدیث کہلانے والے غائبانہ نماز جنازہ کا حکم دیتے ہیں۔ ابن قیم زاد المعاد ص ۲۰۵ جلد اول میں فرماتے ہیں۔

ولو يكن من هدايه وسنة الصلوة على اميت غائب فقامات

خلق كثير من المسلمين وهو غيب ولو يصل عليه۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ نہ تھی کہ ہر غائب پر جنازہ کی نماز پڑھیں۔ کئی مسلمان غائب فوت ہوئے مگر آپ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

یہی بات نجاشی کے غائبانہ جنازہ کی تو ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ نجاشی کفار میں فوت ہوا۔ اس پر کسی نے جنازہ نہ پڑھا تھا۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے اس

کا غائبانہ جنازہ پڑھا۔

چھٹا قول

آجکل کئی لوگ نعت خوانی کو اچھا نہیں سمجھتے۔

ابن قیم زاد المعاد جلد ۳ ص ۱۳۱ میں فرماتے ہیں۔

فلما دخل قال العباس یا رسول اللہ ائذن لی امتدحک

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قل لا یفرض اللہ

فانک فقال من قبلها طبت فی الظلال و فی الخ

جب حضور مدینہ میں داخل ہوئے تو حضرت عباس نے عرض کی مجھے اجازت

ہو تو آپ کی مدح کروں حضور نے فرمایا کہ ہو خدا تمہارے منہ کو سلامت رکھے تو

حضرت عباس نے حضور کے سامنے حضور کی نعت نظم میں پڑھی۔

فقیہ اعظم حضرت مولانا ابویوسف محمد شریف محدث کو بلوی کا خاص عظیم

دایم محمد اسد

جس عورت کے ہاں مردہ بچے پیدا ہوتے ہوں یا کمزور ہو کر مرتے ہوں یا وقت سے پہلے حمل ساقط ہو جاتا ہو یا روکیاں ہی روکیاں پیدا ہوتی ہوں اسے مرض اٹھراہ ہے اس کا مراد مرض کے آزاد کے لیے حضرت فقیہ اعظمؒ ویاں اور تعویذات دیا کرتے تھے جس سے ہزاروں عورتیں بامراد ہو گئیں۔ اہل باعکا اور ڈاکٹروں نے تسلیم کیا ہے کہ اس مرض کیلئے

یہ روحانی علاج سو فیصد کامیاب ہے
 الحمد للہ! یہ خاص عیبہ والد گرامی مجھے عطا فرمایا گئے ہیں ضرورت مند اصحاب مجھے
 آمٹھ مادہ کے یہ تعویذات اور گولیاں طلب فرمائیں
 نوٹ: یہ دوا حمل کے پہلے دوسرے یا پھر تیسرے ماہ تک شروع کر دینا لازم ہے۔ پھر بچہ پیدا ہونے
 تک دوائی جاری رکھی جاتی ہے۔ ترکیب استعمال ساتھ روانہ کی جائے گی:

در مجموع ۱۰۰۰ کیلوگرم است

پتھوں کے سوکڑے کا سو فیصد مفید و رحانی علاج

تشیخ

پہ اُلسو کو کر کاٹنا بن چکا ہوا اس میں خون یا کیشم کی کمی ہو تو سسکے یہ تھینی منگو ارت قدرت کا اثر دیکھیے
نکلے میں ڈالنے کا ایک تعویذ در ۴۴ عدد روئیاں ہیں ہر روز ایک ونی پس کر دیں گے چمچ بھاپانی میں کھول کر
پلائی جاتی ہے پچھتہ بھر میں ہی موتا تازہ پھولان نظر آتا ہے آزاد شش شرہ ہے ۔

۲۰٪ یہ مخصوص ایکسٹ

صاحبزادہ ابوالنور محمد بشیر
دربار شریفی کوٹلی لوہاراں
ضلع سیالکوٹ

فِتْۃُ الْفَقِیْہِ

—: مُصَنَّف: —

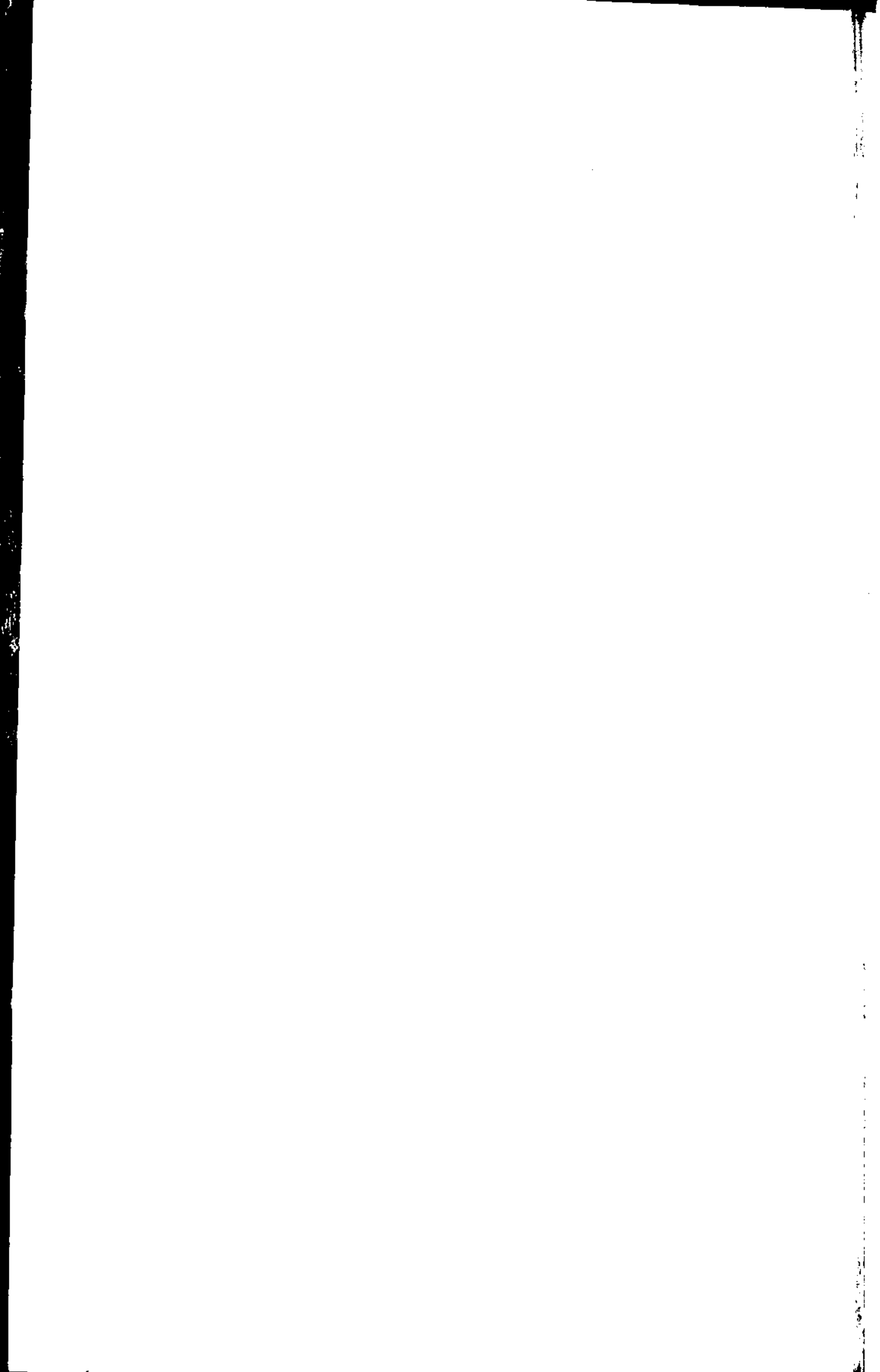
فقیہ اعظم مولانا ابویوسف محمد شریف محدث کوٹلوی رحمہ اللہ



فقہ کے موضوع پر بصیرت افروز مقالات
امام اعظم، ہدایہ اور درمختار پر اعتراضات کے جوابات
غیر مقلدین کی فتنہ کے عجیب و غریب مسائل

—: ناشر: —

فریدی بک سٹال ، ۴۴ اردو بازار ، لاہور







1000000

1000000

1000000

1000000